

فتاویٰ ملک العلماء

ملک العباد شاہ محمد ظفر الدین، قالاری رضوی، علیہ السلام

ترتیب و تقدیم
سائل سہرامی (ملک)

ترتیب و تقدیم
نیر و ملک العلماء و امجدی مختار
ترتیب و تقدیم
بیادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے
ترتیب و تقدیم

بین السوال والجبوب عجب اضطراب مشوش قلب واقع ہے۔ سوال میں زید نکاح پڑھانے والے کو فضولی بتایا گیا ہے اور فضولی وہ شخص ہے جو مامور بانشاء عقد نہ ہو اور جواب میں یہ عبارت ”اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دیدی ہے تو ولی کو نکاح کا حق بھی نہ رہا“ جو سوال کے اندر داخل نہیں ہے، جواب کو مفید اطمینان ہونے سے مانع ہوتی ہے کیونکہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا باپ کی طرف سے یہ اجازت زید کو حاصل ہوئی تھی اور اسی اجازت کی بناء پر انشاء عقد ہوا؟ اگر یہی صورت ہے تو فضولی نہیں ٹھہرتا بلکہ مامور متخائب اب ہوا۔ فاشی یصح هذا الجواب یا یہ کہ یہ اجازت باپ سے بعد از انشاء عقد خبر ہو چنے پر میرا یہ رضا میں صادر ہوئی، اس صورت میں گو جواب از روئے عبارت صاحب ہدایہ صحیح ہو سکتا ہے لیکن محل نظر ضرور ہے۔ فقط کتبہ علی نعمت الظواری رحمت زید باری

(سوال مطول و مفصل)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ باکرہ کی منسوب خالد سے ایک سال سے تھی۔ اور ہندہ اور ہندہ کے باپ وغیرہ کو معلوم تھا کہ آج ہندہ کا نکاح ہے۔ لیکن ہندہ کا باپ چار کوس پر تھا۔ ہندہ کے باپ نے اکبر کے نام سے خط لکھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں بیمار ہوں۔ پیادہ روی سے مجبور ہوں، سواری ملتی نہیں ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ تاریخ بڑھادی جاتی تاکہ میری بھی شرکت ہوتی۔ مگر جب کہ عورتوں نے تاریخ مقرر کر لی ہے تو انجام ہی ہونا ضرور ہے۔ زید وہاں موجود ہے بعض مبلغ اکیس ہزار روپیہ نکاح کر دے۔ لڑکی میری وابستہ بالغہ ہے، اس کی بھی اجازت لے لے اور احمد آئندہ خط کا زبانی بیان سن کر بلا لینے ثبوت شہادت، زید نے بعض مبلغ اکیس ہزار روپیہ (جو بلا اجازت اکبر خط پڑھ کر احمد آئندہ خط کا زبانی بیان سن کر بلا لینے ثبوت شہادت، زید نے بعض مبلغ اکیس ہزار روپیہ) جو کہ مہر مثل سے نصف کم کے قریب ہے) ایک مجمع عام میں بلانا مزد کرنے دو گواہ کے، ہندہ کا نکاح خالد سے کر دیا۔ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے قبل نکاح اجازت نہیں لی تھی اور نہ بعد نکاح خود زید یا کسی دوسرے شخص خاص نے ہندہ کو نکاح کی خبر دی۔ مگر جب نکاح ہو گیا تو گھریا ہر شور غل مچ گیا کہ نکاح ہو گیا، نکاح ہو گیا۔ جس وقت تو اتر سے نکاح کی خبر ہندہ کے گھر پہونچی (ہندہ بھیڑ میں تھی) صریح لفظوں میں اقرار کیا اور نکاح کیا اور خلوت صحیح بھی ہو گئی۔ ہندہ خالد سے راضی ہے اور ہندہ کے باپ کو بھی کوئی کلام نہیں ہے۔ ایسی صورت میں نکاح صحیح و نافذ ہو گیا یا تجدید نکاح و تصریح اذن ہندہ کی ضرورت ہے اور بالفرض اسی صورت میں اگر ہندہ کے باپ کا خط نہیں آتا اور زبانی ہدایت بھی نہیں ہوتی تو کیا جواب ہوگا؟

(اعتناء) مآئین فیہ، میں اسورات نمہ مفصلہ ذیل پر ضرور دلیل شافی ہونی چاہئے:

(۱) اجازت بالکتابت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس صورت میں زید وکیل متخائب پدر ہندہ قرار پائے گا یا نہیں؟ خانیہ وغیرہ میں مصرح ہے کہ اگر ولی نے بلا اجازت اپنی لڑکی بالغہ کا نکاح پڑھا دیا تو یہ نکاح لڑکی کی رضا پر موقوف ہے۔ اگر بالغہ ہے تو سکوت بھی رضا ہوگا جیسا کہ عند الاستیذان سکوت رضا پر محمول ہے۔ پس اگر زید وکیل پدر ہندہ قرار پاتا ہے تو اس کے نکاح پڑھا دینے پر سکوت، رضا پر محمول ہوگا یا نہیں؟ اور اگر بالفرض زید وکیل نہیں بلکہ فضولی قرار دیا

جائے تو بغیر تصریح اذن ہندہ، یہ نکاح نافذ ہوگا یا نہیں؟ اور اجازت فعلی (یعنی خلوت صحیحہ) مثل اجازت قولی (یعنی اقرار باللسان) کے متغیر ہوگی یا نہیں؟

(۲) انعقاد نکاح کے وقت نامزد کرنا دو گواہوں کا (جیسا کہ فی زمانہ ہندامروج ہے) بھی ضرور ہے یا صرف موجود رہنا کافی رہے گا؟

(۳) بعد نکاح منکوحہ کے پاس مرد و شخص خاص (جیسا کہ فی زمانہ ہندامروج ہے) کو جا کر نکاح کی اطلاع کرنا بھی ضرور ہے یا کسی طرح (جیسا کہ ماخوذ فیہ میں ہوا ہے) سے اطلاع ہو جانا کافی ہوگا؟

(۴) استیذان غیر ولی میں تکلم باللسان شرط ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے: "وإذا استأذنها الولي فسكت أو ضحكت فهو إذن وإن فعل هذا غير الولي لم يكن رضا حتى يتكلم به" اور "مما نحن فيه" میں یہ نکاح بوجہ ترک استیذان ہندہ کی اجازت پر موقوف ہے۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے: "وتزويج العبد والامة بغیر إذن مولاهما موقوف فان أجاز الولي جاز وإن ردّه بطل وكذا لئ لو زوج رجل امرأة بغیر رضاها أو رجلاً بغیر رضاها"۔

پس استیذان اور اجازت شرعاً دو شئی ہے یا شئی واحد؟ اگر دو شئی ہے تو جس طرح استیذان غیر ولی میں تکلم باللسان شرط ہے، اسی طرح اجازت میں بھی تکلم باللسان شرط ہے یا نہیں؟ اور ہر واحد کی بقول مفتی بیاجمالا یا جدا گانہ کیا تعریف ہے؟

(۵) مجرد سکوت دلیل اجازت ہے یا نہیں؟ اور اگر بالفرض مجرد سکوت دلیل اجازت نہیں ہے تو خلوت صحیحہ دلیل اجازت ہوگی یا نہیں؟ بھلل عبارات فقہیہ معتبرہ علمائے احناف جواب ہونا چاہئے۔ مینو ادو توجروا۔

الـجـواب

صورت مسئلہ میں نکاح مذکور صحیح و نافذ ہوا۔ اب نہ تصریح اذن ہندہ کی ضرورت نہ تجدید نکاح کی حاجت۔ بلکہ بالفرض اگر ہندہ کے باپ کا خط بھی نہ آتا اور زبانی ہدایت بھی نہ ہوتی، جب بھی نکاح نافذ ہی ہوتا۔ اس لئے کہ یہاں یا تو زید بوجہ توکیل اب ہندہ بمنزلہ اب ہے کہ القلم احد اللسانین والکتاب كالخطاب۔ یا اتنا بھی نہیں بلکہ ایک اجنبی و فضولی گرچہ بالغ کے نکاح میں باپ بھی حکماً فضولی ہے اور امر خود عورت ہی کی طرف عاید۔ اسی کی اجازت سے جائز اس کے رد سے رد ہے۔

فتاویٰ امام فقیر النفس قاضی خاں میں ہے: "لان رجلاً زوج ابنته البالغة من رجل غائب وقيل عن الزوج فضولي فبات ابوا البقرة قبل احوالة الغائب لا يبطل نكاح الاب بموته لان الاب لو اراد فسخ النكاح لا يملك في قول ابی يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى لانه فضولي فلا يبطل النكاح"۔

صورت اوّل میں جب کہ بحکم فعل الوکیل فعل المؤکل زید کا نکاح جو مجمع عام میں اگرچہ بے تعیین شاہدین ہوا (اس لئے کہ نکاح کے لئے حضور و سماع و فہم شاہدین شرط ہے نہ کہ مجمع حاضر سے خاص دو کی تعیین) ہندہ کے باپ کا کیا

ہوا نکاح قرار دیا جائے۔ کما مہاتمی نصہ جب تو اس کی خبر پا کر ہندہ بکر کا سکوت ہی اجازت کو پس ہے۔ اگر تمہیں خلوت صحیحہ نہ بھی ہوتی تو صرف سکوت ہی رضا سمجھا جاتا۔

خانیہ میں ہے: "السکوت جعل رضائی مسائل معدودۃ منها بکر زوجہا دلیلہا فعلیت ذالک فسکت کذا سکوتہا رضا۔"

اور صورت ثانیہ میں اگرچہ زید بمنزلہ اب ہندہ نہیں، نہ اس کا نکاح حکم نکاح اب ہندہ میں ہے۔ تو یہاں مجرد سکوت کا ذرا نہ ہوتا۔ مگر جب بھی لافل فضولی اجنبی تو ہے اور نکاح فضولی منعقد ہے۔ بالغہ کا نکاح کوئی راہ چلتا شخص بلا اذن کر دے تو اجازت بالغہ پر موقوف رہتا ہے۔ اگر اجازت ہے تو جائزہ رد کر دے تو رد ہو جائے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "لا یجوز نکاح احد علی حالۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغير اذنیہا بکرا کانت او ثیافان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتہا فان احازتہ جار وان ردت بطل۔" اب تنقیح طلب دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اجازت کے لئے صاف لفظوں میں ہی اقرار ضروری ہے یا اور بھی کسی طرح سے اجازت ہو سکتی ہے؟ تو ان صورتوں میں سے کوئی بات یہاں پائی گئی یا نہیں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ خاص الفاظ سے اجازت کی حاجت نہیں۔

تیسرے الحقائق شرح کنز الدقائق، فتاویٰ عالمگیریہ، تنویر الابصار، درمختارہ میں ہے: "واللفظ لالا ول" و کما یتحقق رضاہا بالقول لقولہا رضیت و قبلت او احسنت و اصیت و بارک اللہ لک و لنا ونحوہ ما یتحقق رضاہا بالدلالة بطلب مہرہا و نفقتہا و تمکینہا علی الوطی و قبول التہنۃ و ضحک بالسرور من غیر استیدان۔"

شامی میں طبعی اور اسی میں خانیہ سے ہے: "اجاب صاحب الہدایہ فی امرہ زوجت نفسہا بالغ من رجل عند الشہود فلم یقل الزوج شیئاً لکن اعطاها المہر فی المجلس ان یکون قبولاً وانکبر صاحب المحيط وقال لا مالہ یقل بلسانہ قبلت بخلاف البیع لانہ یتعقد بالتعاطی والنکاح لحظۃ لا حتی توقف علی الشہود بخلاف اجازۃ نکاح الفضولی بالفعل لا تجوز العقول ثمہ۔"

رد المحتار میں ہے: "یعنی و اشار ان الاجازۃ یثبت بالدلالة کما یثبت بالتصریح وبالضرورة۔" عالمگیریہ میں بحر الرائق سے ہے: "و یثبت الاجازۃ فی النکاح الفضولی بالقول والفعل۔" اور ہم دیکھتے ہیں کہ خلوت برضا بھی اجازت ہے۔

فتاویٰ ظہیریہ، بحر الرائق پھر رد المحتار میں ہے: "ولو خلا بہا برضاہا هل یکون اجازۃ لا رواۃ لہذہ المسئلۃ وعندہ ان هذا اجازۃ۔"

بزاز یہ قبیل فصل عاشر میں ہے: "ولو خلا بہا برضاہا فالظاهر انہ اجازۃ۔" اسی میں ہے: "عندی

انہ اجازۃ و کذا الخلوۃ فی النکاح الموقوف۔“ پس جب خلوت صحیحہ بھی اجازت ہے اور دلالت بھی رضا۔ تو صورت مسئلہ میں اگرچہ عاقد نے خود چاہ کر اطلاع نہ کی، نہ شرعاً اسے یہ ضرور مگر جب ہندہ کو خبر ہو چکی اور اس نے روضہ کیا، یہاں تک کہ خلوت صحیحہ ہوئی تو اجازت فعلی پائی گئی، جو اقویٰ من القول ہے۔ لاجرم نکاح نافذ ہو گیا۔ اب تصریح اذن کی اصلاً حاجت نہیں۔ واستیذان غیر ولی میں خاص زبان سے کوئی لفظ کہنا شرط ہے، نہ اجازت نکاح غیر ولی میں بلکہ قولی و فعلی دونوں کافی ہیں۔ ہاں سکوت محض قولاً و فعلاً، دلالت صراحتہ اجازتاً، اصلاً نہ ہو، استیذان یا ترویج غیر ولی کے لئے کافی نہیں۔ اور یہی مطلب عبارت ہدایہ کا ہے، جس کی توضیح عنقریب آتی ہے۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ سوال میں خلوت سے حقیقی معنی مراد ہوں اور اگر وہ جماع سے کنایہ ہے یعنی صحبت برضا واقع ہوئی، جب تو فضولی اجازت میں اصلاً کسی طرح کسی کو محض شبہ نہیں۔ فان التمسکین من الوطی اجازۃ بلا خلاف وقد نص علیہ فی غیر ما کتب۔

استیذان و اجازت میں آسان و زمین کا فرق ہے۔ استیذان غالباً مزدوج یا کسی بالائی شخص کا کام ہے۔ اور اجازت بحال بلوغ و عقل و قرب خاص زوجین کا فعل کہ دوسرے سے ناممکن۔ اذن و اجازت میں فرق ہے۔ اگرچہ ایک دوسرے کی جگہ کلمات علما میں مستعمل۔ قبل از نکاح اظہار رضا کو اذن کہتے ہیں اور بعد کو اجازت، قولی ہو یا فعلی۔

رد المحتار میں ہے: "قلت یظهر مما ذکرنا الفرق بین الاذن والاجازۃ ان الاذن مما سیقع والاجازۃ مما وقع ویظهر منه ایضا ان الاذن یکون بمعنی الاجازۃ اذا کان لامر وقع بالجملة۔" صورت مسئلہ میں نکاح مذکور، بے شبہ صحیح و نافذ ہے۔ نہ حاجت تجدید، نہ ضرورت تصریح اذن۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب جناب مولوی ابوالمنظر محمد سعید الدین صاحب مدرس اول مدرسہ عزیز یہ قطعاً باطل ہے۔ چند حروف مختصر اس کے متعلق حسب فرمائش گزارش کرتا ہوں۔

قولہ "اس صورت میں نکاح ہندہ کی تصریح اجازت پر موقوف ہے" اقوال نہیں ہرگز نہیں۔ ہنابندہ ب قوی نکاح فضولی میں خلوت صحیحہ بھی اجازت ہے۔ ملاحظہ ہو فصول عمادیہ عبارت ہر از یہ سے ہے: "وکذا الخلوۃ فی النکاح الموقوف اجازۃ۔"

پس جب خلوت صحیحہ ہوئی جو اجازت فعلی اولیٰ من القولی ہے، نکاح فائز ہو گیا پھر دوبارہ اجازت کی حاجت نہیں رہتی۔

قولہ "لہذا لازم ہے کہ ہندہ سے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار کر لیا جائے۔" اقوال صاف لفظوں میں اجازت تو اصلاً کسی حالت میں لازم نہیں۔ بلکہ قولاً و فعلاً ہر طرح مطلقاً اجازت ہوتی ہے اور استیذان اور ترویج ولی اقرب میں محض سکوت بلا قول و فعل سے بھی۔ اور عبارت ہدایہ سے شبہ کا حل اجمالاً گذرا اور تفصیلاً عنقریب آتا ہے۔ تو لہذا جس بنیاد پر لکھا گیا ہے، وہی غلط ہے۔ لہذا یہ "لہذا" بھی فاسد و مضطرب ہے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ اب پھر صاف لفظوں میں ہندہ سے کہلوایا جائے۔

قولہ ”اور نہ ابد الابد زنا ہوتا رہے گا اور اولاد اولاد الحرام قرار پائے گی“ اقول یہ حکم، بلیل محض جبروتی و بے دلیل، بنائے فاسد علی القاسد ہے۔ خادم فقہ و واقف رموز شرع پر پوشیدہ نہیں کہ اذن و اجازت سے مقصود صرف اظہار رضا ہے نہ کہ خاص لفظ۔ قلت اور حکمین علی الوطی اول دلیل علی الرضا۔ کما صرح العلامة الشامی قدس سرہ السامی تو ابد الابد و درکنار ایک دفعہ کی وطی بھی زنا نہ ٹھہرے گی، نہ زوجین کی اولاد کبھی حرامی قرار پائے گی۔ اور ابد الابد عجیب ارشاد۔ معدود برسوں سے زیادہ تو زوجین زندہ بھی نہ رہیں گے مگر ان کا زنا ابد الابد جاری رہے گا۔ اور اگر اس سے وبال زنا مراد ہو، جب بھی غلط زنا کفر نہیں، جس کی سزا وائم و نائم منقطع ہو۔

قولہ ”جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ”واذا استاذنہا الولی الی قولہ لانه قائم مقامہ الخ“

اقول مولوی صاحب یہاں تک کہ جو لکھا محض اجتہاد تھا اور اپنے خیال پر احکام تھے۔ اب عوام کے نزدیک فتویٰ کی عزت اور اسے بھاری بھرکم بنانے کو عربی عبارت تحریر فرمائی۔ مگر اس سے تو نہ لکھنا ہی اچھا تھا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ استیذان و اجازت دونوں کا حکم ایک ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو عبارت ہدایہ میں دوبارہ استیذان ولی وغیر ولی کا فرق بتایا ہے کہ ولی کے استیذان میں سکوت و خجک بھی اذن ہے۔ اور غیر ولی میں نہیں بلکہ تکلم درکار ہے۔ اور سوال میں صاف مذکور ہے کہ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے نہ قبل اجازت لی تھی اور نہ بعد نکاح اطلاع دی۔ پھر صورت مسئلہ سے اس عبارت کو کیا تعلق ہوا؟ اور اگر اذن و اجازت دونوں کا ایک ہی حکم ہے تو اس عبارت ہدایہ سے زیادہ کھلی ہوئی تصریح خانہ میں ہے: ”اما غیر الاب والجد لیس بولی فی النکاح من غیر کفو فلم یکن سکوتہا رضا ولا بد من التعلق۔“ مگر جواب اس کا اولایہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب اجنبی فضولی محض ہو اور وہ خود نکاح پڑھا دے۔ درمختار میں ہے: ”بکر استاذنہا غیر الاقرب کاجنبی۔“

شامی میں ہے: ”قولہ کاجنبی المراد به من لیس له ولاية فتمثل الاب اذا کان کافرا او عبدا او مکاتباً لکن رسول الولی قائم مقامہ فیکون سکوتہا رضا عند استیذانہ کما فی الفتح والوکیل كذلك کما فی البحر عن القنیة“ اور یہاں پر زید وکیل اب ہندہ ہے تو حکم اب میں ہوا۔ پس خلوت اور حکمین تو درکنار نفس سکوت ہی رضا ہوگا۔ العبارة قد مضت ثانیاً۔ بالقرض زید حکم اب میں نہ لیا جائے اور اجنبی محض ہی قرار پائے، جب بھی صاف لفظوں میں کہنا کچھ ضروری نہیں، دلالت اذن بھی حکم نطق و تکلم میں ہے۔

درمختار میں ہے: ”فان استاذنہا غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرة بسکوتہا یل لاید من القول الثیب البالغة او ما هو فی معناه من فعل یدل علی الرضا بطلب مہرہا ونفقتہا وتمکینہا من الوطی ودخولہ بیہا برضاھا“ ظہیر یہ۔

شاید مولوی صاحب کو بعض رکعی کتابوں کے الفاظ ”حتی تنکلم بالقول کالثیب“ سے دھوکا ہوا، اس لئے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار لازم کیا۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ سیاق کلام مظہر ہے کہ مراد یہ ہے کہ غیر ولی کے

استیذان میں سکوت محض کافی نہیں۔ بلکہ دلالت واضحہ چاہئے۔ جس طرح بھی ہو۔ ممکن کہ سکوت، قلت التفات کی وجہ سے ہو تو رضا پر دال نہ ہوگا۔ اس لئے درمختار میں عبارت تنویر ”فان امتناذنها غیر الاقرب فلا بل لا بد من القول کما لیس“ کے درمیان فلاں کے بعد بڑھایا ”لا عبرة بسکوتها“ ہدایہ میں ”حتى لا تنکلم“ کے بعد فرمایا: ”لان هذا السکوت لقلة التفات الى كلامه فلم يقع دلالة على الرضا۔“ ظاہر ہوا کہ یہاں سکوت، عدم دلالت کی وجہ سے تا معتبر ہوا۔ تو جہاں دلالت ہو، اعتبار لازم ہے۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدر کہتا ہے کہ شریعت مطہرہ کا یہ قاعدہ نہیں کہ ”بہ مرکب گیر تا بہ تپ راضی شود“ بلکہ چند چیزوں سے ممانعت مقصود ہوتی ہے یا چند طریقہ سے اجازت سمجھی جاتی ہے تو اس میں اسہل کو ذکر فرماتی ہے تا کہ اقویٰ و اشد کا حکم بدرجہ اولیٰ معلوم ہو جائے۔ ابوین کے بارے میں حکم ہوا ”ولا تنقل لهما اف۔“ جس سے سب و شتم، ضرب وغیرہ سب سے ممانعت بدرجہ اولیٰ سمجھی گئی۔ یوں ہی تکلم باللسان، طلب مهر، طلب نفقہ، خلوت صحیح، تمکین علی الوطیٰ میں سب سے آسان صرف زبانی اجازت تھی۔ شرح وقایہ، ہدایہ، خانیہ وغیرہ میں صرف قول و نطق و تکلم پر اکتفا کیا کہ ذی عقل سلیم سمجھ سکتا ہے کہ جب اجازت قولی سے نکاح موقوف، نافذ ہو جاتا ہے، اجازت فعلی سے کہ اس سے بدرجہ باقویٰ ہے، بدرجہ اولیٰ نافذ ہوگا۔ اگر قدمائے حنفیین کے وہم و خیال میں بھی یہ بات آتی کہ آخر زمانہ میں بعض مدعیان علم ایسا خیال فرمائیں گے کہ ماں باپ کو اف کہنا تو بے شک گناہ ہے، مارنے، گالی دینے، تحقیر شان، سوء ادب سے نہیں تو جس طرح متاخرین نے تصریح کر دی ہے، وہ بھی صاف فرمادیتے اور عبارت ہدایہ سے دھوکا نہ ہوتا۔

علامہ شامی تحت قول ”لا بل رضاها بكون بالدلالة“ لکھتے ہیں: ”اشارة الى ماورد الزيلعي على الكثر وغيره

من ان رضاها لا يقتصر على القول۔“

قولہ ”اگر یہ کہا جائے کہ خلوت صحیح سے بڑھ کر اور کیا رضا مندی کے لئے صراحت کی ضرورت ہے؟

تو جواب یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تعلیل ضروری ہے۔“

اقول بے شک ضروری ہے اور ضرور ضروری ہے۔ مگر حکم شرع تو یہی ہے کہ اجازت صرف قول پر موقوف نہیں۔

جو فعل اجازت پر دلالت کرے، وہ بھی اسی حکم میں ہے۔ بکر کے متعلق تصریحات گذر چکیں، شیب اور صبی کے متعلق بھی ملاحظہ ہو۔

خانیہ پھر رد المحتار میں ہے: ”الولی اذا زوج الشیب قرضیت بقلبها تظهر الرضا بلسانها كان ان ترد

لان السمتير فيها الرضا باللسان اذا الفعل الذي يدل على الرضا نحو التمكن على الوطى وطلب المهر وقبول المهر دون قبول الهدية وكذا في الغلام۔“

دیکھئے عدم اظہار رضا باللسان پر اختیار مقرر کیا ہے۔ جس سے آپ جیسا وہم ہوتا ہے کہ خاص الفاظ لازم ہیں اور

وہیں اسی سطر، اسی حکم کی خاص تعلیل میں رضا قولی و فعلی کی تعلیم فرمادی، جس سے ہر ذی فہم پر روشن ہو گیا کہ رضا باللسان

مارضا بالقول سے مطلق دلیل رضا مراد ہے۔ قولی ہو یا فعلی۔ ورنہ دلیل مناقض دعویٰ ہوگی۔

امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: ”انہ (ای التمسکین) فوق القول ای لانہ اذا ثبت الرضا بالقول ثبت بالتمسکین علی الوطی بالاولی لانہ دل علی الرضا۔“ رد المحتار۔

قولہ ”اور بلا تصریح کے محض وٹلی ہو جانے سے صحت نکاح کا حکم نہیں دے سکتے ہیں۔“

اقول عبارات کتب سے تو کائنات میں رابعہ الثبار معلوم ہو چکا ہے کہ اس صورت میں اجازت قولی ہی ضروری نہیں، اجازت فعلی بھی کافی ہے۔ اور تنفیذ نکاح کے لئے مثل قولی ہے۔ متعدد عباراتیں گزر چکیں۔ علامہ زین بن نجیم کی تصریح سنئے۔ شرح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں: ”وثبت الاحتیاط لنکاح الفصولی بالقول والفعل۔“

قولہ ”کیونکہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے اور جہل شرعاً عذر نہیں۔“

بے شک جہل شرعیہ سے شرعاً عذر نہیں اور یہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے۔ اقول جب تو مدعیان علم واقفانِ نکاحی اولاد کو ولد الحرام بتاتے، بی بی سے صحبت کو ابد الابد تک رتنا فرماتے ہیں۔

اعاذنا اللہ منہ و سائر المسلمین بحرمة نسیہ الامین المکین ﷺ علیہ السّلم یوم الدین۔

غرض اس جواب کی غلطی میں کلام نہیں۔ مگر تعجب تو جناب مولوی علی نعمت صاحب پر ہے کہ یہ کیا فتویٰ دیتے ہیں اور ان سے کیا غرض متعلق اور اصل مقصود مسائل سے کیا تعلق۔

قولہ ”بین السوال والجواب عجب اضطراب مشوش قلب واقع ہے۔“

اقول یہ تشویش بیجا ہے۔ بین السوال والجواب اصلاً اضطراب نہیں۔ مگر شاید آپ نے سرسری نظر سے دیکھا۔ اگر بغور ملاحظہ فرماتے یا مسائل سے دریافت فرما لیتے کہ باپ نے زید کو اکیس ہزار پر نکاح کی اجازت دی تھی یا اس نے بطور خود اکیس ہزار پر نکاح کر دیا، آپ کو یہ تشویش نہ ہوتی۔ سوال میں اگر کوئی بات مجمل ہو اور عجیب دریافت کر کے بعد تعین ایک شق پر جواب دے تو یہ بین السوال والجواب اضطراب نہیں کہلاتا، خصوصاً جب کہ لفظوں میں اس کا صریح ظاہر احتمال موجود ہو۔

قولہ ”سوال میں زید نکاح پڑھانے والے کو فضولی بتایا گیا ہے اور فضولی وہ ہے جو ماہور بانشاء عقد نہ ہو اور جواب میں یہ عبارت ”اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دیدی ہے تو ولی کو فتح نکاح کا حق بھی نہ رہا“ جو سوال کے اندر داخل نہیں ہے جواب کو مفید اطمینان ہونے سے مانع ہوتی ہے۔“

اقول یہ وہ اضطراب بین السوال والجواب ہے جس نے مولوی صاحب کے دل کو پریشان کر دیا کہ سوال میں زید کو فضولی لکھا ہے اور جواب میں باپ نے اجازت دیدی ہے، لکھا ہے۔ افسوس کہ مسائل کا بیان مقرض صاحب کے کلام سے زاید روشن، علم سے قریب ہے۔ جہاں وہ زید کو فضولی بتاتا ہے، ساتھ ساتھ یہ بھی لکھتا ہے ”با اجازت باپ ہندہ بعض مبلغ اکیس ہزار روپیہ لے“۔ جس سے معلوم ہوا کہ نکاح بالندہ میں اجازت پدر کے بعد بھی وہ فضولی ہی جانتا ہے اور

بے شک ایسا ہی ہے کہ عاقلہ بالغہ میں باپ خود بھی فضولی ہے۔ اب تو ارشاد ہو کہ جواب میں وہ عبارت مفید اطمینان ہے اور یہ سوال کے اندر داخل ہے، اس لئے بعض مبلغ النسخ میں جار مجرور متعلق اجازت ہے۔ چنانچہ مطول سوال میں اب ہندہ کے باپ کا مقولہ صاف مذکور ہے۔ زید وہاں موجود ہے، بعض مبلغ اکیس ہزار روپیہ نکاح کر دے۔ فضولی کی یہ تعریف صحیح نہیں۔ آپ کی اسی غلطی نے آپ کو پریشان کیا۔ اور بین سوال والجواب اضطراب کھلوا دیا ورنہ فضولی کی تعریف اگر پیش نظر ہوتی، تو اضطراب نہ سمجھا جاتا۔ بے شک زید فضولی ہے اور بے شبہ ہندہ کے باپ نے اسے اجازت دیدی ہے۔

قولہ ”کیونکہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا باپ کی طرف سے یہ اجازت زید کو حاصل ہوئی تھی اور اسی اجازت کی بنا پر ارشاد ہوا۔“ اقول یہ وہی بات ہے جس کا جواب گذر چکا۔
قولہ ”اگر یہی صورت ہے تو زید فضولی نہیں ٹھہرتا۔“
اقول یہ مثل محل مشتقہ ہے۔ یقینی یہی صورت ہے پھر بھی زید فضولی ہے۔ اس لئے کہ توکیل ہندہ کی طرف سے ہوتی تو البتہ توکیل ہوتا ہے۔

قولہ ”فانی یصح هذا الحواب“ الی قولہ ”یا یہ کہ یہ اجازت باپ سے از انشاء عقد خبر پہونے پر میرا یہ رضا میں صادر ہوئی۔“

اقول اس کا سوال اصلاً ذکر نہیں، نہ واقعہ کے مطابق۔ عجب کہ وہ معنی کہ عبارت سوال سے پیدا ہو سکیں، نہ مقبول ٹھہرا کر اضطراب بین سوال والجواب میں مانا جائے اور جس معنی کی سوال میں یو بھی نہیں، وہ مطلب فرض کیا جائے۔
قولہ ”اس صورت میں جو جواب از روئے عبارت صاحب ہدایہ صحیح ہو سکتا ہے۔“

اقول عبارت صاحب ہدایہ سے اگر مراد وہ عبارت ہے جو جواب میں منقول ہے تو اس کو اس سے کیا تعلق؟ اور اس کی رو سے یہ جواب کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اور اگر دوسری عبارت جو اس مقام پر ہدایہ میں مذکور ہوئی وہ مراد ہے تو از روئے عبارت ہدایہ کی تحقیق کیا معنی؟ کیا از روئے دیگر کتب صحیح نہیں۔
قولہ ”لیکن محل نظر ضرور ہے۔“

اقول جب از روئے عبارت ہدایہ جواب صحیح ہو سکتا ہے تو پھر محل نظر کیوں ہے؟ از یہ سب سہی مگر جواب مسئلہ جو مسائل کا مقصود ہے کہ نکاح ہو گیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ کیا ہوا؟ اللہم اصلح امة محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین وافضل الصلوة علی سید المرسلین محمد وآلہ
سبحہ اجمعین الی یوم الدین فقط

مسئلہ مسئلہ ابو الحسن المحرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ لڑکیاں، قوم سید کا نکاح دونابالغ لڑکوں قوم پٹھان کے ساتھ بولایت والدین فریقین ہوا۔ لیکن چند ہی روز ہونے کے بعد لڑکیاں بحالت نابالغی ہی اپنے والدین کے گھر میں آگئیں۔ تب سے اب تک چار سال ہوئے، وہ اپنے شوہروں کے گھر نہیں گئیں۔ نہ ان کے شوہروں نے نہ ان کے والدین نے ان منکوحہ لڑکیوں کو اپنے گھر بلایا۔ اب لڑکیاں بالغا ہیں مگر بوجہ سادات اشرف النسب ہونے کے پٹھان شوہروں کے گھر جانے کو انکار کرتی ہیں۔ پس ان صورتوں میں یہ بالغا لڑکیاں بوجہ غیر کفو ہونے کے اپنے نکاح فسخ کر دینے کے مجاز و مختار نہیں ہیں یا ہیں؟ اور غیر کفو ہونے کی کیا تعریف ہے؟ نیز یہ کہ ان لڑکیوں کے آباء و اجداد کا پٹھانوں کے ساتھ سابق کا کوئی رشتہ ان کے موجود رشتہ پر نظیر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مینا تو جروا۔

الواجب

غیر کفو کے یہ معنی ہیں کہ اس کے قوم یا مذہب یا اعمال یا پیشہ میں بہ نسبت خاندان دختر کے کوئی قصور و عیب ہو، جس کے سبب اس کے خاندان کو عار لاحق ہو یا ایسا محتاج ہو کہ اگر کچھ مہر معجل یا بعض معجل شہرا ہو تو فی الحال اس کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا لڑکی قابل جماع ہو تو نفقہ نہ دے سکے۔ پس اگر صغیرہ ہو کہ مرد کی طاقت نہیں رکھتی ہے تو نفقہ کا اعتبار نہ ہوگا۔ اس کے لئے نفقہ بھی صرف قدرت علی المہر کافی ہے۔

تنویر الابصار میں ہے: "يعتبر معنى الكفاءة نسباً وحرية و اسلاماً وديانةً و مالاً و حرفة۔"

ملتقى الابحار میں ہے: "و يعتبر مالا فالعاجز عن المهر المعجل و النفقة غير كفوء۔"

عالمگیریہ میں ہے: "يعتبر القدرة على النفقة اذا كانت المرأة كبيرة تصلح الجماع اما اذا كانت صغيرة لا تصلح الجماع فلا تعتبر القدرة على النفقة لانه لا نفقة لها في هذه الصورة و يكتفى بالقدرة على المهر كذا في الذخيرة۔"

پٹھان اگر عالم نہ ہو تو سیدہ کا کفو نہیں۔ مگر جب باپ یا دادا صغیرہ کا نکاح غیر کفو سے یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کر دیں، مطلقاً لازم ہوتا ہے۔ کہ نابالغ کو بعد بلوغ اصلاً اختیار فسخ نہیں ہوتا۔ مگر جب کہ نکاح کرتے وقت باپ دادا غبن میں ہوں یا اس سے پہلے بھی کسی بچی کا نکاح غیر کفو میں یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کر چکے ہوں تو البتہ پھر نکاح ناجائز ہوگا۔

در مختار میں ہے: "لزم النكاح ولو بغين فاحش بنقص مهرها و زيادة مهره أو بغير كفوء ان كان الولي المزوج بنفسه ابا أو جداً لم يعرف منها سوء الاختيار وان عرف لا يصح النكاح اتفاقاً و كذا لو كان سكران الخ (در المختار۔ باب الولی ۱/ ۱۹۲) بزواج بنته من فاسق صح وان تحقق بذلك أنه لسوء الاختيار اشتهر به عند الناس فلو زوج بنتا أخرى من فاسق لم يصح الثاني لانه كان مشهوراً

بسوء الاختیار قبلہ بخلاف العقد الاول۔“

فتاویٰ خیر الہدیٰ علامہ خیر الدین رحمہ اللہ میں ہے: ”ظاہر کلامہم ان الاب اذا كان معروفاً بسوء الاختیار لم يصح عقده بافل من مهر المثل ولا باكثر في الصغير بغين فاحش ولا من غير الكفو فيهما سواء كان عدم الكفاية بسبب الفسق او لا الخ۔“

بالجملہ صورت مسئلہ میں اگر وہ پٹھان غیر عالم ہے۔ باپ نے نشہ کی حالت میں نکاح کر دیا یا اسکے قبل بھی کسی لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کر چکا تھا تو یہ نکاح سرے سے ہوائی نہیں۔ اور اگر ایسا نہیں تو وہ نکاح ہو گیا، اسے اصلاً اختیار نسخ کا نہیں۔

خانیہ میں ہے: ”اذا بلغ الصغير او الصغيرة وقد زوجها الاب او الجد لاختیار لهما۔“ ”آباد اجداد کا پٹھانوں کے ساتھ کوئی رشتہ سابق ہونا موجب کفایت نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔“

مسئلہ مرسلہ مولانا مولوی ثناء اللہ خلیفہ مولانا احمد حسین ۲۱ رصفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

- (۱) ہندو بالغہ نے بلا اجازت اور اطلاع اپنے ولیوں کے، زید کے ساتھ جو اس کے غیر کفو سے ہے، روبرو گواہوں کے اپنا نکاح کیا، یہ نکاح حنفی مذہب میں جائز ہوا یا نہیں؟ اگر اس میں اختلاف ہے تو مفتی بہ قول کونسا ہے؟
- (۲) ہندو کا نکاح زید کے ساتھ تھا اور اس نکاح کے ہوتے ہوئے ہندو پر جبر کر کے اس کا دوسرا نکاح عمرو کے ساتھ اثنیٰ نکاح علی الزکاح، گواہوں کے اور نکاح خواں کے رشوت دے کر پڑھاتا ہے، شرعاً جائز ہے یا حرام؟ اور اس کا ارتکاب کرنے والوں اور گواہوں اور نکاح خواں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے جنہوں نے دیدہ و دانستہ ایسا کام کیا؟ اور اس منکوحہ مجبورہ کو شوہر ثانی کے ساتھ ہمبستر ہونے پر مجبور کرنا اور تاج ثانی (عمرد) کو اس ہندو کے ساتھ ہمبستر ہونے کی ترغیب دلائی کہ حلال ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ عورت منکوحہ کو اللہ و رسول و قرآن کا واسطہ دلانا کہ اس کے طفیل میں اس نکاح سے انکار کر دے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے جو معین و مددگار اور جو لوگ کہ کوشاں ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

اگرچہ زید بایں معنی ہندو کا کفو نہ تھا کہ اس کے مذہب یا نسب یا پیشے یا چال چلن میں بہ نسبت ہندو کے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے ہندو کے لئے باعث تنگ و عار ہو، بدنامی ہو اور ہندو نے اپنے ولی سے اجازت نہ لے لی اور اس کی رضائے صریح کے بطور جو زید سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح سرے سے ہوائی نہیں، محض باطل ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: ”امرأة زوجت نفسها من غير كفو صحیح النکاح فی ظاہر الروایة وروی الحسن عن ابی حنیفة ان النکاح لا ینعقد بوبه اخذ کثیر من مشائخنا رحمهم الله تعالى کذا فی المحيط۔“

”تین میں ہے: “(من نکحت غیر کفو فرق الولی) لما ذکرنا والنکاح ینعقد صحیحاً فی

ظاہر الروایة۔“

حاشیہ علامہ شمس میں ہے: ”اما علی الروایة المختارة للفتوی لا یصح العقد اصلاً اذا كانت زوجت نفسها منه۔“

درنکار میں ہے: ”وبقی فی غیر الکفر بعدم جوازہ اصلاً وهو المختار للفتوی لفساد الزمان۔“
فقہ الدردرید میں ہے: ”مثل فی امرءة یرید التزوج بلاء رضاء ابیہا وهو غیر کفو کیف الحکم فی ذالک؟ الجواب: اذا نکحتہ بلاء رضاء ولیہا فرق القاضی بینہما بطلب الولی وهذا ظاهر الروایة عن السنن ولكن المروی عن الحسن عن ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ بطلان النکاح من غیر کفو، وہ احد کثیر من مشائخنا قال شمس الائمة الحلوانی وهذا اقرب الی الاحتیاط والا حوط سد باب التزوج من غیر کفو، قال الامام: الفتوی علی قول الحسن فی زماننا۔ قال فی البحر المقتی بہ روایة الحسن عن الامام عن عدم انعقاد اصلاً اذا کان لها ولی ولم یرض بہ قبل فلا یقید الرضا بعده اخصصر۔“
عالمگیریہ اور درنکار اور خزائنہ المفتیین اور خلاصہ اور تبیین میں مختار للفتوی اور علامہ شیخ شمسی کشمی تہذیب الروایة المختارة للفتوی ایضاً میں د علیہ الفتوی فرمایا اور اگر ان باتوں سے کسی بات میں ایسا نقص نہیں بلکہ محاورہ عوام کے طور پر بایں معنی زید کے کو غیر کفو کہا گیا کہ وہ ہندہ کے خاندان سے نہیں تو صرف اس قدر بات مستثنیٰ نہ نکاح صحیح ہوگا۔

نکاح علی النکاح یعنی کسی عورت منکوحہ غیر مطلقہ کا نکاح اس کے شوہر کی حیات میں کسی سے کر دینا تحت ناجائز و حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ”وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ (النساء: ۲۴)“ اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں ”(کنز الایمان) جلالین میں ہے: ”وحرمت علیکم المحصنات ای ذوات الأزواج من النساء ان تنکحوهن قبل مفارقة أزواجهن۔“

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: ”لا یخطب الرجل علی خطبة اخیه“ نکاح کا پیغام نہ دے کوئی مرد اپنے بھائی کے پیغام پر“ رواہ الاربعة واحمد والبیہقی عن ابن عمر وابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔
اقول تکبف بالنکاح علی النکاح۔

ہندہ کا نکاح ثانی عمرو کے ساتھ باطل ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”امرءة زوجہا ولیا نہی الاول۔“ اور اسی بلا پر انکار تکبیر اہل علم کا ہے۔ کیونکہ نکاح کے لئے شرط بطل قابل ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: ”ومتہا (ای من شروط) المحلل المقابل وہی المرءة النبی احلہا الشرع بالنکاح کذا فی النہایہ۔“ اور یہ ظاہر ہے کہ غیر کی منکوحہ قابل نکاح نہیں۔ کما مر۔
اس میں ہے: ”زوجہا علی التعاقب جاز الاول دون الثاني۔“

قاضی خاں میں ہے: ”ولا یجوز نکاح منکوحۃ الغیر عند الكل۔“ ”سبھوں کے نزدیک غیر منکوحہ کا

نکاح جائز نہیں۔ اور اس عورت کو شوہر ثانی کے ساتھ محبت کرنے پر جبر کرنا اور عمر کو ہندہ کے ساتھ ہمبستر ہونے کی ترغیب دلائی نا جائز اور حرام، ولالت علی الزنا ہے اور اسے حلال جاننا کفر و مخالفت نص قطعی رب العزۃ جلالہ۔

شرح عقائد میں ہے: "استحلال المعصیۃ صغیرۃ کانت او کبیرۃ کفر اذ انیت کونہا معصیۃ بدلیل قطعی اعادنا اللہ منہ۔" نکاح سے مکر جانے کو اللہ و رسول و قرآن شریف کا واسطہ دینا اور یہ کہنا کہ اس کے طفیل میں اور صدقے میں اس نکاح سے انکار کر دے، سخت نا جائز و گناہ کبیرہ ہے۔ اور اس کا مرتکب، مرتکب گناہ کبیرہ ہے اور یہی حکم ان کے معین و مددگار گوشاں کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک عورت عاقلہ بالغہ نے بلا اذن ولی برضا و خوشی اپنے کفو میں رو برو چند گواہوں کے بعوض مہر معین ایک مرد سے نکاح کر لیا تو شرع شریف میں یہ نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ دوم: ایک عورت نے جو کہ عاقلہ بالغہ ہے، مہر بذریعہ خط زید کو لکھ بھیجا کہ میرا نکاح بالعوض اتنے مہر کے عمرو سے کر دے۔ چنانچہ زید نے اس عورت کی توکیل کے موافق عمرو مذکور سے نکاح رو برو چند گواہوں کے کر دیا اور اس عورت کو اطلاع دیدی کہ میں نے فلاں بالغ کا نکاح عمرو سے تیری تحریر کے موافق کر دیا تو یہ نکاح عند الشرع جائز ہوگا یا نہیں؟ اور عمرو اور عورت کا درمیان دو سو ۲۰۰ مبلغ فیصلہ ہے۔ بیٹو او تو جردا۔

الـجـواب

جائز ہے اگر وہ کفو شرعی ہو۔ محاورہ عام میں فقط ہم قوم کو کفو کہتے ہیں۔ اور شرعاً وہ کفو ہے کہ نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن، کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہوتا، اولیاء زن کے لئے عرفاً باعث تنگ و عار ہو۔ اگر ایسا کم ہے تو نکاح اصلاً نہ ہوگا۔ جب تک کہ باوصف علم عدم کفایت، صریح رضاء ولی سے نہ ہوا ہو۔ پھر اگر کفو بمعنی شرعی ہے تو نکاح مطلقاً ہو گیا اور ولی کو حق اعتراض بھی نہیں، اگر مہر مثل کے ساتھ کیا ہو۔ ورنہ اگر شوہر مہر مثل دینے سے انکار کرے تو عصبہ کسی اسلامی ریاست میں وہاں کے قاضی کے پاس جو ماذون عام منجانب ریاست ہو، جا کر دعویٰ کرے۔ قاضی شوہر کے سامنے تفریق کر دے، نکاح فسخ ہو جائے گا۔ فی الدر: "ولو نکحت باقل من مہر ہا فلولوی (العصبۃ (الاعتراض حتی یتم) مثلہا (او یفرق) القاضی بینہما دفعل للعار۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(جواب دوم) اس کا جواب بھی جواب سوال اول سے واضح ہے۔ یہاں اس قدر امر زائد ہے کہ وکیل نے جن گواہوں کے سامنے نکاح کر دیا، ان کے سامنے ایسے لفظوں سے عورت کو مکلف کر دیا ہے کہ اس کا تعین ہو جائے مثلاً ہندہ بنت زید ابن عمرو یا فقط ہندہ بنت زید یا ہندہ فلائیہ جب کہ شاہدین اس قدر سے اسے پہچان لیں ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

فی رد المحتار عن البحر: "ان کانت غائبۃ لم یسعو اکلانہا بان عقد ہا وکیلہا فان کانت الشہود یعرفو لہا کفی ذکر اسمہا اذا علموا انہ اراد ہا وان لم یعرفو لہا لابت ذکر اسمہا واسم أبیہا وجدہا۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

سید ابوالقاسم درہنگوی..... ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۵۹ھ

علمائے دین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ مطلقہ کو عدت گزار جانے کے بعد مہر دین میں کچھ زمین دیدیا تھا۔ اب تک وہ زمین ہندہ کے قبضہ میں ہے۔ رجسٹری کے لئے کہتی ہے مگر زید وہ وجہ سے انکار کرتا ہے۔
وجہ اول: زید خیال کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ رجسٹری کے بعد ہندہ اپنے چچا زاد بھائی کو دیدے۔ کیا اس خیال سے زید رجسٹری روک سکتا ہے یا نہیں؟ بصورتِ شقِ ثانی کیوں؟

وجہ دوم: زید خیال کرتا ہے کہ مہر دین کی مدت گزر گئی۔ بوجہ شادی ہونے کے۔ نہ ہم پر وہ دین واجب الادا ہے اور نہ اب ہندہ جرّازمین کی رجسٹری کر سکتی ہے۔ کیا شرعاً مہر دین کی قیادگی ہے یا نہیں؟ اور نہیں تو کیوں؟ ہندہ کے قبضہ میں جو زمین ہے وہ شرعاً ہندہ کی ملکیت کبھی جائیگی یا نہیں؟ مینا تو جڑا

الـجـواب

زید نے جو زمین اپنی مطلقہ بی بی کو بعض دین مہر دیدیا اور جس پر وہ قابض و دخل شرعاً وہ زید کی بی بی ہندہ کی چیز ہے۔ زید کا رجسٹری سے انکار کرنا غلطی اس کی ہے اور جو وجہ اس کے انکار کی خیال کرتا ہے، وہ دونوں مہمل ہے۔ جب وہ چیز ہندہ کی ہوگی تو اس کو پورا اختیار ہے۔ اپنے چچا زاد بھائی کو دیدے یا کسی راہ چلتے کو۔ ہندہ کا اپنی ملک میں پورے تصرف کا اختیار ہے۔ نیز یہ خیال کہ دین کی مدت گزر گئی، خیال خام ہے۔ شرعاً قیادگی کوئی چیز نہیں۔ جس کا جو حق ہے وہ ادا کرنے سے ادا ہوتا ہے یا معاف کرنے سے۔ بغیر اس کے اس کا حق باطل نہیں ہوتا۔ ہندہ کے قبضہ میں جو زمین ہے، جو بذریعہ ہبہ بعض دین مہر سے حاصل ہوئی ہے، بلاشبہ اس کی ملک ہے۔ ان البیع یتم بالایجاب والقول والیمة یتم بالقبض۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ﷺ

مسئلہ مرسلہ مولوی حفیظ اللہ صاحب از مارہرہ شریف ضلع ایبٹ آباد ۱۱ صفر ۱۳۳۳ھ

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم ہندہ دام مجد ہم بعد آداب آنکہ مسئلہ ذیل میں بحوالہ کتب مطلع کیجئے، اللہ اجر دے گا۔
زید حنفی مذہب نے ہندہ حنفی مذہب سے بدعیین ایک ہزار روپیہ، دین مہر کے نکاح کیا اور نکاح کے دس پانچ برس بعد اپنی زوجہ کی اطاعت اور فرماں برداری سے خوش ہو کر زید نے بجائے ایک ہزار کے، تین ہزار دین مہر اپنے ذمہ قبول کر کے تین ہزار روپیہ کی جائداد اپنی بنام ہندہ کے لکھوا دی اس طرح تو اددین مہر بڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

الـجـواب

اپنی بیوی کی مہر میں زیادتی مع قبول عورت کے اسی مجلس میں بلاشبہ جائز ہے، جس کے جواز میں اصلاً کلام نہیں۔ رب العزّة عزّت عظمتہ فرماتا ہے: "وَلَا تُبْسَخُ عَلَيْكُمْ فَیَسْتَرْأَصِبْتُمْ بِه مِنْ بَعْدِ الْفَرِیْقَةِ" (النساء: ۲۰) "(اور قرار دو کے بعد اگر تمہارے آپس میں کچھ رضامندی ہو جائے تو اس میں گناہ نہیں)" (کنز الایمان) یعنی تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کم کر دے عورت اپنے مہر مفروضہ سے یا کل کا کل شوہر کو یہ کر دے یا

بڑھادے شوہر مقدار مہر پر اس کی رضا مندی سے۔

شرح وقایہ میں ہے: "مازید علی المہر بعد العقد یجب کذا فی الاصلاح۔"

کنز الدقائق میں ہے: "وما فرض بعد العقد او زید لا یتنصف۔"

بحر الرائق میں ہے: "واما ما زید علی المسمی فانما یتنصف لما ذکرنا ان التنصیف یختص

بالمفروض فی العقد الاول ودل وضع المسئلة علی جواز الزیادة فی المہر بعد العقد وہی لازمة بشرط قبولها فی المجلس علی الاصح۔" یعنی دلالت کرتا ہے یہ مسئلہ جائز ہونے پر زیادتی مہر میں بعد عقد کے۔

تیسرے الحقائق میں ہے: "تحت قول "وصح" ثم المصنف ذکر جواز الحط ولم ینذکر جواز الزیادة لان جوازها علم من قوله وما فرض الخ فلهذا لم ینذکره مقصودا۔"

خزانہ میں ہے: "امرأة و هبت مہرہا من زوجها ثم ان الزوج اقربین الشہود وان علیہ کذا و کذا من المہر یصح اقرارہ اذا قبلت وبحمل انه زاد فی المہر والزیادة فی المہر بعد المہر جائز لکن لا بد من القبول لان الزیادة فی المہر لا یصح من غیر قبول المرأة۔"

"مہر چھوڑ دینے کے بعد شوہر نے سامنے گواہوں کے اقرار زیادتی مہر کا ذکر کیا تو اس کا اقرار قبول کیا جائیگا اور اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس نے مہر میں زیادتی کی اور مہر میں زیادتی مع قبول عورت کے جائز ہے۔"

در مختار میں ہے: "وما زید بعد العقد او زید علی المسمی فانہا تلزمہ بشرط قبولہا۔"

رد المحتار میں ہے: "افاد انها صحیحة ولو بلا شہود او بعد ہبة المہر الا براء منہ وہی من جنس المہر او من غیر جنسہ۔"

عالمگیری میں ہے: "الزیادة فی المہر صحیحة حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثة کذا فی المحيط۔" اپنی بیوی کے مہر میں زیادتی ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسئلہ مرسلہ منشی عوض علی بیگ..... ۱۶ شعبان ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک شیر خوار بچہ چھوڑا۔ بچہ کا باپ اور دادا دادی اور نانائے موجود ہیں۔ بچہ کی پرورش کا شرعاً کون مستحق ہے؟ اور اسباب جہیز متوفیہ کا کون مستحق ہے؟ بچہ کے مال کا کون ولی ہے؟ بیوا تو جروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں لڑکاسات برس کی عمر تک اپنی نانی کے پاس رہے گا۔

ہدایہ میں ہے: "فان لم نکن له ام فام الام اولی من الاب وان بعدت لان هذه الولاية تستفاد

من قبل الامیہات۔ (الہدایۃ ۲/ ۴۱۴)

عورت کا جہیز مہر وغیرہ جو کچھ متروکہ ہو، بارہ سہام پر منقسم ہو کر تین سہم شوہر اور دو د عورت کے مادر و پدر اور پانچ سہم پسر کو ملیں گے۔ بچہ کے سات برس عمر ہونے تک اس کے دادا دادی کو اپنے پاس رکھنے کے بارے میں مال سے مزارعت کا اصلاح نہیں ہے۔ نانی بالجبر دادا دادی سے لے سکتی ہے۔

مہر ایہ میں ہے: "والام والحدۃ احق بالاعلام حتیٰ یا کل وحدۃ وبشر و حدۃ ویلیس وحدۃ ویستنجی وحدۃ وفی الجامع الصغیر حتیٰ یا کل وحدۃ وبشر و حدۃ ویلیس وحدۃ والخصاف قدر الاستعناء بسبع مشین اعتباراً للغالب اذ علیہ العتویٰ کذا فی الکافی وغیرہ قال لہ العینی۔"

نانی بالجبر دادا دادی سے لے سکتی ہے۔ بچہ کا جو مال ہے خواہ اسے متروکاً مادر سے ملا ہو یا اور کسی طرح، اس کی ولایت دادا کو ہے۔ نانا نانی کو اس میں کچھ حق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بہادر شریف مدرسہ حنفیہ مدرسہ مولوی عبداللہ طالب علم ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس طرف مسلمانوں میں دستور ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر انتقال کرتا ہے اور جب تک وہ عورت نکاح ثانی نہیں کرتی، تو جو کچھ کہ اس کے شوہر یا سر یا اس کے ماں باپ وغیرہ نے از قسم زیورات و ظرف وغیرہ ما وقت شادی یا بعد شادی اس عورت کو دیا تھا، اس کے قبضہ قدرت و تصرف میں رہنے دیتے ہیں۔ خواہ سسرال میں وہ رہے یا میکہ میں اور جب اس کا نکاح ثانی ہوتا ہے تو اس کے شوہر اول کے وارث جو کچھ زیورات و ظرف کہ انہوں نے وقت شادی یا بعد شادی کے، وقتاً فوقتاً دیا تھا، سب واپس کر لیتے ہیں۔ پس اور جو کچھ کہ اس عورت کو اس کے ماں باپ نے دیا تھا۔ اگر شوہر اول کے وارث کے پاس ہوتا ہے تو وہ سب کو واپس کر دیتے ہیں۔ پس سوال یہ ہے کہ وقت شادی یا بعد شادی کے شوہر یا سر یا اس عورت کے ماں باپ از قسم زیورات و ظرف دیتے ہیں، وہ اس عورت کی ملک سمجھی جائے گی یا ریت کے مطابق بطریق زیب و زینت کے خیال کیا جائے گا؟ جینوا تو جروا۔

الجواب

جس قدر مال زیورات و ظرف وغیرہ ما وقت شادی یا بعد شادی، وقتاً فوقتاً اس کے باپ نے جہیز میں دیا ہے، سب اس کی ملک حسب عرف عام ہمارے بلاد کے ہے، جس میں شوہر، اس کے ماں باپ کا استحقاق نہیں۔ اس لئے بعد رخصتی اس کی واپسی کو سخت معیوب و باعث مطعون جانتے ہیں۔

رد المحتار میں ہے: کل احد یعلم ان الجہاز ملک المرأة لاحق لاحد قیہ۔

ہاں جب عرف تملیک نہ ہو بلکہ صرف پہننے کو بطور عادی دیا ہو اور وہ عرفاً پہنانے والوں کی ہی ملک میں شمار کیا جاتا ہو، تو حکم اس کا عاریت کا ہے کہ واپس کر دیا جائے۔

۱۰

۱۱

۱۲

۱۳

۱۴

۱۵

۱۶

۱۷

۱۸

۱۹

۲۰

۲۱

۲۲

۲۳

۲۴

۲۵

۲۶

۲۷

۲۸

۲۹

۳۰

درنکار میں ہے: "تجوز استہ تم ادعی ان ما دفعہ بہا عاریة وقالت هو تمليك او قال الزوج ذلك بعد موتها يرث منه او قال الاب او ورثته بعد موته عاریة المعتمد ان القول للزوج اذا كان العرف مستمرا ان الاب يدفع مثله حياز الا عاریة واما ان كان مشتركا كمصبر والشام قال القول للاب" (الدر المختار باب الحبر ۱/ ۲۰۳)

رہا زیور وغیرہ کہ والدین زوجہ اپنی بیوی کے پیسے کو دیتے ہیں، اگر اس میں نہا یا عرفا کسی طرح تملیک مقصود نہیں ہوتی تو وہ بدستور ملک والدین پر ہے جس میں بیوی کا کچھ حق نہیں۔ بعد انتقال اپنے لڑکے کے جب عورت آمادہ نکاح ہو جائے یا جب چاہیں لے سکتے ہیں۔ بالکل شریعت مطہرہ نے اس امر کو معلق بہ عرف رکھا ہے۔ موافق عرف تملیک یا عاریت قرار پائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے فرزند کی شادی، جس گاؤں میں وہ رہتا تھا کی۔ اور بموجب حکم کٹرم کے تاریخ مقررہ پر برات لے کر اس کے گھر میں گیا اور کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر حسب رواج گاؤں مذکورہ کے برات کے سب آدمی اپنے اپنے گھر میں چلے گئے۔ اور لڑکا سر کے گھر میں رہا اور لڑکے کا باپ بھی اپنے گھر میں چلا آیا۔ جب صبح ہوئی تو لڑکے کا باپ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو لڑکی کے باپ نے اس کو پیغام بھیجا، جو زیور تم نے اپنی بیٹی کے لئے رکھا ہے، وہ بھیج دو اور آکر نکاح کرو، اس وقت لڑکے کے باپ نے شن گواہوں کے زیور دے کر اقرار کیا کہ یہ زیور عاریتاً زیوریت کے واسطے ہیں، اپنی بیوی کو پہناتا ہوں نہ میں نے اس کا مالک کیا ہے اور نہ ہیہ کیا اور نہ بخشش کیا، فقط عاریتاً دیا ہے۔ جس وقت چاہوں گا، لے لوں گا اور مہر جو نکاح کے وقت مقرر ہوتا ہے وہ زیور سے جدا نہیں۔ اب شرعیہ زیور کس کا ہوتا ہے؟ لڑکے کے باپ کا یا لڑکے کا یا بیوی کا؟ بیٹا تو جروا۔

الجواب

وہ زیور اس کے (لڑکی) باپ کا ہے، نہ لڑکے، نہ اس کی بی بی کا۔

جامع القصود ص ۲۶۶ میں ہے: "بعت الن امرءة ابنة شيبان ابانم ادعی انها عاریة صدق۔" جب ابوین (کہ غالباً جہیز تملیک کا بھی دیتے ہیں) دیتے وقت کسی کو گواہ کر دیں کہ یہ عاریتہ ہے، نہ تملیک یا شہر کار رواج ہی ایسا ہو کہ جہیز کے لئے دیا کرتے ہیں یا عرف شہر مشترک ہو اور ابوین دعوی عاریت کا کریں تو عاریت ہی سمجھا جائیگا نہ کہ تملیک۔ کسا افسیٰ لہا العلامة حامد افندی فی معنی المستغنی و ذکرها العلامة الشامی فی تنقیحہ۔ تو یہ زیور دینا کہ سر اپنے بیوی سے واپس کرے، درست ہے۔ عامر کتب ہدایہ، عنایہ، تنویر الابصار، و مختارہ کنز الدقائق، بحر الرائق وغیرہ میں ہے: "المستغنی ان يرجع" اور بیٹی والے کو اختیار ہے کہ اپنی چیز جب چاہے واپس کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆

کتاب الطلاق

۶

علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ ایک شخص نے اپنے سر کو ایک خط لکھا۔ اس کی عبارت حسب ذیل ہے۔ جس زمانہ میں اس شخص نے اپنے سر کو خط لکھا، اس کی بیوی اپنے باپ کے یہاں تھی، وعدت کا زمانہ ہنوز باقی ہے۔

عبارت خط:

”ہم لوگوں کو آج روز پچیسویں تاریخ ۱۸ رمضان المبارک سے لے کر دس روز کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر اس درمیان میں سواری ہماری رخصت ہوگئی تو خیر۔ ورنہ یہ میری تحریر ناطق ہوگی کہ اگر عزیز می محمد شبلی کی ماں ۱۸ تاریخ رمضان شریف سے لے کر ۱۰ روز کے اندر گھر نہ آئیں تو میرا طلاق رجعی ان پر واقع ہو جائے گا اور اگر میں کے روز ۱۸ تاریخ رمضان شریف سے لے کر ۸ عید الفطر تک گھر رخصت ہو کر نہ آئیں تو عزیز می محمد شبلی کی ماں مطلقہ ہوگی ساتھ طلاق بائن کے۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔ آپ لوگ کا جی چاہے اس طلاق کو بائن کرایے اور رخصتی نہ کیجئے اور جی چاہے شرط کے درمیان میں رخصت کر دیجئے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔“

تو سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت کو طلاق ہوگی یا نہیں؟ اور اگر طلاق ہوگئی تو اس عورت کے اس شخص کی زوجیت میں آنے کی کیا صورت ہے؟

الواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ اب تک والدہ محمد شبلی گھر آ نہ گئیں تو شک نہیں کہ بحکم تعلق اول طلاق رجعی و بحکم تعلق ثانی طلاق بائن واقع ہوگئی۔ فان الصریح بملحق الصریح ولا فرق فی الصریح الثانی بین کون الواقع بہ رجعیاً او بائناً صریح بہ العلامة الشامی فی حاشیة الدر المختار و الطلاق المضاف الی الشرط یقع عقبہ اتفاقاً و فیہنا علی الطلقتان علی شرطین وقد وقعاً فطلقت تطلیقتین کما صرحوا بہ فی مسائل قال فی الہندیة ناقلاً عن المحیط: ”لو قال لہا ان کلمت فلانا فانت طالق وقال لہا ایضاً ان کلمت بالنساء فانت طالق فکلتم فلانا طلقت تطلیقتین۔“

اب اس عورت کے اس شخص کی زوجیت میں آنے کی یہ صورت ہے کہ عدت کے اندر یا بعد انقضائے عدت، عدۃ العرس میں، جب دونوں راضی ہوں اور نکاح کر لیں، بدستور حقوق زوجیت قائم ہو جائیں گے۔ الا انہ لا یسلک الا ما بقی من الطلقات فان الزوج الثانی هو الذی یمد بالحدول ما دون الثلاث من الطلقة او الطلقتین فیجعلہما کان لم یکونا کما یمد الثلاث اجماعاً۔

درمختار میں ہے: ”وینکح مائة مما دون الثلاث فی العدة ویمدھا بالاجماع۔“

ہدایہ میں ہے: "اذا كان الطلاق بمسا دون الثلاث فلا بد له ان يتزوجها في العدة وبعد انقضائها۔" یعنی جب کوئی شخص تین طلاق سے کم (دو یا ایک) دے تو وہ شخص اس عورت سے عدت کے اندر اور بعد گزرنے عدت کے بھی نکاح کر سکتا ہے۔ "والجسلة مشهورة في النكح مسطورة۔"

عبد العاصی ظفر الدین الہیاری۔ مہر
بے شک صورت مسئلہ میں طلاق بائن واقع ہوگئی۔ چونکہ وقوع طلاق بائن موجب تجدید نکاح ہے، لہذا تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ البتہ بسبب عدم تحقق طلاق مغلظہ حلالہ کی ضرورت نہیں۔ فقط
بندہ مقبول احمد خاں تاب اللہ علیہ مدرس الحدیث مدرسہ شمس الہدیٰ بانگی پور۔ مہر
صورت مسئلہ میں بلاشبہ شرط تحقق ہونے سے طلاق بائن واقع ہوگئی۔ مگر چونکہ حل اصلی باقی ہے لہذا تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ بغیر حلالہ کے زوج اس سے نکاح کر سکتا ہے، کیونکہ حلالہ کی ضرورت طلاق مغلظہ میں ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔
حررہ سید دیانت حسین، مدرس الفقہ مدرسہ شمس الہدیٰ بانگی پور، پٹنہ۔ مہر

ہذا جزا ہذا جزا

مسئلہ مسئلہ سید ازہر علی خلیف جناب سید امیر احمد ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا۔ اور وہ چند دن اس کی زوجیت میں رہ کر بلا اطلاع اس کے، نفل کر آوارہ ہوگئی۔ اور بحالت آوارگی بقول ہندہ مقدمہ زن و شو میں دائر ہوا۔ زید نے پچاس روپیہ لے کر رضا مندی داخل کر دی اور زوجہ اور شوہر باہر پکھری کے آئے۔ ہمراہوں نے بقول ہندہ یہ بات کہی کہ تو اپنی زوجہ کو لے جا۔ زید نے کہا کہ میں نے علیحدگی اختیار کی ہے اور اس کو چھوڑ دیا اور طلاق دے دی۔ چنانچہ اس وقت سے آوارہ پھرتی رہی اور جگہ جگہ آوارہ لوگوں میں رہی۔ اس کو قریب سات آنٹھ مہینہ ہوا۔ اب ہندہ بکر سے نکاح کر نے پر آمادہ ہوئی۔ اس نے خیال کیا کہ زید کوئی دعویٰ پکھری میں ایسا دائر نہ کرے جس میں ملزم قرار پاؤں۔ زید کو کچھ روپیہ دے کر لاد دعویٰ اسٹامپ پر لکھا گیا۔ اب بکر ہندہ ایک مکان میں ہیں اور حرام کاری میں مبتلا ہیں۔ اور ہندہ کا یہ قول ہے کہ اگر بکر نکاح کرے گا تو میں میکے بیٹھ جاؤں گی۔ طلاق نامہ تحریر ہوئے عرصہ ایک ہفتہ کا ہوا۔ اس صورت میں بکر کا نکاح کیا جانا جائز ہے یا نہیں؟ مینو تو جروا۔

الجواب

اگر واقع میں زید نے ہندہ کو طلاق دے دی اور اس مدت سات آنٹھ ماہ میں آوارہ پھرتی رہی نہ یا مدت گذر گئے۔ یعنی اگر حامد تھی تو وضع حمل ہو گیا اور اگر حائضہ تھی تو تین حیض آگیا۔ تو اگرچہ طلاق نامہ تحریر کئے ایک ہی ہفتہ ہوا، مگر سے اس کا نکاح جائز ہے، اگر اور کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ ورنہ انقضائے عدت کے بعد ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ التمس والتم۔

ہذا جزا ہذا جزا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس وقت زید نے نکاح ثانی کرنا چاہا تو ولی نے کہا کہ جب تک تم اپنی پہلی زوجہ کو طلاق نہ دو گے، ہم نکاح نہیں کریں گے۔ زید نے کہا کہ میں اسے خفیہ طلاق دے سکتا ہوں تاکہ سوا تمہارے اوروں کو ظاہر نہ ہو۔ یہ کہہ کر زید ولی کو ایک علیحدہ جگہ لے گیا۔ یہاں اس نے بتایا کہ ہم لوگوں میں ایک شخص نکاح ثانی کا وکیل تھا مگر دونوں کو بخوبی معلوم تھا کہ زید ولی مذکور دونوں اس بات پر متفق ہیں اور زید نے ولی سے بھی کہا کہ آپ بھی یہ طلاق دینا کسی پر ظاہر نہ کیجئے۔ مگر انھوں نے وکیل سے کہہ دیا۔ تھوڑی دیر تک کھڑے ہوئے اور ان دونوں نے زید سے پوچھا کام ہو گیا؟ اس نے کہا، ہاں وہ کام ہو گیا۔ اس وقت اس کی زوجہ اپنے میکے میں تھی۔ بعد ڈیڑھ برس کے معلوم ہوا میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ پھر زید اپنی زوجہ ہندہ کو اپنے مکان میں لے آیا اور زید نے انکار کیا کہ میں نے اسے طلاق نہیں دی۔ پھر ان شخصوں نے عورت کو دینا طلاق ثلاثہ کا ظاہر کیا۔ اب ان شخصوں کی شہادت سے طلاق ثلاثہ واقع ہوگی یا نہ؟ اور دریں حالت شاہد ان مذکور، خطا کے مرتکب ہیں یا نہیں؟ اور جو لوگ شاہد ان مذکور کی تائید کریں ان کا کیا حکم ہے؟ اور شاہد ان مذکور پر کتمان ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اس کی کہاں تک حد ہے؟ اور اس میں کیا شرط ہے؟ اور شاہد ان مذکور تاخیر شہادت سے فاسق ہیں یا نہیں؟ اور فاسق ہوئے تو کون سے فاسق؟ اور وہ دو شخص جنہوں نے کہا تھا کہ دریافت کرنے پر اظہار کر دیں گے، کتمان میں شامل رہے یا نہیں؟ زید نے ان دونوں سے جو اشارہ کیا تھا کہ کام ہو گیا، اس سے اظہار ثابت اور کتمان زائل ہوتا ہے یا نہیں؟ اور زید اپنی زوجہ مطلقہ کے مکان پر آمد و رفت کرتا تھا۔ اس سے عیش ازواج ثابت ہوگا یا نہیں؟ زوجہ مطلقہ کا وکیل یہ کہتا ہے کہ جب تک زوجہ مطلقہ اپنے والد کے مکان میں تھی، جب تک ہم نے کچھ نہیں کہا۔ جب زید کا ارادہ مطلقہ کو گھرا لانے کا ہوا، قبل گھرا لانے کے وکیل مذکور، طلاق ثلاثہ کا اظہار کرنا فسق سے خارج ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

ال جواب

سوال میں کسی جگہ زید کا اپنی بیوی کو طلاق دینا مذکور نہیں۔ اس کے الفاظ یہ لکھے گئے ہیں ”طلاق دے سکتا ہوں“ آپ بھی یہ طلاق کسی پر ظاہر نہ کیجئے، وہ کام ہو گیا“ اور ظاہر ہے کہ ان میں کوئی لفظ، الفاظ طلاق سے نہیں۔ پس صورت مسئلہ میں اگر واقعی زید نے طلاق دی ہے تو اگر گواہ بھی نہ ہو، جس طرح کی طلاق دی، ویسا پڑ گئی۔ اور اگر فی الواقع نہ دی تو وہ تین کیا دس بیس بھی گواہی دیں تو عند اللہ طلاق واقع نہیں۔ رہا قضاء پس اگر دو مرد اور دو عورتیں کہ سب عادل ہوں، گواہی دیں گے، قاضی حکم طلاق دے دے گا، لان القاضی لیس لہ الا الظاہر والتدین لیس من القضاء۔ در مختار میں ہے: ”و نصابہا (ای الشہادۃ) بغیرہا من الحقوق سواء کان مالا او غیرہ کمنکاح و طلاق۔“ اس صورت میں وہ بعد افتضائے عدت زوج کے لئے قضاء حرام بھی جائے گی۔ اگرچہ طلاق نہ دی اور اب بے نکاح اور بے حلال اس سے نکاح بھی حلال نہ ہوگا۔

ربی تنقیح اس بات کی کہ صورت مسئلہ میں ان کی شہادت پر طلاق کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟

فما قول وبالله التوفیق: یہ لوگ ہر طرح فساق و فجار گواہ ہیں اور ان کی شہادت سے ہرگز حکم طلاق نہیں دیا جاسکتا کہ اگر یہ لوگ جھوٹے ہیں اور واقعی اس نے طلاق نہ دی، تب تو ظاہر ہے۔ اور اگر واقعی زید نے طلاق دی بھی ہو، تو ان کو فقط اتنا سن کر کہ وہ کام ہو گیا، شہادت کی اجازت نہیں۔ یہ لفظ محتمل ہے۔ خود انہوں نے طلاق دیتے نہ سنا اور یہ اقرار ایسے ضماں اور کنایات میں ہوا، جو ہر گونہ احتمال کی گنجائش رکھتے ہوں۔ مثلاً انہوں نے پوچھا کہ وہ کام ہو گیا اور اس سے یہ مراد بھی ہو کہ جس غرض کے لئے قصد طلاق تھا وہ بلا طلاق حاصل ہو گئی، کام ہو گیا۔ تو معائنہ غل، و بلا اقرار صریح شہادت محض جزاف و جہارت تھی۔ اس صورت میں اب تک شہادت نہ دینے کے باعث کتمان یا تاخیر کا کوئی الزام نہیں کہ شرع تو ان کو اس شہادت کی کسی وقت اجازت نہیں دیتی۔ الزام تو اس شہادت کا ہے۔ مع هذا اس سے قطع نظر بھی کیجئے اور بالفرض مان ہی لیجئے کہ اس نے صریح لفظوں میں ان کے سامنے تین طلاقوں کا اقرار کیا تھا۔ تو جب زید عورت کے پاس اس کی ماں کے یہاں آمد و رفت کرتا تھا، مگر انہوں نے ظاہر نہ کیا۔ وہ کاتمین شہادت، فساق و مردود الشہادۃ ہوئے۔ کہ شہادت حسبہ میں کسی کے دریافت کی حاجت نہیں۔ خود اس پر ایمانی شہادت واجب ہے۔

در مختار میں ہے: ”ویجب الاداء بلا طلب الشہادۃ فی حق اللہ تعالیٰ وھی کثیرۃ عد منہا فی الاثمۃ اربعۃ عشر و منها طلاق المرأة وعتق الامۃ و تدبیر ہا شرعاً و قال ومتی اخر شاهد الحسۃ شہادۃ بلا عذر فسق فترد۔“

اور جو شخص اس بات میں گواہوں کی تائید کرے، وہ فاسق ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: ”تَعَاوَنُوا عَلٰی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلٰی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔“ (المائدہ: ۲)

اور وکیل کا یہ کہنا کہ جب تک زوجہ مطلقہ اپنے والد کے مکان میں تھی، محض مہمل اور بیہودہ غیر معتبر کہ یہاں پہلے سے سکوت کیا گیا اور مطلقہ کو گھر لانے کا انتظار کرنا، تاخیر از وقت ہے۔ اور انہوں نے بلاشبہ وقت سے تاخیر کی۔ یونہی اول ان دونوں کا کہنا دریافت کرنے پر اظہار کر دیں گے، ان کو حد فسخ سے نہیں نکال سکتا کہ اس میں دریافت تک انتظار کی ضرورت نہیں۔ بلا دریافت ان کو شہادت ادا کرنی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسئلہ از ناظم صاحب امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس دیار میں بے پڑھے لکھے عوام میں رواج ہے کہ لڑائی جھگڑے میں بیوی کو یہ کہہ دیتے ہیں (۱) تو میری ماں ہے (۲) آج سے سے تو میری ماں ہے (۳) تو میری ماں، میں تیرا بیٹا۔ ان جملوں سے وقوع طلاق اور عدم وقوع طلاق میں اس اطراف کے علماء اختلاف رکھتے ہیں بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس جملہ سے طلاق نہیں واقع ہوگی۔ جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ بیوی کو ماں کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ نیز ابوداؤد کی ایک روایت کا حوالہ دیتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بااعتی (بہن) کہہ

کر پکارتا تھا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ لیکن وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا۔ اور اس دیار میں طلاق کی نیت سے اس کا رواج نہیں ہے۔ کیونکہ ان الفاظ کے استعمال کے بعد استنفا کرتے ہیں کہ اس کا کیا حکم ہے؟ کیا کچھ کفارہ دینا ہوگا؟

اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس جملہ کا استعمال صرف طلاق کے لئے اس دیار میں عوام میں رائج ہو گیا ہے، اس لئے اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ ایسا کہنے والے علماء یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس جو استنفا آتے ہیں ان میں بھی استنفا کا یہ مضمون ہے کہ طلاق کا معاملہ پتھاریت میں پیش ہوا۔ اور پتھاریت نے شوہر کو کہا کہ طلاق دے دو۔ تو شوہر نے دریافت کیا کہ کس طرح طلاق دوں؟ تو پتھاریت نے کہا کہ دو تو میری ماں، میں تیرا بیٹا۔ نیز ایک استنفا کا مضمون یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو مذکورہ جملہ یعنی تو میری ماں یا تو میری ماں، میں تیرا بیٹا کہہ کر نکال دیا پھر جب اس سے کہا گیا، اپنی بیوی کو لے جاؤ تو اس نے اس واقعہ کا حوالہ دے کر کہا کہ مدت ہوئی کہ ہم اس کو طلاق دے چکے۔ ان واقعات کے علاوہ عام رواج کا ثبوت اس امر سے واضح ہے کہ جب اپنی بیوی کو اس قسم کے الفاظ لڑائی جھگڑے میں کہتا ہے تو اس کے متعلق استنفا ہوتا ہے کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟ اگر وہ اس کو فعل الغو سمجھتا یا تعظیم و محبت کے معنی میں بولتا تو نہ اشتباہ کی وجہ تھی، نہ سوال کی ضرورت ہوتی؟

اب آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اطراف بہار میں بیوی کو جھگڑے کے وقت ماں کہنے سے وقوع و عدم وقوع طلاق میں جو رائےیں اوپر مذکور ہوئیں، ان دونوں میں آپ کے نزدیک حق و صواب کون سی رائے ہے؟ بیٹو! تو جہد۔

ال جواب

فقیر غفرلہ المولیٰ القدر کی تحقیق میں رائے اول اولیٰ ہے۔ اور اسی پر میرا فتویٰ ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف کی نص صریح ہے: "الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مِّنْ نِّسَائِهِمْ مِمَّا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِنْ أُمُّهُنَّ إِلَّا الْيَتٰى وَلَدَنَّهُمْ وَارْتَبَتْنَهُمْ لَيَقُولُنَّ مَنكُم مِّنَ الْقَوَلِ وَذُرِّا" (المجادلة: ۲) "وہ جو تم میں اپنی بیویوں کو اپنی ماں کی جگہ کہہ بیٹھتے ہیں، وہ ان کی ماں نہیں۔ ان کی ماںیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بے شک بری اور زری جھوٹ بات کہتے ہیں۔" (کنز الایمان)

نیز ابوداؤد شریف کی حدیث، اقوال و تصریحات فقہائے کرام اس پر شاہد عدل ہیں۔ پھر اس کے عدول کی کوئی وجہ نہیں۔ دوسری جماعت کی دلیل میرے فہم سے بالاتر ہے۔ اس لئے کہ "تو میری ماں ہے، میں تیرا بیٹا" لغت میں اس کے معنی طلاق نہیں۔ نہ فقہائے کرام نے معطلہ شرعی بنایا۔ پھر اس کے شرعی حکم کا ثبوت کیونکر ہو سکتا ہے؟ مسائل فاضل دہم بالفہام اس نے صرف رائے دریافت کی ہے، اس لئے میرے خیال میں یہ چند سطریں کافی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ

☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ مدن پورہ مرسلہ مولوی قاری عبدالرحمان ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ
ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا "اگر میں تجھ کو رکھوں تو اپنی

ماں کو رکھوں“ خالد نے کہا کہ ظہار ہو گیا، تم کو کفارہ چاہئے۔ ولید نے کہا ظہار نہیں ہوا۔ ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

الـجـواب

فی الواقع ظہار نہیں ہوا۔ لائنہ ہو تشبیہ المسلم الخ اور وہ یہاں متحقق نہیں۔

رد المحتار میں ہے: ”واحترز به عن نحو انت امی فانه باطل۔“

ایشان فتاویٰ السراج المعیر میں لکھتے ہیں: ”لو قال ان فعلت کذا فانت امی فهو باطل۔ فلا يلزم منه شيء وان اراد

به التحريم لانه كذب اهـ“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد صاحب ازیتھو شریف ضلع گیا ۱۸ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص اجنبی عورت سے کہے تو اگر نکاح کرے تو تو ماں ہے

۔ بعد نکاح ظہار ہوا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

نہیں، اور نہ ظہار ہونے کے کوئی معنی ہیں۔ کیونکہ ظہار کے معنی ”تشبیہ المسلم زوجته او یعمیر عنہا بحزن و

شجاع مسہا لمحرمۃ علیہ ثابتاً“ ہے اور یہاں سے اس نے بیوی کے کسی جز، شائع کو اپنی کسی محرم تائیدی کے ساتھ تشبیہ نہ

دی۔ ظہار کے لئے چار چیزیں ہیں۔ مشبہ، مشبہ بہ، اداۃ تشبیہ ہونا ضرور ہے۔ بغیر ان کے ظہار نہ ہوگا۔

ظہاوی میں ہے: ”اعلم ان لہ اربعة المشیبة والمشبہ به واداء التشبیہ۔“

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ظہار کے لئے حرف تشبیہ یا اس کا بدل ضرور ہو ورنہ ظہار نہ ہوگا۔ رد المحتار میں تحت قول ”وشرعا

تشبیہ المسلم“ ہے: ”واحترزت عن امی بلا تشبیہ فانه باطل۔“ یعنی اگر بلا تشبیہ صرف ”تو میری ماں ہے“

کہا تو قول باطل ہے۔

در مختار میں ہے: ”وان نوى باتت علی مثل امی ہوا او ظہار اطلاقاً صحت نیتہ والا لم یبنو شیئاً

او حذف الکاف لغا۔ یہ کنایات ظہار سے ہے۔ اگر کچھ نیت نہ کیا، لغو ہوگا جیسا کہ لغو ہے انت امی یا بنتی یا اختی

وغیرہا، جس میں تشبیہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ ازراچ پور مدرسہ عالیہ مرسلہ مولوی ولی اللہ بنگالی ۲ رجب ۱۳۲۳ھ

چدی فرمایند علمائے دین و دین مرید مسئلہ کہ اگر بعد نکاح بتقین معلوم شد کہ شوہر زن، عمنین محض است۔ پس برائے نکاح

نکاح چه صورت است؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

در صورت مسئلہ کہ شوہر عنین محض و بر زن قدرت ندارد، و در ادائے حق و اجتناب قاصر است۔ برو فرض است کہ زن خود را طلاق دادہ و با کند، ورنہ گناہگار خواہد شد۔ قال تعالیٰ: "فَاِنْ مَسَاكُكُمْ يَسْعَوْ فَاَوْ تَسْرُوْنِجْ" (النسرة: ۲۲۹) و اگر از ظلم و خدا نا ترسی طلاق ندہد، تدبیرش اینست کہ ہندہ نزد حاکم شرع شریف رفتہ طالب جواب از شوہر خود شود۔ اگر شوہر عنین است، خود را اقرار کند فیما والا حاکم زنے پار سناقتہ معتد ہو سوار را معائنہ کنائندہ شہادت گیرد کہ دوشیزہ ست۔ بعدہ شوہر را مہلت یکسال کامل قمری (کہ آں سہ صد و پنجاہ و چہارم و ہشت ساعت و چہل دقیقہ علی ما ہونی الدر المختار و رد المحتار من القہستانی می شود) بزیادت ایام مرض ہر دو دہد و در روایتہ سنال کشمی ہم است۔ لکن ہو ظاہر الروایۃ و صحیحہ فی الواقعات و الو الحیۃ فکان ہو المعتمد لانہ الثالث علی صاحب المذہب۔ اگر درین مدت شوہر برو قدرت نہ داشت و وٹلی نگرد، باز ہندہ دعویٰ کردہ تفریق پیش خواہد۔ پس اگر از اقرار زید یا شہادت زنے مسئلہ تفریق ہندہ ثابت شد، حاکم او را در نفس و شوہر ش مختار گرداند۔ اگر نفس خود را اختیار کردہ، حاکم زید را حکم طلاق دہد۔ اگر طلاق داد و بعدا ورنہ حاکم تفریق کند۔ ازین تفریق طلاق باندہ واقع شود۔ بعدا اعتنائے عدت از او اختیار است یا ہر کہ خواہد خود را سپار و در زواج پیش داخل شود۔ و اگر از زنان شہادت عدم یکا ترش دادند، قاضی شوہر را حکم حلف دہد۔ اگر سوگند بخورد کہ یکا ترش از من زائل شدہ حق وے باطل گشت۔ و اگر قبول کند، باز مہلت یکسال دادہ خواہد شد۔ و بکندہ، پس اگر او ایذا یا ثانیاً قادر شد فذلک ہو المقصود و گردنہ اگر نفس خود را این مجلس اختیار نگرد، دعویٰ از زن دست رفت۔ باز نیکی گاہ دعویٰ تفریق ازین مرد نہ توان کرد۔

در وقایع الروایۃ ست: "ان اقر انه لم یصل الیہا اجل الحاکم ستہ قمریۃ فی الصحیح و رمضان و ایام حیضہا منہا لاملۃ مرضہ و مرضہا۔ فان لم یصل الیہا قرق القاضی بینہما ان طلبتہ (ای التفریق) وان اختلفا و کانت ثبیا او بکرا فظنرت النساء فقلن ثیب حلف فان حلف بطل حقہا وان نکلت او قلن بکرا اجل ولو اجل ثم اختلفا فالتقسیم ہینا کما مر۔" (شرح الوقایع ۲/ ۱۲۳-۱۲۴) واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبد الکریم از علی گڑھ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بیاتنی عورت اور بیابا مرد اور بے بیاتنی عورت اور بے بیابا مرد نے زنا کیا، حرام کیا۔ اس کے واسطے کیا مزا ہے؟ حرام اور زنا میں کیا فرق ہے؟ اور جو لوگ کہ رنڈی بازی کرتے ہیں، ان کے لئے کوئی حد مقرر ہے یا نہیں؟ بینوا تو ہروا۔

الـجـواب

زانی فاسق و مرتکب کبیرہ، مستحق عذاب شدیدہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "لَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَةَ فَاجْبِشَةُ وَّ سَاءَ

شبیلاً۔“ (الاسراء: ۳۲) نہ پاس پھٹکو زنا کے بے شک وہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”لا یزنی الزانی حین یزنی وهو مومن۔“ زنا کرنے والے وقت زنا کے مومن نہیں رہتے۔ جو مزا اللہ و رسول نے اس کی مقرر فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ سب کو اس سے بچائے۔ یہ گناہ تو ایسا ہے کہ اس کی جزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ”من زنی زنی بہ ولو بحیطان دارہ۔“ سلطنت اسلامیہ میں محسن اور محضد کے لئے حکم سنگسار کرنا ہے۔ حدیث میں ہے: ”الشیخ والشیخۃ اذا زنیسا قارجموہما نکالا من اللہ۔“

ہدایہ میں ہے: ”رجمہ القاضی حتی مات۔“ اسے قاضی سنگسار کرے یہاں تک کہ مر جائے۔ اور غیر محسن اور غیر محضد کو سو سو بار کوڑے ماریں۔ قال عز من قائل: ”فاجلدوہما مائۃ جلدۃ“ (النور: ۲) زانیہ اور زانی کو سو سو کوڑے مارو۔

ہدایہ میں ہے: ”وان لم یکن محصنا وکان حرافحدہ مائۃ جلدۃ۔“ اگر بے پیاہار زنا کرے تو اس کی حد سو کوڑے ہیں۔ یہ حکم مرد اور عورت دونوں کا ہے۔ لان النصوحین یشعلہما۔

زنا خاص ہے اور حرام عام۔ زنا شرع میں ایلا ج عضوہ الی الحشفۃ فی الفرج الذاخل لامرؤۃ حالۃ عن التملکین وشہتہما وشہۃ الاشتہاء کا نام ہے اور یہ موجب حد ہوتا ہے۔ بخلاف حرام کے مثل وطی کرنا اپنی عورت سے حالت حیض میں کہ حرام ہے مگر زنا نہیں۔ یا وطی کرنا اپنے لڑکے یا باپ کی لونڈی سے اس گمان پر کہ حلال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب السیر ۷

(سوال و جواب نمبر ۱۲۰ تا ۱۳۰)

الاجاب

وہ ہدایۃ الحق و الصواب۔ قبل تفصیل جواب یہ چند باتیں واجب الحفظ ہیں۔ تاکہ سوالات کے حل میں نہ دقت ہو، نہ آئندہ شبہات کا موقع رہے۔

(۱) ایمان نام ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعدیق کا ان تمام چیزوں میں جو حضور خداوند عالم سے لائے۔ اور مختار باب المرتد میں ہے: "تعدو تصدیق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مما علمت من حیثہ ضروریہ۔" (۲۸۳/۳)

ہاں اس پر دعویٰ احکام جاری کرنے کے لئے زبان پر اقرار ضروری ہے۔ اسی میں ہے: "والاقرار بشرط لاحراء الاحکام الدینیۃ۔"

(۲) اسی کی تفسیر کفر ہے۔ اسلام کی ایک بات کی بھی عدم تعدیق کفر ہے۔ الکفر لغة الستر و شرعاً تکذیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی شیء مما جاء به من الدین ضروریہ۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: "قولہ تکذیبہ صلی اللہ علیہ وسلم ای التکذیب عدم التصدیق الذی مرّ ای عدم الاذعان والقبول بما علمت من حیثہ بہ صلی اللہ علیہ وسلم ضروریہ ای علماً ضروریہ لا یتوقف علی نظر واستدلال و لیس المراد التصریح بانہ کاذب فی کذا۔" (۲۸۴/۳) یعنی ضروریات دین میں کسی ایک چیز کے ساتھ بھی عدم اذعان و تعدیق کا نام کفر ہے۔ صراحۃً حضور کو کاذب کہنا ضروری نہیں۔

(۳) تعدیق اور عدم تعدیق ان دونوں کا تعلق قلب سے ہے اور میں دل چیر کر دیکھنے کا حکم نہیں کہ کس نے دل سے کہا اور کس نے نہیں۔ شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ جو زبان سے اقرار کلمہ شہادت کرتا ہے، ضروریات دین کو ماننا ہے، مسلمان ہے۔ اگرچہ دل میں اس کے کچھ اور ہو۔ فان المفسی یعنی بالظاہر واللہ یتولئ السرائر۔ بعد میں اگر زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالتا ہے، جس سے ضروریات دین سے کسی چیز کا انکار ہوتا ہے، حفاظت و حمایت شریعت کے لئے حکم کفر دیا جائے گا، اگرچہ دل اس کا ایمان سے لبریز ہو۔ منصور حلاج کو سولی کا حکم دینے والے بلاشبہ علماء صالحین اہلسنت و جماعت تھے۔ ان کی وقعت مذہبی اور بزرگی ان کے دلوں پر نقش تھی۔ پھر بھی شریعت کی حفاظت و حمایت کے لئے تکفیر کی اور قتل کا حکم دیا کہ کوئی غیر محض اور ایسا شخص جس کا حال منصور حلاج سا نہ ہو، وہ بھی ایسا کلمہ بولے اور حلاج کو اپنا پیشوا قرار دے۔

بدل ابن امیر الحاج جلد اول میں ہے: "وفقی من بشار الیہ فی وقتہ من العلماء والصالحین بقتلہ تحفظ

منہم علیٰ منہب الشریعة ان یتعرض لہ غیر محقق فیلعی شیئا من الامور ویجعل قدوة فی ذلک الحلاج رضی اللہ عنہ۔“

شرح شفا ملا علی قاری میں انہیں منصور کے واقعہ مل میں ہے: ”قال بعضهم والدلیل علی صحة باطلہ انہ کان یقطع یداہ ورجلاہ وهو یقول حسبی اللہ الواحد وقد زار قبرہ بعض اہل الکشف فرأی تورا ساطعا من قرہ الی السماء فقال یا رب ما الفرق بین قولہ وقول فرعون ”انا ربکم الاعلیٰ“ فالہم ان فرعون رأی نفسه وغاب عنا والمتصور رائنا وغاب عن نفسه۔“

”یعنی بعض علماء نے فرمایا کہ منصور کے صاحب یاطن ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جب ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹے جا رہے تھے تو وہ ”حسبی اللہ الواحد“ فرما رہے تھے۔ اور بعض اہل کشف نے ان کی قبر کی زیارت کی تو ان کی قبر سے آسمان تک ایک چمکتا ہوا نور نظر آیا۔ تو انہوں نے بارگاہ ربانی میں عرض کی: اے رب پھر ان کے اور فرعون کے قول انا ربکم الاعلیٰ میں کیا فرق ہے کہ یہ مقتول ہوئے اور فرعون مردود؟ ندا آئی: ”فرعون نے خود کو دیکھا اور ہم سے غائب ہوا اور منصور نے ہمیں دیکھا اور اپنے نفس سے غائب ہوا۔“ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۴) اور کفر کی حالت اور نسبت علامہ سعد الدین تفتازانی کی اس عبارت جیسی ہے: ”العلم ان کان اذعاناً فتصدیق والا فتصور یعنی ان کان اذعاناً لما علم صحیحہ من الدین ضرورة قیاساً والا فکفر۔“
تو تصدیق کی طرح ایمان کی صرف ایک ہی صورت ہے یعنی ضروریات دین میں سے ہر بات کا اذعان یعنی اعتقاد ثابت جازم مطابق للواقع کا نام ایمان ہے۔ اور والا فتصور کی طرح کفر کی متعدد صورتیں ہیں۔ یعنی جن جن امور کا اذعان ایمان ہے، ان میں کسی ایک ساتھ عدم اذعان کفر ہے۔ اسی لئے فقہاء کرام نے فقہ کی کتابوں میں کلمات کفریہ کے لئے ایک مستقل باب قائم کر کے بہت تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ وغیرہ دیکھنے والے پر بخوبی نہیں۔ جناب قاضی ثناء اللہ صاحب نے رسالہ قاری مالایہ میں بھی ایک مستقل بحث اس کی لکھی بلکہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں ایک کافی حصہ اس کا تحریر فرمایا ہے۔ مسلمانوں کو ان کتابوں میں سے اس بحث کو دیکھنا بہت ضرور ہے تاکہ ان کا ایمان سلامت رہے۔ رزقنا اللہ وسائر المسلمین سلامة الايمان۔

(۵) ہاں بحکم الاسلام ولا یعلیٰ پہلو وارا الفاظ میں اسلام کو ترجیح دی جائے گی۔ جیسے کوئی کافر اگر کہے: اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد عبدہ ورسولہ تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ حالانکہ اشہد جس طرح حال کے لئے ہے استقبال کے لئے آتا ہے۔ تو اگر زمانہ حال کے معنی لیا جائے کہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ضرور ایمان ہیں۔ اور معنی استقبال کے اعتبار سے کہ گواہی دوں گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دوں گا کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہرگز ایمان نہیں۔ مگر پہلوئے اسلام کو غلبہ دے کر اس شخص کو مسلمان ہی کہیں گے۔ تاہم ایسے لفظوں سے احتیاط اور اجتر از معبود ہے۔ اسی

لئے مسلمان کرنے وقت کلمہ طیب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہلواتے ہیں نہ کہ کلمہ شہادت اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا عبده ورسوله۔ حالانکہ یہ اس سے مؤکد ہے جس طرح کلمہ ایمان میں اسلام کو غالب رکھا جاتا ہے اسی طرح کلمہ کفر میں بھی جانب اسلام کو ترجیح دینا چاہئے۔ یعنی کوئی شخص ایسا کلمہ بولتا ہے جس میں متعدد وجوہ ہیں اور اکثر ان میں کفر کی طرف جاتا ہے اور ایک پہلو اسلام کا بھی ہے تو اس کی بات اسی پر محمول کرنا چاہئے۔

فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہ میں ہے: "اذا كان في المسئلة وجوه فوجب الكفر ووجه واحد يمنع فعلي

المفتي ان يميل الى ذلك الوجه كذا في الخلاصة وعالمگیری۔" (۲۸۳/۶)

اسی لئے علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ محمل التأویل الفاظ جسے محمل حسن پر محمول کرنا ممکن ہو، ان پر تکفیر جائز نہیں۔ اس لئے کہ تکفیر غایت درجہ کی سزا ہے تو اس کے لئے غایت درجہ کا قصور درکار ہے۔

فتاویٰ بزازیہ و بحر الرائق و مجمع الانهر، حدیقہ ندیہ، تاتارخانیہ، سل الحسام، تنبیہ الولاۃ میں ہے: "لا یکفر

بالسحبل لان الکفر نهایة فی العقوبة فيستدعی نهایة فی الحایة ومع الاحتمال لا نهایة۔"

بحر الرائق و تنویر الابصار و حدیقہ ندیہ و تنبیہ الولاۃ و سل الحسام میں ہے: "و البدی تحریر انہ لا یمکن بکفر

مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن۔" (رد المحتار، کتاب المرتد، ۲۸۹/۳)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسئلہ مذکورہ طالب حسین خاں، بہرہ وی ضلع بریلی ۵ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دارالحرب اور دارالاسلام کی کیا تعریف ہے

؟ اور یہ ملک دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟

الـجـواب

دارالاسلام اس جگہ کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کے قبضے میں ہو اور وہاں بے دخلتہ اسلامی احکام جاری ہو جائیں۔ دار الحرب ایسی جگہ کو کہتے ہیں کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعت کے احکام بالکل ممنوع ہو جائیں۔ مگر یہاں بفضل اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز احکام شریعیہ کی ادائیگی ممنوع نہیں۔ اور اقامت و نماز باجماعت وغیرہ شعائر شریعت، جزا و حد علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔ فرائض، نکاح، طلاق وغیرہ معاملات مسلمین ہماری شریعت بیضا کی بنا پر فیصلہ کرتے ہیں کہ ان امور میں حضرات علمائے کرام سے فتویٰ لیتا اور اسی پر حکم و عمل کرتا، حکام انگریزی کو بھی ضرور ہوتا ہے اگر ہندو و مجوس و نصاریٰ ہوں۔

فتاویٰ رضویہ میں سراج الوباح، اس میں حضرت محمد رب المذہب سیدنا محمد رضی اللہ عنہ کی زیادات سے ہے: "اتصا

تصیر دار الاسلام دار الحرب عند ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بشرائط ثلث۔ احدها اجراء احکام الکفار علی

سبیل الاستتہار وان لا یحکم فیہا بحکم الاسلام ثم قال وصورة المسئلة ثلاثة اوجه اما ان یغلب اهل الحرب

علی دار من دورنا وارتد اهل المصبر وغلّبوا و اجروا احکام الکفار او تقض اهل الذمة العهد و تغلبوا علی دارهم

قفسی کذل من ہذہ الصور لا نصیر دار الحرب الا ظلت سرائطہ۔ ہمارے امام اعظم بلکہ علمائے عظیم رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے، ہرگز ہرگز دارالحرب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسئلہ از بنارس مرسلہ مولوی محمد سجاد محلہ اودھو پورہ شہر بنارس ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرق متین اس مسئلہ میں کہ رجب یا شعبان ۱۳۶۰ھ کا واقعہ ہے۔ حسب معمول ایک طالب علم زید مدرسہ میں ہم لوگوں کے پاس رات کو آئے۔ نعوذ باللہ کہنے لگے: یہ تمہارے خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ میں خدا ہوں۔ میں نے کہا آسمان و زمین وغیرہ خدا کی بنائی ہوئی ہیں، یہی ثبوت ہے۔ اگر تم خدا ہو تو پیدا کر کے دکھاؤ؟ تو اس نے کہا یہ تمہارا کہنا غلط ہے بلکہ ان چیزوں کو میں نے پیدا کیا ہے۔ اگر تمہارے خدا نے تو اپنے خدا سے کہو کہ دوبارہ پیدا کرے۔ میں نے کہا: ایسا کرنے سے اس کے نظام میں انقلاب ثابت ہوگا اور ہم گنہگار کی دعا ہی کیا؟ زید نے کہا: اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو میرا دعویٰ ثابت ہو گیا۔ میں ہی خدا ہوں اور میں اس وقت ایسی نظیر لاکھوں گج جیسا تم اپنے خدا سے کہہ کر لاؤ۔ پھر چند دنوں کے بعد میں نے زید سے پوچھا کہ ایسی بڑی بات تم کیوں کہتے ہو؟ زید نے کہا: ایک آریہ سے اور مجھ سے گفتگو ہوئی تھی، اس نے اس طرح کہا۔ مدرسہ کے اکثر لڑکوں نے ان باتوں کو سنا اور یہ سمجھ کر کہ زید بے وقوفی کی باتیں اکثر زبان سے نکالتا ہے، خاموش رہے۔ پھر ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ میں تمام طلباء نے کسی اپنے مطالبہ پر تعلیمی مقاطعہ کیا۔ جس میں یہ زید شریک نہیں ہوا اور طلباء کا ساتھ نہ دیا۔ دوران مقاطعہ میں ایک روز مدرسہ کے ایک فارغ التحصیل اور ایک ہمدرد طلبہ ہم سب طلباء کے ساتھ صدر مدرس کی قیام گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ان دو شخصوں کو ہم لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ زید ہم لوگوں کے مقاطعہ میں شریک نہیں تو بہت اظہار افسوس کرنے لگے تو ہم میں سے کسی نے کہا۔ اس کا کیا کہنا؟ وہ تو خدائی کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ پھر ان لوگوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ زید کے بے باکانہ الفاظ کی خبر مدرسہ انتظامیہ، مجلس کے ناظم کو پہنچی اور مقاطعہ کے سلسلہ میں انتظامیہ کی کمیٹی ہوئی۔ ممبران نے مالی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اسال زید وغیرہ کی وسائر فضیلت کا جلسہ ہوتا چاہئے۔ اس پر ناظم مجلس نے کہا کہ زید تو ایسی ایسی باتیں زبان سے نکالتا ہے۔ مجلس میں زید کے مخالف و موافق دونوں ہی تھے۔ اور یہ بات خوب مشہور ہوئی اور اساتذہ مدرسہ کو بھی اس کمیٹی کے بعد زید کے ان کلمات کا علم ہوا۔ پھر چار پانچ یوم کے بعد ایک استاد نے زید سے کہا کہ جو کلمات تم نے کہے ہیں، اس کو لکھو۔ اولا تو اس نے انکار کیا پھر اس نے کہا کہ مجھ سے اور ایک آریہ سے بحث ہوئی تھی۔ استاد نے کہا بہر حال جو واقعہ ہو لکھو۔ چنانچہ زید نے مندرجہ تحریر لکھی۔

”ایک آریہ نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا کہ خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ میں اس کا جواب نہ دے سکا تو پھر میں نے اس کا جواب معلوم کرنے کے لئے طلباء سے یہی کہا کہ خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ تو طلباء جو جواب دیتے تھے اس کو میں توڑ دیتا۔ اس طرح سے اگر وہ لوگ کہتے کہ آسمان اور زمین کس نے بنایا؟ تو میں کہتا میں نے بنایا۔ تو میں کہتا کیا جواب

ہے۔ میرے نہ بتانے پر تو میں کہتا میں خدا ہوں، اور یہ اس لئے کہ وہ آریہ ایسے ہی جواب توڑتا تھا، جس طرح میں نے توڑا۔“
اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید نے ہم لوگوں سے کلام بالا کہتے وقت یہ ظاہر نہ کیا تھا کہ آریہ سے بحث ہوئی تھی اور نہ یہ ظاہر کیا کہ میں آریہ کا قول نقل کر رہا ہوں بلکہ چند یوم کے بعد میرے پوچھنے پر وہ یہ کہا کہ آریہ سے بحث ہوئی تھی اور اس نے یہ خارج کرنے کا اقرار چند اہل محلہ کے سامنے بھی کر چکا ہے۔ تو کیا زید پر عقیدہ ایمان و نکاح لازم ہے یا نہیں؟

الواب

السلام ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا احتیاجه۔ اس میں شک نہیں کہ یہ قول کہ ”میں خدا ہوں۔ ان چیزوں (آسمان و زمین) کو میں نے پیدا کیا“ بالکل خلاف شرع و خلاف اسلام ہے۔ مسلمانوں کی زبان سے نکالنے کی یہ بات نہیں اور نہ کوئی مسلمان ایسا عقیدہ رکھ سکتا ہے اور نہ ایسا کہہ سکتا ہے۔ مگر جب زید نے دریافت حال پر کہا کہ ایک آریہ سے مجھ سے گفتگو ہوئی تھی۔ اس نے یہ دلیل بیان کی تھی، وہ آریہ ایسے ہی جواب توڑتا تھا۔ تو اس نے اس آریہ مردود کے قول کی نقل کی اور ظاہر ہے کہ نقل کفر کفر نہ باشد، خود قرآن شریف میں بہت سے مقولے لوگوں کے خلاف شرع نقل کئے گئے ہیں۔ تو کیا وہ ارشاد باری تعالیٰ سمجھا جائے گا؟ مثلاً ”قَالَتِ الْيَهُودُ لَنَسْبَنَ النِّصَارَىٰ سَلْبًا“ اور ”وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَنَسْبَنَ الْيَهُودَ عَلَىٰ مَنبَىٰ“ (البقرة: ۱۱۳) اور یہودی بولے نصرائی کچھ نہیں اور نصرائی بولے یہودی کچھ نہیں“ (کنز الایمان) اور ”لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن تَرَكَ الذَّمَّ أَوْ نَصَرَ“ (البقرة: ۱۱۱) ”ہرگز جنت میں نہ جائے گا مگر جو یہودی یا نصرائی ہو“ (کنز الایمان) بلکہ ان سب سے بڑھ کر ”إِنَّ اللَّهَ نَالِیْ لَدُنَّہِ“ (الساندة: ۷۳) ”اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے۔“ (کنز الایمان) تو کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تین کا تیسرا ہے۔ ہرگز نہیں کہ یہ نقل قول نصرائی ہے۔ اسی طرح زید نے نقل قول آریہ کیا۔ جیسا کہ چند دنوں کے بعد جب لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے ظاہر کیا اور اگر زید کو اس حکایت و نقل قول آریہ کے اوعاء میں صادق القول نہ مانا جائے۔ بلکہ جیسا کہ لوگوں نے اس کے متعلق ظاہر کیا کہ اس کا کیا کہنا، اس نے تو خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ ان اقوال کو بجائے نقل خود زید کا قول قرار دیا جائے، تو اس پر کوئی شرعی جنت و برہان نہیں۔ اس لئے کہ دعویٰ کے ثبوت کے لئے یا اقرار ہو یا بیعت۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں اقرار معدوم۔ تو خواہ مخواہ اگر ثابت ہوگا تو بیعت سے ہی ثابت ہوگا۔ علمائے کرام فرماتے ہیں السیئة کماہا مبنیة والثابت بالشہادة کالثابت بالمشاہدۃ تو یہاں بیعت ہی منقہی۔ اس لئے کہ جن لوگوں کے سامنے اس نے (زید نے) ان کے خیال کے مطابق دعویٰ خدائی کیا تھا، ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ بے طلب اس کو ظاہر کرتے۔ اور ہرگز اتنے دنوں تک پوشیدہ نہ کرتے۔ اس لئے کہ شہادت حسبہ کے لئے ضروری ہے کہ بے طلب ظاہر کی جائے، مطالبہ کا انتظار نہ کیا جائے اور اگر ایسا نہ کرے تو خود گواہ فاسق، مردود الشہادت ہو جاتا ہے۔ اور فاسق مردود الشہادت کی بات چند روپے کے مالیات میں تو مقبول نہیں، چہ جائے کہ اس قدر اہم مسئلہ اسلام و کفر میں اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ واقعات و قرائن خود ان کی تکذیب کر رہے ہیں، مقبول ہو۔ زید ان لوگوں کے خیال میں دعویٰ خدائی کرتا

ہے، وہ لوگ اس کو سنتے ہیں، نہ اس سے نوبہ کراتے ہیں، نہ اس کے ولی و پیر کو خبر کرتے ہیں، نہ اساتذہ و طلباء ہی میں یہ بات منتشر ہوتی ہے، نہ مجمع عام، جامع مسجد وغیرہ میں اس کا کچھ ذکر ہوتا ہے۔ جب نو دس ماہ کے بعد زید طلباء کی وحشت اور سازش اور اسٹرائیک میں شریک نہیں ہوتا تو یہ چلتا ہوا نسخہ اس کے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔ تو جو شخص ان تمام باتوں کو منظر انصاف، غائر نگاہ سے دیکھے گا، یقین جانے گا کہ سب پادروہو باتیں ہیں، جن کو اصلیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس سے فقط یہ مقصد ہے کہ زید لوگوں کی نظر میں ذلیل اور بے وقعت ہو، جیسا کہ اس نے اس تحریک کی مخالفت کر کے طلباء کو ذلیل کیا ہے۔ طلباء اس پر دعویٰ خدائی کا الزام لگا کر اس کو رسولینا اور اپنا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ غرض شرعی طریقہ پر اس سے ایسا اعتقاد اور اس کا قائل ہونا ثابت نہیں۔ اس لئے تجدید ایمان و نکاح کا حکم شرعی نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد تنفر الدین قادری عفرلہ

سینئر مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس العلوم پٹنہ ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۱ھ

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سردار رحمت اللہ از محلہ کیلٹر شہر بنارس

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ ایک گروہ مسلمانوں کا اہل ہنود سے مل کر اس وقت اس قدر اتحاد و اتفاق برپا رہا ہے کہ مسلمان بھائیوں کو قربانی گاوڑے کے لئے جو ایام نہیں تین دن صاحب نصاب پر واجب ہے، روکتے ہیں اور کہتے ہیں ہندو بھائیوں کی دل آزاری نہ کرنا چاہئے اور انہیں معاندین اہل ہنود نے اس قربانی کے لئے ضلع شاہ آباد، ضلع جوپور و ضلع سہارنپور و ضلع اعظم گڑھ وغیرہ میں جو کچھ سختیاں و بے حریتیاں غریب مسلمانوں کے ساتھ میں کیں یعنی قرآن پاک کا پرزہ پرزہ پھاڑ کر پھینکا، مساجد خدا کا ڈھانا، مخدرات اہل اسلام کے پستان کو کاٹ ڈالنا و دیگر شہائد و سختیاں جو کچھ گئیں، آج افسوس! ہمارے مسلمان بھائی فراموش کر کے بیجا طراہل ہنود، قربانی گاوڑے کے لئے ایام انجیہ میں بند کرانے کی کوششیں بہر فرورع کرتے ہیں۔ اور اہل ہنود بہت خوش ہیں۔ اندیشہ ہے کہ آئندہ ہماری اذان بآواز بلند جس سے ان کو نفرت ہے، ہو کہیں۔

فی الحال یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ خلیفۃ المسلمین شریف مکہ اپنے کو کہتے ہیں سلطان المعظم، والی قسطنطنیہ کو خلیفۃ المسلمین مانیں، جو شخص اس بارے میں شریک جلسہ نہ ہوگا یا بدوز جلسہ اپنا کاروبار نہ بند کرے گا وہ از روئے فتویٰ مولانا شوکت علی و مولانا ابوالکلام و مولانا عبدالباقی و مہاتما گاندھی دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔ جن مسلمانوں نے اپنا کاروبار بند نہیں کیا، ان مسلمانوں کا بیان ہے کہ ہم بعد ہر نماز چنگانہ کے سلطان المعظم کی ترقی اقبال و قیام سلطنت و محافظت حرمین شریفین و دیگر مقامات مقدسہ کے والی و نگہبان رہنے کی اپنے خدائے پاک سے بمصداق حکم خدا "ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً" (۵۵) "اپنے رب سے دعا کرو گویا گڑھ اڑاتے اور آہستہ۔" (کنز الایمان) اپنی مساجد میں دعا کرتے کام میں اور بدوز جمعہ خطبہ میں سلطان المعظم خلد اللہ ملکہ کے قیام سلطنت کی دعا کرتے ہیں۔ ہاں اس طریق پر جو بالکل بغاوت

پر مبنی ہے یعنی والہی سلطنت برطانیہ کو کالی دینا اور بے ایمان و دعا باز و غیرہ کہنا جس سے ہماری عرصوں کا الٹا اثر و نتیجہ پیدا ہوتا ہے، احترام کرتے ہیں اور بمصدق فرمودہ باری تعالیٰ ”وَلَا تَتَّبِعُوا الَّذِينَ يَدْعُونَكُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَتَقْسُوا لِلَّهِ عِندَهُ مَا يَغْتَرِبُونَ“ (الانعام: ۱۰۶) ”اور انہیں کالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے۔“ (کنز الایمان) اپنی زبان کو سب و شتم سے باز رکھتے ہیں۔ آیا ایسی صورت میں ہم مسلمانانِ قابلِ ملامت ہیں یا برسرِ حق؟ بینوا بالکتاب و توجروا جنہل الثواب۔

باب

اتحاد و اتفاق اگرچہ ایک ایسی عمدہ چیز ہے جس کی خوبی سے کوئی عقل والا انکار نہیں کر سکتا۔ مگر اس کے لئے اہل درکار ”فان محالمة الاغیار نجر الی غایة البوار و نہایة الحسار“ اہل اسلام کے ساتھ اختلاف عقائد و اعمال کی وجہ سے بنو کو جس قدر عداوت ہے، اظہر من الشمس ہے۔ ان کے نزدیک کئے سوراجتے نہ ہوں گے جتنا مسلمانوں کا ایک ایک شخص ہے۔ چھوٹ چھات کا مسئلہ اسی اعتقاد پر متفرع ہے۔ مسلمانوں کے لئے قرآن شریف کے بعد کس دلیل و برہان کی ضرورت ہے؟ ”فیسائی حدیث تعدد اللہ و انبیاءہ یؤمنون۔“ (الحاشیہ: ۶) ”پھر اللہ اور اس کی آیتوں کو چھوڑ کر کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔“ (کنز الایمان) قرآن شریف جسے ہر مسلمان اپنی دینی مذہبی کتاب یقین کرتا، اس کے تمام ارشادات کو چشم دید سے بھی منہ مانتا ہے۔ اس کو دیکھتے غیر مسلموں کیا کیسا کچا چٹھا کھلاتا اور ہمیں ان کے ساتھ کیسے برتاؤ کا حکم دیتا ہے۔ ”لَا تَجْعَلِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلِیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ۔“ (آل عمران: ۶۸) ”مسلمانوں کو چاہئے کہ مسلمانوں کے سوا کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اس سے اور اللہ سے کوئی سروکار نہیں۔“

وقال تعالیٰ: ”يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا بِطٰنَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْتِیَنَّكُمْ خَبْرًا وَّ لَا ذٰلًا مِّنْ اَعْيُنٍ مِّنْ اَعْوٰجِهِمْ وَمَا نَخَبُوا صُلُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ یٰۤتٰی لَكُمْ الْاٰیٰتُ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰتُمْ اَوْلٰیَّ تَحِبُّوْا لَهُمْ وَلَا تَحِبُّوْا لَكُمْ“ (الی قولہ) ”اِنْ تَتَّبِعْتُمْ حَسَنَةً تَّسُوْهُمُ وَاِنْ تُصِیْبْكُمُ سَيِّئَةٌ تَفْرَحُوْا بِهَا۔“ (آل عمران: ۱۱۸-۱۲۰) مسلمانو! اپنے لوگوں کے سوا غیروں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ۔ یہ لوگ تمہاری خرابی میں کچھ اٹھائیں رکھتے۔ چاہتے ہیں کہ تم کو تکلیف پہنچے۔ دشمنی تو ان کی باتوں سے ظاہر ہو ہی چکی۔ اور غیظ و غضب، جو ان کے دلوں میں بھرے ہیں وہ (اس سے بھی) بڑھ کر ہیں۔ ہم نے تم کو پتے کی باتیں بتا دیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔ سو جی تم کچھ ایسے (سیدھے سبب) کے (لوگ) ہو کہ تم ان سے دوستی رکھتے ہو اور وہ تم سے (مطلق) دوستی نہیں رکھتے (الی قولہ) مسلمانو! اگر تم کو کوئی فائدہ پہنچے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تم کو کوئی گزند پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔ صدق العلی العظیم۔

”لَا یَاۤتِیَنَّكُمْ خَبْرًا“ کی تصدیق دیکھئے کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظر شغفت پھیری۔ بظاہر ترکِ احیاءِ بقر کی خواہش گاری ہے۔ مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت، احکامِ خدا کی تعمیل میں توانی و مسابقت، ہر ایک کے پیشِ نظر ہے۔ آج جب

روپے، ڈیڑھ روپے میں واجب اخیر ادا ہو جاتا ہے جب تو یہ حالت ہے کہ سیکڑے تیس، جن پر قربانی واجب ہے، نہیں کرتے۔ پھر جب چھ سات روپے صرف ہونے لگیں گے، سیکڑے ستر اسی اس ثواب سے محروم رہا کریں گے۔ بقیہ کا کرنا بھی اس صورت پر موقوف ہے کہ برادران وطن سچے دل سے اس کی اجازت دیں۔ ورنہ دل آزادی کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگا ہے کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، جمعہ، جماعت، وعظ، نصیحت، جس کام کو چاہیں گے، بند کراویں گے اور پھر دوست کے دوست۔ مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈران ہندو کا مسلمانوں سے اتفاق و اتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلافت چلانا، صرف اپنا انوکھا سیدھا کرنے، لگاؤ کشی ترک کرانے کے لئے ہے۔ اخباروں کے کالم ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔

اخبار حقیقت لکھتے ۳۰ جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی ”اسناد گاندھی پر مسلمانوں کا شکوہ“ ہے، ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اسناد گاندھی میں مسٹر گاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے۔ انہوں نے اپنی دلی محبت سے مسلمانوں سے اتحاد پیش کر لیا ہے اور اس طرح وہ گایوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ غرض ان کی چکنی چیزیں باتوں میں آنا اور ابتدائے اسلام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو جو مظالم ہوتے آئے ہیں، خصوصاً حال کے واقعات شاہ آباد و کنار پور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا، مسلمانوں کی سخت نادانی اور غلطی ہے۔ خاص کر ایسی صورت میں کہ باوجود اوعائے اتحاد و اتفاق، اس وقت تک ہندو کے عناد و مخالفت کا وہی رنگ ہے۔ آج ان پر جوش مسلمانوں کے صدقے ہر جگہ کی مساجد و ہندو کے ناپاک قدموں سے پامال ہو رہی ہیں۔ مگر کیا مجال کہ کوئی مسلمان، ہندو کے معاہدہ و مذاہم میں تو جاسکے۔ اگر کسی کو شبہ ہو تو بشیر ناتھ کے مندر ہی میں جا کر اتحاد کی حقیقت دیکھ لے۔ وہاں گھستے ہی ایسی عزت افزائی اور خدمت کی جائے گی کہ اگر برسوں نہیں تو مہینوں تک ضرور یاد رہے گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہندو اور مسلمانوں کو ہمیشہ بڑتے بھگڑتے رہنا چاہئے۔ ہاں شعائر اسلام کو کھوکھلے کے اتحاد سے اسلام و عزت کے ساتھ ”شہا بنیر و مایہ سلامت“ کو ضرور بہتر جانتا ہوں۔

میں ان خداوندان اتحاد سے دریافت کرتا ہوں کہ اس وقت کے اتحاد و اتفاق میں، جس کی ہر جگہ چیخ و پکار ہو رہی ہے، امور مذہبی کو بھی دخل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہر شخص نہایت آزادی سے اپنے اپنے مذہب کے فرائض، واجبات، سنن، موکدہ وغیرہ کو کدہ، مستحبات، مباحات بجالائے اور خلاف اولیٰ، مکروہ و تنزیہی، اسماء و مکروہ تحریمی، حرام سے بچے۔ کوئی کسی طرح کسی پر اعتراض نہ کرے اور دوسرے کے اعمال و افعال شریعہ میں خارج نہ ہو، اشارۃً کنانیہً کسی طرح مذہبی دست اندازی نہ کرے۔ اور اگر اس اتحاد میں امور مذہبی کو بھی دخل ہے، اس لئے جس بات سے ہندو کی دل آزادی ہوتی ہو، مسلمانوں کو ترک کر دینا چاہئے۔ تو ہندو کی جن جن باتوں سے مسلمانوں کی دل آزادی ہوتی ہے مثلاً مندروں میں سکھ بھونکنا، گھنٹہ بجانا وغیرہ، کیا برادران وطن ان سب کے چھوڑنے پر آمادہ ہیں؟ اگر ہاں تو بسم اللہ! پہلے کانگریسی اور دیگر انجمنوں، پیپک جلسوں میں اس کے متعلق رزلوشن پاس کر لیں۔ پھر ترک اخیر کے لئے مسلمانوں سے کہیں اور اثر کا نہیں تو یہ اتحاد کی ایک طرفہ کاری کیسی؟ ہندوؤں کی خاطر ہم اپنا شعار چھوڑ دیں، جسے ہم اپنے گھروں میں پوشیدہ طور سے

کرتے ہیں اور وہ منکھ اور گھنٹوں کی مکروہ اور لخر اش آوازوں سے ہماری علامتہ دل آزاری سے بھی باز نہ رہیں۔ علاوہ
 بریں جب انہو کی مذہبی کتاب ویدوں سے ذبیحہ بقر کی ممانعت ثابت نہیں، بلکہ ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے
 کہ ان کے مذہب میں گائے کا ذبح کرنا جائز اور خود ان کے پیشواؤں کے فعل سے ثابت۔ جیسا کہ رسالہ سوط الجبارہ وغیرہ
 سے ظاہر تو اپنے مذہب کے احکام اور اپنے پیشواؤں کے افعال سے دل آزاری کیوں؟ ولسو فرضا کہ گایوں کا ذبح ہونا
 ہندو کی دل آزاری کا سبب ہے۔ تو کیا صرف انہیں تین دن میں جب کہ غریب مسلمان قربانی کے لئے ذبح کرتے ہیں،
 دل آزاری ہوتی ہے اور بقیہ سال بھر جو برابر کسریٹ وغیرہ میں روزانہ تیس چالیس ہزار گائیں کٹا کرتی ہیں، اس سے
 کانوں پر جوئیں تک نہیں رہتی۔ تو ظاہر ہوا کہ سب مذہبی عناد و عداوت کی وجہ سے مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی
 اور ان کو قربانی جیسے ثواب عظیم سے روکنے کی حیلہ سازی ہے۔ مسلمانوں کو عقل و ہوش سے کام لینا چاہئے۔ ایسے دھوکے بازوں
 کے ہام میں نہ آئیں۔ فرضی، وہی اعزاز و نبوی کی خاطر دین سے دست برداری نہ دیں۔

خلیفۃ المسلمین کی بحث مسلمانوں کے لئے ایک علمی بحث ہے، جس کا فیصلہ کتب عقائد و شروح حدیث میں مفصل
 موجود ہے۔ تمام مسلمانوں پر مقامات مقدسہ کی حفاظت، حریم شریفین کی خدمت کی وجہ سے سلطان معظم کا احترام فرض
 ہے۔ مگر عامیانہ طریقہ ہڑتال، نہ شریعت کی تعلیم، نہ امیر المومنین کا حکم، نہ عنائے دین کا فتویٰ ہے۔ یہ انہیں لوگوں کے اوپام
 تراشیدہ ہیں جو جھوٹوں میں بیٹھ کر سلطنت کا خواب دیکھا کرتے اور ہوم رول، سلف گورنمنٹ، سوراخ وغیرہ کا وظیفہ رنا
 کرتے ہیں۔ ان کی تقلید نہ مسلمانوں پر ضروری، نہ ان کے احکام کی عدم تعمیل کی وجہ سے کوئی شخص شرعاً گنہگار ہو سکتا ہے۔ اس
 لئے ہندوستان کی ریاستہائے اسلامیہ میں اس قسم کا شور و شر، ہڑتال کا نام و نشان تک نہیں۔ نہ تعلیم یافتہ طبقہ
 بیہ شراں، ویکلاء، عمال کچھری و ڈاکخانہ جات، ریلوے وغیرہ نے اس کی طرف دھیان کیا۔ حالانکہ رزرو لیوشن کے الفاظ یہ
 تھے: "اس دن تمام مسلمانان ہند کا روبرو بار بند کریں" بلکہ بعض جگہ نہ صرف روز جمعہ بلکہ شب جمعہ کو بھی تمام کاروبار جاری اور
 تمام دکانیں کھلی رہیں۔ ریاست رامپور جو مسٹر شوکت علی و مسٹر محمد علی کا مستط الراس، مولد و وطن ہے، وہاں کا اخبار وید یہ سکندری
 منظر کہ "ریاست رامپور میں ۱۸ مارچ روز پنجشنبہ کو شب بھر بازار کھلے رہے اور دکانداروں نے رات بھر کھل کر دکانوں میں بسر
 کی، جن کے مال و اسباب کی حفاظت ریاست کی پیدل و سوار فوجیں کرتی رہیں اور ۱۹ مارچ کو تمام کاروبار بدستور جاری رہے
 اور شہر کے تمام بازار کھلے رہے۔ جامع مسجد میں سوائے دعاء نصرت و فتوحات شاہان اسلام کے کہ وہ ویسے ہی ہر جمعہ کو کی جاتی
 ہے، غیر معمولی کوئی امر ظہور پذیر نہ ہوا۔"

سلطان اسلام کے لئے سچے دل سے مساجد و جمعات و جماعات میں دعا کرنا، بیشک پسندیدہ کام ہے۔ علماء کرام
 نے اپنی کتابوں میں ۱۹ شخص ایسے ذکر کئے ہیں جن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ از انجملہ مسلمان کہ مسلمان کے لئے اس کی تحیت
 میں دعا مانگے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ دعا نہایت جلد قبول ہوتی ہے۔ فرشتے کہتے ہیں: "والک ستمیل ذلک احدیہ"
 - دوسری حدیث میں فرمایا: یہ دعا حاجی اور غمازی، مریض و مظلوم کی دعاؤں سے بھی زیادہ جلد قبول ہوتی ہے۔ تیسری

حدیث میں ارشاد ہوا: اس سے زیادہ جلد قبول ہونے والی کوئی دعا نہیں۔ (رواہ الترمذی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) مگر اس کے لئے نہ کسی وقت کی تخصیص، نہ کاروبار بند کرنے کی تخصیص، ہر وقت کر سکتے ہیں اور ہر وقت کرنا چاہئے۔ خصوصاً بعد صلوٰات خمسہ، شورش، ہنگامہ، فتنہ، فساد سے مسلمانوں کو ہر وقت بچنا چاہئے۔ قال تعالیٰ: "وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" (البقرة: ۱۹۱) فتنہ کرنا قتل سے زیادہ سخت (گناہ) ہے۔ یا جملہ جو لوگ عامیانہ ہر سال، وحشیانہ افعال کے شریک نہ ہوئے اور انہوں نے مساجد میں یا مثال امر "أَذْخُوا زُكُومًا تَطْرُقُهَا رَحْمَةٌ" (الاعراف: ۵۵) "اپنے رب سے دعا کرو وگرنہ گزرتے اور آتے ہستہ۔" (کنز الایمان) خلیفۃ المسلمین کی فتح و نصرت و بٹائے جاہ و عزت کی دعا کی، وہ ہر طرح مستحق تعریف و توصیف ہیں، انہی کا قابلِ خدمت و ملامت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ مرسلہ مولوی عزیز الرحمن اذکار انیم پورہ اکھنڈ سیور ضلع بھگن پور ۱۵ اشعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسئلوں میں:

(۱) وہابی کسے کہتے ہیں؟ ان کے کیا کیا عقائد ہیں؟ شرعاً وہ کافر ہیں یا بے دین؟ اگر کافر نہیں تو اس کو کافر کہنے والا خود کافر ہے یا نہیں؟ کافر اور بے دین یا بد مذہب کا کیا مطلب ہے؟

(۲) وہابیوں سے میل جول رکھنا شرعاً کیسا ہے؟

(۳) خالد بن ولیدؓ سے مرید ہے لیکن وہ ایسی ہستی میں رہتا ہے جہاں وہابی کثرت رہتے ہیں۔ اور الگ جگہ کے نہ ہونے سے وہاں کے لوگوں سے زیادہ میل جول رکھتا ہے اور اس کو یہ بھی خیال ہے کہ اگر ہم ان لوگوں سے پیوند کی اختیار کریں گے تو میرا دنیاوی گھانا ہے اور فی الحقیقت اس کا نقصان ہوتا بھی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو کیا ایسا شخص وہابی کہلائے گا؟

(۴) وہابیوں سے ارتباط از قسم خور و نوش، آمد و رفت، شادی بیاہ، جائز ہے یا ناجائز یا حرام؟ ناجائز اور حرام کا کیا مطلب ہے؟

(۵) دیکر کہتا ہے کہ زید اگرچہ وہابی ہے تو اس کا پرہیز ہم کیوں آتا، جانا، کھانا، پینا، ترک کر دیں۔ ہم تو وہابی نہیں۔ حشر اگر خراب ہوگا تو زید کا نہ کہ میرا۔ تو کیا دیکر کا یہ کہنا صحیح ہے؟

(۶) زید جو عمر و (سنی) کے نزدیک وہابی ہے، یہ کہتا ہے کہ ہم وہابی نہیں۔ جو عقیدہ عمر و کا ہے، وہی عقیدہ ہمارا ہے۔ اور دلیل میں ائمہ (نامی کتاب) کو پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر ہم وہابی ہوتے تو کتاب مذکور کو نہ مانتے۔ حالانکہ ہم اس کو مانتے اور صحیح جانتے ہیں جس طرح تم صحیح جانتے اور مانتے ہو۔ لیکن عمر و جس طرح رشید احمد و اشرف علی اور اسماعیل وغیرہ کی مصنفہ کتابوں کے متعلق پوچھتا ہے کہ تم اسے وہابی سمجھتے ہو اور ان کی کتابوں کو باطل سمجھتے ہو یا نہیں؟ تو وہ کہتا ہے کہ ہم انہیں وہابی یا ان کی کتابوں کو برا نہیں سمجھتے۔ لیکن ہاں اس پر عمل بھی نہیں کرتے۔ نہ معلوم انہوں نے کس مصیبت سے ایسا لکھا؟ تو اس صورت میں زید سنی یا وہابی کس گروہ میں اس کا شمار ہوگا؟

(۷) مولوی محمد علی صاحب و مولوی غنیمت حسین صاحب مؤلفی ان دونوں کے کیسے عقائد ہیں؟ وہابی ہیں یا اہل سنت و جماعت؟ فقط بینوا کسا ہو فی الکتاب۔

ال جواب

(۱) محمد بن عبد الوہاب نجدی کے متبع کو وہابی کہتے ہیں۔ کتاب التوحید عربی زبان میں ایک کتاب اس کی تصنیف ہے، جس میں اپنے خیالات و عقائد اس نے درج کئے ہیں۔ اسی کا ترجمہ تقویت الایمان ہے جو مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھی ہے، جو لوگ اس کتاب کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے مسائل کو صحیح و درست جانتے ہیں، وہ سب وہابی ہیں۔ ہندوستان میں وہابیہ کی دو شاخیں ہیں۔ ایک جو اعتقاداً اور عملاً ہر طرح محمد بن عبد الوہاب و مولوی اسماعیل دہلوی کے قدم پر قدم ہیں، ان کو غیر مقلد کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اعتقاداً تو اسی کے ہم مشرب ہیں اور فرعاً حنفی ہیں، ان کو دیوبندی کہتے ہیں۔ محمد بن عبد الوہاب و اسماعیل دہلوی کے عقائد کفریہ نہ تھے۔ اگرچہ بعض اقوال شان اسلام سے بہت گہرے ہوئے ہیں۔ مگر التزام کفر نہ ہونے کی وجہ سے محققین و متاثرین علمائے کرام نے ان دونوں اور ان کے ہم خیالوں کی تکفیر نہ کی، صرف گمراہ اور بد مذہب کہا، جیسا کہ مطالعہ رسالہ الملوکۃ الشاہیہ سے واضح ہوگا۔ اسی وہابیہ کی دوسری شاخ دیوبندی ہے۔ اس نے اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں سخت توہین و تنقیص کے کلمات لکھے، چھاپے، جس کی وجہ سے علمائے جریمین شریفین نے دیوبندی کی تکفیر فرمائی۔ مطالعہ ہر رسالہ مبارکہ حسام الحرمین۔ ان دونوں شاخوں کے عقائد و خیالات رسالہ الاستمداد میں بحوالہ کتب وہابیہ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ بھیجتا ہوں۔

کافر کا یہ مطلب ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا منکر ہے۔ اس شخص کو نئے سرے سے حکم پڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہونا چاہئے اور اپنے عقائد و خیالات سے بری ہونا چاہئے۔ اور بد مذہب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دائرۃ اسلام میں ہے مگر اس کے خیالات مطابق عقیدۃ اہل سنت نہیں۔ اسے اپنے خیال سے توبہ کرنا چاہئے۔ واللہ العالیٰ و هو الموفق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) وہابیوں بلکہ تمام بد مذہبوں سے میل جول رکھنا شرعاً ناجائز ہے۔ قال تعالیٰ: "وَلَا تَقْرَأُوا مَعَ الْكَافِرِينَ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ" (الانعام: ۶۸) "اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔" (کنز الایمان)

تفسیرات احمدیہ میں ہے: "دخل فیہ الکافر و البندع و الفاسق و القعود مع کلہم منہج۔" "اس آیت کے حکم میں ہر کافر و بد مذہب اور فاسق و غفل ہیں۔ ان میں کسی کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں۔"

اللہ عزوجل فرماتا ہے: "وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَمَا تَسْمَكُوا النَّارَ" (ہود: ۱۲۳) "اور ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔"

صحیح مسلم شریف میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ابناکم و اسامکم لا یضلکم ولا

یغتنونکم۔ ”ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کریں، کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ واللہ الموفق واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) جو شخص عقیدہ، عمل، ہر طرح کی بات، صرف یکجا رہنے کی وجہ سے دنیوی تعلقات، میل ملاپ و ہابیہ سے رکھتا ہو تو وہ شخص اگرچہ وہابی نہیں ہو جائے گا مگر یہ فعل اس کا شرعاً ضرور قابل ملامت ہے۔ کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دینے والے کے پاس کسی خوشی بیٹھ سکتا ہے، میل جول رکھ سکتا ہے، اس کی شادی بیاہ میں شریک ہو سکتا ہے، نہ شریک ہو کر طعن خلق و ملامت لائم سے بچ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ تو اللہ و رسول جین و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ تو ماں باپ سے کم نہ ہو کیا انہوں نے مرتبہ فراموش ہے۔ پھر کوئی دیندار وہابیہ سے میل جول رکھنا کیسے پسند کر سکتا ہے؟ خود وہابیہ کے افعال سے سبق لے سکتے ہیں کہ کوئی سنی ان کے کبراء ان کے فضلاء کے حق میں وہی الفاظ استعمال کرے جو انہوں نے ہمارے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں استعمال کئے ہیں، پھر دیکھتے ایک جگہ اپنے کا ساتھ، کیا حق بنا ہے؟ اسی طرح ملتے جلتے ہیں یا منہ پھلا کر الگ ہو جاتے ہیں۔ کسی وہابی کے سامنے کہہ دیکھتے کہ مولوی اسماعیل و قاسم و رشید احمد و اشرف علی سالم تو ہر گدھے، کتے، موڑ کو ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے تو سب ظلم ان لوگوں کو دے نہیں دیا، رہا بعض ظلم تو ایسا ہر گدھے، کتے، موڑ، پاگل، لونڈی کو ہے۔ یہ کہہ کر ان کے اخلاق دیکھتے۔ حیف صد حیف کہ وہ لوگ جس قدر اپنے علماء کی عزت کریں، افسوس کہ ہمارے سنی بھائی اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی وقعت و عظمت اپنے دل میں اتنی نہ رکھیں۔

فَالْتَعَالَى: ”لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَتَدَّهُمْ فِي رُوحٍ مِنَّةٍ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“ (المجادلہ: ۲۲) ”تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں یاقینوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سنا ہے! اللہ ہی کی جماعت کا میاب ہے۔“ (کنز الایمان) مسلمانوں کے لئے قرآن شریف سے بڑھ کر کس کی ہدایت و رکار۔ واللہ الموفق۔

(۴) نمبر ۳ کا جواب بھی اسی نمبر ۳ سے واضح ہو گیا۔

(۵) بیکر کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ گناہ صرف زید کو ہوگا اور اس کا حشر خراب نہ ہوگا۔ اس کو عذاب وہابی ہونے کا ہوگا تو زید کو عذاب خلاف قرآن و حدیث وہابیہ سے ملنے کا گناہ ہوگا کہ اس نے احکام الہی کو پس پشت ڈالا اور نفسانی احکام پر چلا۔ تفصیل کے لئے مطالعہ ہر سالہ فتاویٰ الحرمین و کتب ردودہ۔ واللہ تعالیٰ هو الموفق وهو اعلم۔

روک دے، تو اس وقت ضعف کا عذر کر کے خاموش بیٹھ جانا جائز ہو گا یا نہیں؟ بیٹھا تو تیرا در

الواب

(۱) ترک موالات، جو جب احکام آیات واجادیت، جملہ اعداء دین ہنود و یہود و نصاریٰ مجوس و غیرہم سب سے ضروری ہے۔ ان میں کسی سے موالات جائز نہیں۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں تحت آیہ کریمہ: "وَدُّواْ الْمُوْثِقُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاءً قُلُوْبًا تَشْجِدُوْا مِنْهُمْ اَوَّلِيَّاءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قُلُوْبُ قَوْمٍ اَفْحَدُوْا عَنْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَتّٰى وَحَدَّثُوْهُمْ وَلَا تَشْجِدُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا تَهَيِّزْ" (النساء: ۸۹) "یعنی دوست رکھتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کا فر ہو گئے ہیں، اسی طرح تم بھی کفر کرنے لگو۔ پس وہ اور تم سب ایک ہی طرح کے ہو جاؤ۔ تو جب تک یہ مسلمان نہ ہو جائیں، ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ پھر اگر یہ منہ موڑیں تو ان کو پکڑو اور جہاں پاؤ ان کو قتل کرو۔ اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ۔" فرماتے ہیں: "كَلِمَةُ الْاِيَةِ عَلٰى اَنَّهُ لَا يَحُوْرُ مِوَالَاةُ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُنَافِقِيْنَ وَ الْمُشْتَهَرِيْنَ بِالْمُنَافَقَةِ وَ الْاِلْحَادِ وَ هَذَا عَمَّا كَدَّ بَعْنُوْمُ قَوْلِهِ تَعَالٰى يَا يٰهَا الدِّيْنُ اَمْتُوا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوْكُمْ اَوْلِيَاءَ ۝ وَ السَّبَبُ فِيْهِ اَنْ اَخْرَجَ الْاَشْيَاءَ وَ اعْظَمَهَا عِنْدَ جَمِيْعِ الْخَلْقِ هُوَ الدِّيْنُ لِاَنَّ ذَلِكَ هُوَ الْاَمْرُ الَّذِى بِهِ يَتَقَرَّبُ اِلَى اللّٰهِ وَ يَتَوَسَّلُ بِهِ اِلَى طَلَبِ السَّعَادَةِ فِي الْاٰخِرَةِ وَ اِذَا كَانَ كَذَلِكَ كَانَتِ الْعَدَاوَةُ الْحَاصِلَةُ بَسْبِهِ اعْظَمَ الْاَنْوَاعِ الْعَدَاوَةِ وَ اِذَا كَانَ كَذَلِكَ اَمْتَعَ طَلَبُ الْمَحَبَّةِ وَ الْوِلَايَةِ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِى يَكُوْنُ اعْظَمُ مَوْجِبَاتِ الْعَدَاوَةِ حَاصِلًا۔"

یعنی اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین اور منافقین اور جو لوگ کہ الحاد و زندقہ کے ساتھ مشہور ہیں، ان میں سے کسی سے موالات جائز نہیں۔ اور یہ حکم "يٰٰهَا الدِّيْنُ اَمْتُوا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوْكُمْ اَوْلِيَاءَ" سے اور موکد ہوتا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ سب سے بڑی اور سب سے عزیز ترین چیز جملہ مخلوق کے نزدیک دین ہی ہے، کہ اسی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تک رسائی ہوتی ہے اور آخرت میں نیک بخشتی کا حصول ہوتا ہے اور جب یہ بات ہے تو جو عداوت اس سبب سے ہوگی، وہ سب دشمنوں سے زیادہ اور بڑی ہوگی۔ تو جس جگہ دشمنی کا سب سے بڑا سبب موجود ہوگا، وہاں محبت اور موالات ناممکن ہے۔

تفسیر مدارک القبول میں "حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (النساء: ۸۹) "جب تک کہ اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں" (کنز الایمان) کے تحت لکھتے ہیں: "حَتّٰى يَوْمَسُوْا اِلَّا الْهَجْرَةَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِالْاِسْلَامِ۔" پس مسلمانوں کو جو اس کے احکام کو مانتے ہیں، چاہئے کہ مطابق حکم خداوند عالم، جملہ اعداء دین سے موالات ترک کر دیں اور کسی غیر مومن کو اپنا دوست نہ بنائیں۔

والتفصيل في رسالتي المقررة في هذا الباب والله تعالى اعلم بالصواب

(۲) جزيرة العرب میں حریمین محترمین اور اس کا زیادہ حصہ سلطان المعظم غلہ اللہ ملکہ کے قبضہ میں اور کچھ حصہ اس کا

اب انگریزوں کے قبضہ میں آیا ہے اور کچھ اس کا بہت پہلے سے نصاریٰ کے قبضہ میں ہے جیسے عدن وغیرہ۔

کنز العلوم واللفظ میں ہے: ”(عدن) میناء ذات تجارة واسعة في الجنوب الغربي من بلاد العرب يسكنها نحو ۳۵۰۰۰ نسمة اشترتها انجلترا ۱۸۳۹م وجعلت فيها محازن فحم للسفن المسافرة الى الهند وبها قلعة حربية على بوغاز باب المندب۔“

”عدن ایک وسیع تجارتی بندرگاہ ہے بلاد عرب کے دکن پچھتم کے گوشہ پر، جہاں ۳۵ ہزار آدمی رہتے ہیں۔ اس کو انگریزوں نے ۱۸۳۹ عیسوی میں خریدا ہے اور وہاں ہندوستان آنے والے جہازوں کے لئے کونٹوں کا مخزن ہے اور وہاں باب المندب پر ایک جنگی قلعہ ہے۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) میں نے آج تک یہ کسی سے نہیں سنا کہ کسی اخبار میں دیکھا۔

(۴) یہ خبر بھی تحقیق طور پر معلوم نہیں ہوئی ہے۔

(۵) خلاف کعبہ معظمہ کا جمل جانا یہاں بھی مشہور ہے اور اخباروں میں بھی ہے۔ ہاں اس کے سبب میں اختلاف

ہے۔ عام طور پر زبان زد نصاریٰ کی وجہ سے اس کا نقصان ہوتا ہے مگر ولایت کی کونسل میں اس کے متعلق سوال ہوا، تو انگریزوں نے یہ جواب دیا کہ یہ ترکوں کا کام ہے۔ آگے رہے قیاسات و قرائن، والعلم عند اللہ۔

(۶) ترک موالات کا جواب نمبر ۱ میں گزرا۔ ترک تعلقات کا ہر وقت انسان کو اختیار ہے۔ یہ اپنے جوش اور غیظ

وغضب سے جتنا زیادہ جوشیلا ہوگا، اسی قدر جلد الگ ہو سکتا ہے۔ رہا جہاد اگر سب حاصل، شرائط موجود، موانعات مشق و ہیں

تو ضرور مستعد ہو جائے۔ ورنہ اس بے کسی اور بے بسی پر جہاد کا خیال تو بالکل اسی کا مضمون ہوگا۔

اس مادی کی پہکون نہ مرجائے اسے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

در مختار میں ہے: ”ولا بد لفرضيته من قيد اخر وهو الاستطاعة۔“

سراج الوہاج میں ہے: ”وشروط لوجوبه القدرة على السلاح۔“

شامی میں ہے: ”ای وعلى القتال وملك الزاد والراحلة كما في قاضي حان وغيره قهستاني۔“

یہاں بھی ایک بہت ہی جوشیلے صاحب ہیں۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے، مولانا! آپ جہاد کا فتویٰ دیجئے۔

میں نے کہا، آپ رسد اور اسلحہ کا بندوبست کر لیجئے، تب کہئے۔ اب زمانہ گزری گئی، والی بندوق اور کٹر تلواروں کا نہیں ہے

۔ مشین گن، ہوائی جہاز، اتنی میل مارنے والی توپ کا انتظام کیجئے اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو جہاد کا خواب کچھ فائدہ نہیں پہنچا

سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) اگر قدرت اور استطاعت ہے تو ضرور فرض ہے۔ مگر فرضیت اس کی ترتیب وار با اختیار الاقرب فالاقرب کے ہے۔

در مختار میں ہے: ”يفرض على الاقرب فالاقرب من العلو لئلا تقع الكفاية۔“

شامی میں ہے: ”وتظهير الصلاة على الميت فان من مات في ناحية من نواحي البلد فعلى حبرائه

واهل محلته ان يقوموا باسبابه وليس على من كان بعد من الميت ان يقوم بذلك وان كان الذي بعد من الميت يعلم ان اهل محلته يضربون حقوقه او يعجزون عنه كان عليه ان يقوم بحقوقه كذا هيئتہ۔
والله تعالى اعلم۔

(۸) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد واجب الاقواء "واخرجوا اليهود والنصارى من جزيرة العرب" موجودہ حالت میں وہی فتویٰ دیتا ہے جو اس وقت میں رب العزت بل جلالہ کا فرمان واجب الاذعان "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً" (التوبة: ۱۲۳) "مسلمانو! اپنے آس پاس کے کافروں سے لڑو اور چاہئے کہ وہ تم میں کراہی معلوم کریں" فتویٰ دیتا ہے۔

(۹) بعد و جوب و فرضیت اس قسم کے لایعنی اعداء، قابل قبول نہیں اور بغیر تحقق شرط یا وجود مانع اس کا حکم جڑ دینا ایسا ہی ہے جیسے کسی فقیر مسکین کو زکوٰۃ یا حج کی فرضیت جتا کر اس کو بیمار نایا شیخ فانی کو روزہ پر مجبور کرنا یا نابالغ و مجنون پر نماز فرض جاننا یہ کسی عورت کو حیض و نفاس کی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم دینا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ عبدہ العاصی محمد ظفر الدین قادری

عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب الوقف ۸

مسئلہ ملک بنگالہ ضلع سلٹ مرسلہ مولوی عبید اللہ ۲۷ فروری ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں :

(۱) ایک ہندو زمیندار کی زمین مملوک پر اس کی اجازت سے بنائی ہوئی مسجد کہ اس نے نہ زمین ہند کی نہ اسے کسی مسلمان نے خریدا اب وہ مسجد شرعاً مسجد ہوئی یا نہیں؟

(۲) رعیت کی اجازت سے جمعہ خانہ قائم ہوا ہے بدون اجازت مالک کے۔ تو وقف کے لئے مالک ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اور وقف صحیح ہوا یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ ارشاد فرمادیں۔ بینوا تو جروا۔

ال جواب

(۱) صورت مسئلہ میں وہ مسجد شرعاً مسجد نہیں۔ اور اس میں نماز سے ثواب مسجد میں پڑھنے کا ہوگا کیونکہ یہاں ملک ابھی کافر کا باقی ہے۔ وان المسجد لله فما لم یکن لله لم یکن مسجداً نیز وقف کے اسباب سے طلب تقرب الی اللہ ہے اور کافر کا کوئی فعل بھی اللہ کے لئے نہیں ہوتا۔

عالمگیریہ میں ہے: ”واما سبب فطلب الرقعی الی اللہ ھکذا فی العنایۃ۔“

اسی کے بیان شرائط وقف میں ہے: ”ومنها (ای من شرائط الوقف) ان یكون قربة فی ذاته عند المتصرف فلا یصح وقف المسلم او الذمی علی البیعة او الکتیسة او علی فقراء اهل الحرب ھکذا فی النہر الفائق۔“

اسی میں ہے: ”ولو وقف الذمی دارہ علی بیعة او کنیة او بیت باز فھو باطل کذا فی المحيط۔“ اس لئے اگر اس نے اپنا مکان مسجد میں وقف کر کے نماز کی اجازت دے دی اور اس کی اجازت سے لوگوں نے نماز بھی پڑھی تب بھی بعد موت اس کے ورثہ کا میراث ہوگا۔

اسی میں ہے: ”ولو جعل فی دارہ مسجداً للمسلمین وبناء کما ھی المسلمون واذن لھم بالصلوۃ فیہ فصلوا فیہ ثم مات یصیر میراثاً لورثتہ وھذا قول الکمل فی جواهر الاخلاط۔“

عطاء یتوبیہ میں اسعاف سے ہے: ”لو جعل دارہ مسجداً للمسلمین وبناء کما ھی المسلمون واذن لھم بالصلوۃ فیہ فصلوا فیہ ثم مات یصیر میراثاً لورثتہ و اوصی بان یحج عنه یکون الوقف باطلا لکونہ لیس مما یتقرب بہ اهل الذمة للہ تعالیٰ۔“

عمود الدریہ میں ہے: ”وقف اهل الذمة لا یجوز الا اذا کان قربة عندنا وعندھم حتی لو جعل

داره مسجدنا المسلمین لا یحوز۔^{۴۰}

اس کے مسجد شریعی ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ اگر کوئی ہندو ایسا چاہے تو اس سے کہا جائے کہ تو اس شی کی کسی مسلمان کو مالک کر دے اور وہ اپنی طرف سے مسجد کے لئے وقف کر دے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ نہ لے کیونکہ دین میں کافر سے بدو شرعاً مطہر ناپسند کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲) صرف رعیت کی اجازت و بلا اجازت مالک لغو ہے۔ اس سے وقف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وقف کی بنیادی شرط یہ ہے کہ واقع وقت وقف اس شی کا مالک ہو، چنانچہ شی کو کوئی وقف نہیں کر سکتا اور نہ اس کے لئے وہ وقف ہو۔ وہ بدستور ملک مالک پر رہتی ہے۔

منہر میں ہے: ”و منها (ای من شرائط الوقف) الملک وقت الوقف حتی لو غصب الرضا فوقف“

ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن اليه لا يكون وقعا كذا في السحر الرائق.¹⁴

ورمقار میں ہے: ”میرجلہ شرطہ مائر الجرعات۔“

رد المحتار میں ہے: "فإنما إذا الواقف لا يملك أن يكون مالكاً وقت الوقف۔"

فتح المعین و در مختار میں ہے: ”و محله سال المستقوم۔“

طحاوی میں ہے: ”(قولہ ومحلہ المال المتقوم) ای یکون المملوک له وقت الوقف۔“

تو بغیر اجازت مالک نہ وہ جمعہ خانہ مسجد ہے اور نہ وہ وقف، وقف۔ بلکہ ایک مکان ہے مثل اور مکانوں کے۔ کیونکہ مسجد کے لئے افراز و تابدید کے ساتھ وقف درکار ہے۔ یہاں جب زمین غیر مملوک ہے تو نہ افراز ہو نہ تابدید۔ اس میں نماز ایسی ہی ہے جیسے کراہ کے مکان میں، جس میں اصلاً ثواب مسجد کا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بمقام جام نگر حاکم بنو، مسلمات عورات کو اپنے گھر میں ڈال لیتا ہے چنانچہ وہ اپنے راہ بردار اپنے دین اسلام پر، وہ عورتیں متحمل ہو کر عمدہ عمدہ مساجد بناتی ہیں؟ ان میں نماز جائز ہے یا نہیں؟
جیہاں فرماؤں اعیادت کتب۔ جزاکم اللہ خیراً۔

الـجـواب

عَنِ ذِي النُّفُلِ مِنْ غُصْبِهِ وَعَقْلِيهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ قَالَ تَعَالَى: "وَلَا تَقْرَبُوا الرِّثْيَانُ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتَدًا

وَسَاءَ سَيِّئَاتِهِ“ (الاسراء: ۳۸) ”اور نہ یاس چنگوڑ تاکے کہ وہ بے حیائی اور اللہ کو دشمن اور سخت بری راہ ہے۔“

زنا حرام قطعی، گناہ کبیر و عظیمہ شمدیدہ ہے نہ کہ معاذ اللہ من ذلک یہ خاص صورت۔ پھر زنا کی وجہ جو کچھ اموال زانیات کو ملتا ہے، وہ اس کی ہرگز ہرگز مالک نہیں ہوتیں۔ ان کے ہاتھوں میں حکم نصب رکھتا ہے۔ جس جس سے جتنا جتنا لیا ہے، اس کو واپس دینا واجب۔ اور وہ نہ رہے ہوں، ان کے ورثا کو دے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو فقہاء پر تصدیق واجب۔ لایہ۔
حاصل بی وجہ نیست و کل مال ملکنا فشانہ و حب تصدیق۔

بایں ہمہ حسب مذہب مفتی یہ ان میں نماز جائز اگر اس طرح سے بنائی گئی ہوں کہ خود زمین غاصباتہ طریقے سے حاصل کی گئی ہو اور نہ اس کی خریداری میں زحرام پر عقد و نقد جمع ہوا ہو۔ لان الحبث لا یسری فی الاستدال من الاشیاء و الدراہم و الدنانیر۔ حرام پر عقد کے یہ معنی ہیں کہ زحرام دکھلا کر اس پر عقد کرے، اور نقد یہ کہ پھر زحرام ہی اس کے معاوضہ میں دے اور اگر مثلاً بے روپیہ معین کے کوئی چیز خریدی اور وہ زحرام بھی عوض میں دیا تو یہ دینا اگرچہ اسے حرام تھا لہذا مامور بذاتہ اللہ من کمالہ و ان لم ینق ہو او وارثہ او لم یعرف فالتصدق و هذا عدول عنہما فلا یجوز۔

بلکہ بائع کو بھی لینا حرام تھا جب کہ اسے معلوم ہو کہ یہ روپیہ عین حرام اور اس کے پاس بلا ملک ہے۔ مگر جب کہ عقد حرام پر نہ ہوا خریدی شے میں نہ آیا۔ یونہی اگر زحرام دکھا کر کہا کہ اس کے عوض فلاں شے دیدے۔ جب اس نے دینی مشتری نے وہ روپیہ دشمن میں نہ دیا بلکہ زحلال دیا۔ تو اب اگرچہ عقد حرام پر ہوا مگر نقد اس کا نہ ہوا اور طہا ہر ہے کہ یہاں عام خریداریاں اسی صورت روپیہ پر ہوتی ہیں کہ روپیہ معین کر کے عقد نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ اس روپیہ کے عوض میں زمین یا فلاں شے دیدے یا میں نے اس روپیہ کے عوض میں خریدی۔ اور اگر بالفرض کہیں اجتماع عقد و نقد کا اتفاق ہوا بھی ہو تو، جو تاوڑ محض ہے اور ہم کو اس کا حال معلوم نہیں، تو حکم غیبت نہیں ہو سکتا۔ وقد قال فی الاصل بہ ناعوذ ما لم یعرف شیشا حراما بعینہ۔ خصوصاً جب کہ معلوم و معبود ہے کہ ایسے لوگ جو نیک کام کرنا چاہتے ہیں، اپنا غیبت روپیہ نہیں لگاتے بلکہ قرض لے کر کرتے ہیں اور اپنے روپے سے قرض ادا کر دیتے ہیں۔ تو جب تک خاص وجہ غیبت و ابطالان مسجد ثابت نہ ہو ایسی مسجدیں، مساجد جہتی ہیں اور ان میں نماز صحیح۔

کتبہ عبد المصطفیٰ محمد طغرالدین القادری الرضوی عفی عنہ

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسئلہ مرسلہ شیخ رحمۃ اللہ..... ۲۳ صفر ۱۳۲۳ھ

ایک زمین متصل مسجد فتن اموات کے لئے وقف ہے، جس میں بہت دنوں سے قانونا فتن کی ممانعت ہو گئی ہے۔ آیا اس میں مکان سکنی بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اس زمین میں مکان سکنی بنانا حرام ہے۔ کہ یہ جگہ فتن اموات کے لئے وقف ہے تو یہ تبرعاً مقبرہ کہا جائے گا۔ اگر چہ اگر بڑی قانون سے اس میں فتن کی ممانعت ہو گئی ہو کہ یہ ابطال غرض وقف ہے اور اس کا تخریب بھی جائز نہیں۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "لا یجوز تغیر الموقف عن حیاتہ اقول فلکیف یابطل غرضہ۔"

مفتو بالدریہ میں ہے: "لا یجوز للنظر تغیر صیغۃ المواقف کما افتی بہ البحر الرملی والحنابلین

ونظیر ہسا۔"

خزانہ میں ہے: "مقبرۃ قدیمة بمحلۃ لم تبین فیہا آثار المقبرۃ لا یناح لاهل المحلۃ الانتفاع بہا۔"

کہ اس سے انتفاع اور مکان سکنی بنانے میں قبر مسلم بلکہ مسلم کی بے حرمتی ہے اور وہ شرعاً ممنوع۔ علماء فرماتے ہیں کہ مسلمان کی عزت زندگی اور بعد موت برابر ہے۔ والمیت بتاذی بما بتاذی بہ الحی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "کسر عظم المیت واذاء ککسرہ حیاء"۔ مردے کی ہڈی توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے، جیسے زندہ کی ہڈی توڑ دینا ہے۔ اور جب وہاں مکان سکنی بنے گا تو لوگ بیشعیر گئے، چلیں گئے، پھریں گئے، حالانکہ قبر پر پاؤں رکھنا بھی منع ہے کہ سقف قبر پر بھی حق میت ہے۔

عالمگیریہ میں ہے قیہ سے: "قال علاء الشوقانی یأثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیت واما قول الزیلعی فی التین" ولو بلی المیت وصار ترابا حاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ" فمعناہ اذا دفن رجل فی ملک غیرہ لان المسک مطلق والمائع زال وهذا ايضا اذا کان ذلک باذنه والا ففی العصب له اخراج المیت و تسویۃ الارض۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لیس لعرق ظالم حق" کما اشار الیہ فی الدر المختار ولا یخرج منه بعد اهالة الشراب الا لحق ادمی کأن تکول الارض مغصوبة او اخذت بشقعة وبحیر المالك بین اخراجه ومساواته بالارض کما حاز وزعها والبناء علیہ اذا بلی وصار ترابا زلیعی والا فالزرع فی المقبرة لم یذهب الیہ احد وفي غایة القبح ان یقبر فیہ الثمونی سنة ویزرع سنة والتفصیل فی "العطايا النبویة فی الفتاوی الرضویة" واللہ تعالی اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چار بھائیوں کو ایک جائداد کثیر تر کہ پدری سے پہنچی۔ من جملہ اس جائداد کے چاروں بھائیوں نے تین مواضع کی حقیقت جو ان کے حصہ کی ان مواضع میں تھی، واسطے مصارف فاتحہ والدین و غیر تنخواہ قرآن خوانوں کے اور عزیزان جو مغفل ہوں، دروقف نامہ وقف کردی۔ اور تھینا سو برس تک عمل درآمد فاتحہ و تنخواہ قرآن خوان و عزیزان مغفل رہا۔ ایک زمانے کے بعد ورثاء نے منجملہ جائداد موقوفہ کے ایک موضع کی تقسیم کی تاش، عدالت سرکار انگریزی میں دائر کی کہ اس میں تنخواہ عزیزان و غیرہ کا تعلق ہے، وقف فلاں قانون انگریزی کی رو سے نہیں ہوئی۔ لہذا تقسیم ہونا چاہئے اسے حکم کے موافق مستوعیان تقسیم کے۔ منجملہ بیس سوہ کے ساڑھے سات سوہ حقیقت تقسیم کرائی اور بقیہ کل جائداد مذکورہ بالا کی آمدنی جیسے قدیم سے صرف ہوا کرتی تھی، وہ اب تک صرف ہوتی ہے۔ بموجب شرع شریف جائداد مذکورہ اور غیر منقسمہ وقف ہے یا نہیں؟۔ مینہ اتو جروا۔

الواب

شرعاً وہ کل جائداد جس قدر چاروں بھائیوں نے وقف کی تھی، سب بدستور وقف ہے۔ اس کو تقسیم کرا کر اپنی ملک ٹھہرانا شرعاً جائز نہ تھا۔ شریعت میں وقف الہی بھی جائز ہے۔ جس میں سے عزیزوں کی تنخواہ بھی منجملہ مصارف خیر مقرر کی جائے۔

درختار میں مواہب علامہ مدد بان الدین ابراہیم طرہنسی سے ہے: "فی الوقف علی نفسہ وولده وعلیہ وجعل ربعہ

لنفسہ امام حیاتہ ثم وثم حاز عند الثانی وہ یعنی۔ "التین۔ واللہ تعالی اعلم وعلمہ حل محله اتم واحکم۔

کتاب القضاء ۹

تحفة الاحباب فی فتح الکوة والباب (۵۱۳۳۶)

کھڑکی کا فیصلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمین، احکم الحاکمین الذی جعل سیدنا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین و حاتم النبیین و بعض عباده خلقة فی الارض لیحکم بین الناس بالحق ولا یتبع الہوی فیضله عن سبیل اللہ و افضل عبادہ و اکمل السلام علی من قال و صدق فی قوله: "وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ"۔ "من حکم بین الناس حکما اللہ و ارتضاه فلم یقض بینہما بالحق فعليه لعنة اللہ۔ ثم الصلاة والسلام علی آله و اصحابہ و الثمین تبعہ ہم باحسان لا سیما امامنا الاعظم و ہدایتنا الاقدم ابی حنیفة النعمان الذی دعی الی القضاء فابی و علینا معین و علیہم یوم الدین یا ارحم الراحمین۔

زمانہ کی غیر نمایاں بھی نت نئے شکوے چھوڑا کرتی ہیں جو بظاہر ایک کے لئے باعث مسرت ہوتی ہیں تو دوسرے کے لئے سبب حسرت۔ یہی واقعات اگر بنگاہ تامل و تحقیق دیکھے جائیں تو کسی کے لئے موجب شرم و ندامت ہیں اور کسی کے لئے ذریعہ عبرت و نصیحت۔ اس قصہ شہر ام ناصرا حکام کا ایک معمولی سا واقعہ ترقی یافتوں کی بدولت کچھ ایسا پھیلا پھولا، اس وجہ اس نے نشوونما پایا کہ دور دور تک مشہور ہوا، ورنہ بات معمولی تھی، معاملہ آسان تھا۔ ایک شخص کو خداوند عالم دیتا ہے۔ وہ اپنے دو منزلہ مکان کے ایک حصہ کو سہ منزلہ بنواتا ہے۔ زمانہ مکان ہونے کی وجہ سے بقیہ تین طرف پر وہ کی دیوار کھینچواتا ہے اس صورت میں ہوا کی آمد و رفت نسبت کم ہو جاتی ہے، جس کی تلافی کے لئے وہ غرب رویہ ایک کھڑکی لگاتا ہے جس سے اوپر رہنے والوں کے لئے دوسرے مکان میں جو اس کے خاص رشتہ دار کا ہے، آنے جانے کا بھی آسان راستہ کھل آتا ہے۔ اس کھڑکی کا کھلنا تھا کہ نوے محلہ کے ترقی یافتہ حضرات کے حسد کی کھڑکی کھل گئی اور آتش حسد کی چنگاریاں اڑنی شروع ہو گئیں۔ حق کو ناحق، ناحق کو حق بنانا جن کارات و ن کا کام ہوا، ان کے نزدیک اس تل کو پہاڑ بنا لینا کیا دشوار تھا۔ نفسانیت کے جوش نے یہ رافہ بتائی کہ ایک مکان کو پھیلائی کر بے پروہی ہونے کا دعویٰ عقل سلیم کے نزدیک مستبعد ہے۔ اس لئے اس شخص کے پڑوس والے خاص رشتہ دار کو ابھارا کہ میاں تم اپنی بے پروہی کا مقدمہ دائر کرو، ہم بھی اس کا مقدمہ کرتے ہیں۔ دونوں مقدمہ کے ہم قالب ہونے کی وجہ سے جو کچھ کارروائی میرے مقدمہ کی ہوگی وہی تمہارے مقدمہ کی بھی ہوگی، ہم ختم ہونے کے کھڑے تو ہو جائیں ہم سب کچھ دیکھ لیں گے۔ خرچ بہت کم ہوگا اور جو کچھ ہوگا بھی تو ہم خرچ کے لئے تیار ہیں مگر

جب اس بے چارے کو روپیوں کی ضرورت ہوئی تو فرماتے ہیں کہ ہاں آپ کس موضع پر روپیہ لینا چاہتے ہیں یعنی کوئی جائیداد مکتول کیجئے تو ہم روپیہ دیں گے۔ آخر اس بے چارے نے اس خلاف عہدی سے متاثر ہو کر مقدمہ اٹھالیا اور آئینہ کی درخواست دے دی۔ اب بے پردگی کا مقدمہ ایک ٹانگ کا مرغا ہو کر چلنے سے معذور ہوا تو عقلمندوں نے دوسری راہ نکالی۔ سوء اتفاق سے اس زمانہ میں بلوہ شاہ آباد ہو گیا۔ پیشہ ور حضرات کو اپنا پیشہ چلانے اور بھولے بھالے مسلمانوں کے دلوں میں رسوخ جانے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ بنام امداد مظلومین ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جس کی صدارت کی پکڑی اپنے زریب سرکی، پھر کیا تھا قوم کی ٹکیل ہاتھ میں آ گئی۔ جدھر چاہتے قوم کو گھما ڈالتے۔ اپنا معتقدہ غیروں سے قوم کو بدظن بنانے کا اس سے بڑھ کر کون سا موقع ملتا۔ امداد مظلومین کے نام سے جلسہ کیا جاتا، جب لوگ آ جاتے تو اپنے مخالفین کی متارکت و مخالفت کا عہد و بیان لیا جاتا۔ بعض نیک نیتوں نے جب دیکھا کہ یہ طریقہ امداد مظلومین کے لئے کیا مفید ہوگا یہ تو آپس کا رہا سہا اتفاق بھی ملیا میٹ کر دے گا اور شہر بھر میں دو مضبوط پارٹی قائم کر دے گا جو اس وقت مسلمانوں کے لئے سم تاتل ہے۔ آخر ان لوگوں نے عام مسلمانان شہر میں اتفاق پھیلانے، ہچکچڑے ہودوں کو ملانے کی کوشش کی۔ خداوند عالم نے ان کی سعی مشکور فرمائی اور ۸ محرم الحرام روز جمعہ مبارکہ کو عام مسلمانان شہر کا جلسہ روضہ کی مسجد میں اس غرض سے ہوا کہ آج سب مسلمان آپس میں مل جائیں اور سب کے سب متفقہ متحدہ کوشش سے امداد مظلومین کی طرف متوجہ ہوں۔ اس جلسہ کی غرض و عایت تو یہ تھی مگر خود غرضوں نے (جن کی عادت ہمیشہ اپنے نفع کو قومی بہبود پر مقدم سمجھنا ہے بلکہ قوم کو کم کرنے سے بھی اپنی ہی مقاصد کی سرسبزی مقصود ہوا کرتی ہے) اس جلسہ کا ماحصل اپنے مقصد کا حصول قرار دیا۔ ملے ہی کھڑکی کا سوال کیا اور ثالثی پر رائے جمائی جس نے صاف کھول دیا کہ امداد مظلومین کا نام تو برائے نام ہے، اصل مقصد جو بلوہ اور مسلمانوں کے لوٹے جانے اور مسجدوں کے شہید کئے جانے سے بھی اعظم ہے یہی ہے ورنہ اس عظیم الشان جلسہ میں جس میں شہر کے عام لوگ جمع تھے اور ایسا جلسہ نہ پہلے ہوا، نہ بعد کو ہوا۔ ان مظلوموں کی امداد کی تجویز اور وجوہ امداد کے متعلق تبادلہ خیالات کرنا تھا، نہ کہ ان سب کو پس پشت ڈال کر اپنے مطلب کے حصول کو مقدم کرنا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

غرض جب قانون دان حضرات کو معلوم ہو گیا کہ مقدمہ کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور کچھری میں چلنے کے قابل نہ رہا تو ان ترکیبوں سے اسے ثالثی پر ڈھالا۔ قسمت کی خوبی ثالث بھی وہ ہاتھ لگے جو مومن احسان، جن کی حمایت کر کے ایک زمانہ میں عید گاہ کی امانت دلو اچکے تھے ان کی کیا مجال کہ آیت قرآنیہ کا خلاف کریں اور ”حَسْبُكَ الْاِخْصَانُ الْاِخْصَانُ“ (البر حسن: ۶۰) ”نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی“ (کنز الایمان) پر عمل کر کے ان کو شاد کام نہ بنائیں۔ اگر کاش ثالث صاحب اسی جلسہ میں اس قصہ کو وہ لفظوں میں طے فرما دیتے کہ آج کا یہ دن باعث مسرت و خوشی ہے، بگڑے ہوئے ہے، ہچکچڑے ہوئے ملے ہیں۔ ایک کھڑکی کی وجہ سے آپ دونوں کے دلوں میں رنج رہنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کو بند کر دیجئے تاکہ کسی قسم کا مال کسی کو کسی کی طرف سے نہ رہے، بات ختم ہو جاتی۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ اس دن جو کچھ کہا جاتا، بین مسرت کے ساتھ قبول کرنے میں کسی کو تامل نہ ہوتا مگر ایک مصلحت غامضہ کے سبب اس کو معرض

تعمیق میں ڈالا گیا یعنی اس کھڑکی سے متعلق ایک مقدمہ ہائی کورٹ میں دائر تھا۔ اس کے نتیجہ کا انتظار کیا گیا کہ اگر وہ مقدمہ فریق مخالف کے خلاف میں فیصلہ ہوا تو پھر اس سے تن مردہ میں جان آ جانے کا خیال ہے مگر خدا کی شان کہ وہ مقدمہ حق جھگڑا فیصلہ ہوا۔ جب اصرار سے ناکامی ہوئی تو پھر ثالثی یاد پڑی۔ ثالث صاحب نے پہلے تو بہت کچھ انکسار سے کام لیا، اپنے کو اس لائق نہ جانا، معذرت کے خطوط لکھے، ایک اسٹنٹ طلب کیا مگر فریق اول (مدعی) کو تو ان سے بڑھ کر ثالث مل ہی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ ممکن تھا کہ اس کی جانب سے ان خطوط معذرت کی طرف توجہ کی جاتی۔ فریق دوم (مدعا علیہ) تن بتقدیر و رضا بالتقصا میں کچھ اس درجہ مشغوف تھا کہ اس نے بھی ان خطوط کی طرف اصلاً خیال نہ کیا مگر جب آثار و قرائن سے خلاف انصاف ہوتا پایا تو ان کو صاف منع کرا دیا۔ اس پر مجبور صاحب نے التفات نہ فرمایا۔ آخر بے ثالثی ثالث صاحب نے فیصلہ کیا اور خوب ہی دل کھول کر فیصلہ لکھا جس میں قسم تک باقی نہ رکھا۔ عقل و شرع کو اپنے زور قلم کے گھات اتار اور فیصلہ میں سوائے مقصد واحد مدعی کے کسی بات کا لحاظ نہ کیا۔ فیصلہ میں اگر صرف اپنی رائے کا اظہار کیا جاتا اور بر بناء مصلحت جو کچھ حکم دیا جاتا، اس میں کسی دوسرے کو دخل کی ضرورت نہ تھی مگر غضب یہ کہ شریعت مطہرہ کے بالکل خلاف فیصلہ کو شریعت حقہ کے مطابق و موافق ہونا ظاہر کیا اور آخر حصہ میں فیصلہ کے، کچھ عربی عبارتیں فتاویٰ کی نقل کر کے اس کو بھاری بھر کم بنانے اور نگاہ عوام میں موافق فقہ حنفی ٹھہرانے کی کوشش کی۔ مجھ سے بعض احباب نے اس فیصلہ پر ایک نظر کرنے کی درخواست کی اور اصل واقعات کو بیان کر کے مسئلہ فقہیہ لکھنے کی خواہش کی۔ اگر اس فیصلہ میں ناحق کو حق ثابت کرنے، عبارت فقہیہ کے غلط معانی باور کرانے کی کوشش نہ کی گئی ہوتی تو ایک کھڑکی کا معاملہ کوئی ایسا مہم بالشان نہ تھا کہ میں اپنے عزیز وقت کو اس کی طرف صرف کرتا اور فیصلہ کی غلطیوں کو عالم آشکارا کرتا مگر محض حمایت حق نے مجبور کیا کہ فیصلہ ثالثی پر ایک نظر کروں اور اس کے اغلاط شرعیہ و عقلیہ کو حوالہ قلم کر کے اس رسالہ کو بنام "تحفة الاحباب فی فتح الکوة و الباب الممومہ کروں۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ ایک مرتبہ شروع سے آخر تک ملاحظہ فرمائیں تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ شریعت مطہرہ کا فیصلہ اس بارے میں کیا ہے۔ ناظرین ذوی الاحترام پر مخنی نہ رہے کہ مجھے اصل مسئلہ کی وضاحت اور شریعت کی حمایت منظور ہے نہ زید و عمر سے بحث۔ اسی لئے اس تحریر میں کسی جگہ کسی شخص کا نام نہ لکھا جائے گا تا کہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ اس سے مقصود کسی کی عزت ہے یا کسی کی ذلت اور آزاں آجی کہ اس تحریر کا پورا مطلب بے فیصلہ سمجھا جانا دشوار ہے، اسی لئے حاشیہ پر (احقر نے اسے رسالہ سے پہلے سیٹ کر دیا ہے اور پلا سے مقامات بحث واضح کر دیئے ہیں) اصل (فیصلہ ثالثی) بھی لفظ بلفظ نقل کر دیا جائے۔ و ما توفیقی الا باللہ علیہ تو کلت و الیہ انیب و هو حسبی و نعم الوکیل۔

۱۶ فیصلہ ثالثی ۷۹۶ سید شاہ۔ بنام سید شاہ۔ مدعا علیہ۔ ۲۷ مئی ۱۹۱۸ء کو روز بروز بتھا، مسل میرے پاس آئی۔ اسی روز بنام مدعی و مدعا علیہ نوٹس دے کر پانچ بجے شام کو اسی دن طلب کیا۔ مدعی و مدعا علیہ دونوں وقت پر آئے۔ دونوں فریق کا بیان سن کر ۲۸ مئی سہ شنبہ کو پانچ بجے شام کا وقت واسطے دیکھنے مقام متنازع قید کے دیا اور اس وقت اس جگہ

پہنچے۔ مدعی و مدعا علیہ دونوں کو حاضر پایا۔ یہ موجودگی دونوں فریق کے ملاحظہ کھڑکی و چھت وغیرہ کا کیا اور بوقت ملاحظہ جو کچھ مدعی و مدعا علیہ نے اپنے عذر کو بیان کیا، اس کو سنا۔ ہذا قرینین کے بیان سننے اور مقام متنازع فیہ کے ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ مدعی کو تین امر کا عذر ہے۔ ایک جدید کھڑکی کا، دوسرے کھڑکی کے کواڑ کے اوپر کے دیوار میں سوراخ رہنے کا، تیسرے دیوار جس میں کھڑکی ہے، اس کے پست ہونے کا اور تینوں عذر کا متشابہات، خیال ہے پردگی زمانہ مکان مدعی ہے۔ اور لحاظ و خیال عورتوں کے پردہ کا علاوہ شرعاً و عقلاً ضروری و شعار شرفاً ہونے کے اس شہر کے رسم و رواج میں داخل ہے۔ ہذا ساتھ ان سب عذر کے مدعی کا یہ بھی بیان ہوا کہ ان تینوں کی کوئی حاجت و ضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں ہے جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابل اعتبار ہو۔ ہذا بعد سننے اس بیان مدعی کے مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کی گئی۔ اس کے جواب میں مدعا علیہ نے بیان کیا کہ۔ میرے سسرالی رشتہ دار میں ان کے یہاں کی عورتوں کی آمد و رفت کے لئے یہ کھڑکی بنائی گئی ہے۔ ہذا اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کیا۔ اور بجواب اس سوال کے کہ عورتوں کی آمد و رفت کے لئے ایک ہمسایہ کی بے پردگی کب مناسب ہے؟ ہذا مدعا علیہ نے کہا کہ یہ مکان ہمارا بھی زمانہ ہے۔ یہاں مردوں کی آمد و رفت نہیں ہوتی ہے جس سے اندیشہ بے پردگی کا ہو۔ اس پر مدعی نے نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ کا جو عدالت میں ہوا ہے اسل سے نکال کر سنایا۔ وہ یہ ہے:

” (نمبر ۵ یہ کہ بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت و کونٹری پر رہتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست احباب آیا کرتے ہیں۔“ ہذا مدعی نے کہا کہ ان مردوں سے اور مجھ سے ایسا رشتہ نہیں ہے کہ میرے یہاں کی عورتیں ان کے سامنے ہو سکیں۔ پس میرے یہاں کی عورتوں کے لئے وہ لوگ ویسے ہی ہیں جیسے اور غیر مرد جن سے عورتوں کو ہماری پردہ کرنا ضرور ہے۔ ہذا مدعی نے مکان مدعا علیہ کے نیچے طبقہ کے متعلق مکان زمانہ کی صحت سے ایک وسیع کھڑکی مجھے دکھائی جو..... کے عورتوں کی آمد و رفت کے لئے کھڑکی متنازع فیہ سے زیادہ مناسب باس وجہ ہے کہ اس میں زینہ بنانے کی بھی حاجت نہیں۔ اس کی چھت کی سطح..... کی چھت کی سطح کے تقریباً برابر ہے اور یہ کہ کھڑکی متنازع فیہ ابھی اس کام کے لئے ناقص ہے۔ اس میں زینہ بنانے کی حاجت ہے۔ بغیر اس کے کوئی عورت کیا معنی، مرد بھی..... کے مکان سے کھڑکی پر آ نہیں سکتا۔ ہذا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکان جس میں وسیع کھڑکی ہے، مدعا علیہ کی والدہ کے رہنے کا مکان ہے، کسی غیر کا مکان نہیں۔ اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگان مدعا علیہ کے وقت سے وہی راہ عورتوں کی آمد و رفت کے لئے ہے۔ چونکہ میرا خیال یہ تھا کہ دونوں فریق میں تصفیہ برضا مندی و صلح یا بھی ہو جاتا تو بہتر تھا کہ کسی فریق کے خلاف فیصلہ ہوتا۔ ہذا میں نے مدعا علیہ سے کہا کہ اس قدیمی راہ کو برقرار رکھئے۔ نئی کھڑکی کو جو ابھی نامرتب ہے، اس میں زینہ بنانے کی حاجت ہے، بند کر دیجئے کہ نزاع جاتی رہے۔ اس کی نسبت مدعا علیہ نے عذر کیا کہ وہ دوسرے مکان سے راہ ہے۔ اس سے ہم کو نفع نہیں۔ ہذا مگر یہ عذر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنی والدہ کے مکان کو جو..... کی قرینی رشتہ دار ہیں اور گویا سب ایک ہی ہیں، غیر کا مکان کیوں قرار دیا۔ کھڑکی جدید جس چھت پر ہے، اس کے نیچے کے مکان مدعا علیہ میں اسی

کھڑکی کے محاذات میں ایک الماری ہے جس میں کواڑ، چو کھٹ سب کچھ موجود ہے۔ چنانچہ نزع نزع بطور صلح یا بھی یہ تجویز کیا گیا کہ بجائے اس کھڑکی کے الماری کھڑکی بنا دی جائے۔ جو غرض کھڑکی کی بیان مدعا علیہ سے ظاہر ہے، وہ اس سے ساتھ اس آسانی کے حاصل ہوگی کہ زینہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ مگر اس کو بھی مدعا علیہ نے منظور نہیں کیا اور کوئی معقول وجہ بھی اس کی نامظوری کی بیان نہ کر سکے۔ چنانچہ اس کے بعد مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا کہ جیسی کھڑکی متنازع فیہ ہے، ویسی ہی ایک کھڑکی۔۔۔ کے گھر سے مدعی کے مکان میں جانے کے لئے ہے اور میری لڑکیاں۔۔۔ کے یہاں آتی ہیں پس جیسا کہ اندیشہ مدعی کو میری چھت کی کھڑکی سے اپنے یہاں کی عورتوں کی بے پردگی کا ہے، مجھے بھی اندیشہ اس کھڑکی سے ہے۔ مدعی اس کھڑکی کو بند کروں تو مجھے بھی اپنی کھڑکی جدید بنانے میں عذر نہ ہوگا۔ میں نے اس کی نسبت مدعی پر زور دیا کہ وہ کھڑکی اپنی طرف بند کروں تب مدعی اس شرط پر اس کے بند کرنے پر راضی ہوئے کہ۔۔۔ تین بھائی ہیں اور تینوں میں یہ مکان مشترک ہے۔ لہذا اگر تینوں صاحب حلقہ بیان کریں کہ جیسا کہ مجھے ٹی کھڑکی سے تکلیف و اندیشہ ہے بے پردگی ہے، ویسی ہی تکلیف ان لوگوں کو بھی اس کھڑکی سے پہنچتی ہو یا اب تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو گو اس کھڑکی اور اس کھڑکی میں قدیم و جدید، مسلم و مقبول، نامسلم و نامنظور ہونے کا فرق ہے تاہم ہم کو بند کرنے میں عذر نہ ہوگا، ابھی ہم بند کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس پر۔۔۔ نے اظہار تکلیف و اندیشہ بے پردگی و خزان مدعا علیہ کیا۔ پر ان کے دونوں بھائی۔۔۔ اور نے یکمال کشادہ پیشانی حلقہ کہا کہ آج تک کوئی تکلیف یا بے پردگی ہوئی ہے، نہ آئندہ کو ایسا اندیشہ ہے۔ اس قسم کی بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ پر کوئی وجہ و ضرورت معقول نئی کھڑکی کے بننے کی اور اس سے بے پردگی زنا نہ مکان مدعی کے نہیں ہونے کی صورت مدعا علیہ بیان نہ کر سکے اور مدعی نے اپنے زنا نہ مکان کی بے پردگی دکھلایا اور اس کی نسبت آئندہ کے لئے بھی اندیشہ معقول طریق سے بیان کیا اور خود بیان حلقہ مدعا علیہ سے اس اندیشہ کو مدعا علیہ کے سامنے ثابت کر دیا۔ سو راجح دیوار کے بند کرنے میں مدعا کو عذر نہیں بلکہ ایک طرف سے اس کو بند بھی کر دیا ہے۔ دیوار کے بلند کرنے میں کہ جس سے بے پردگی زنا نہ مکان مدعی کی بصورت کھڑے ہونے کسی مرد کے چھت پر متصل دیوار جاتی رہے۔ مدعا علیہ کو دو عذر ہوا: ایک یہ کہ اس دیوار سے متعلق ایک موری ہے جس سے موقع بلند کرنے اور دیوار پر زیادہ بار ڈالنے کا نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ اور طرف کی دیوار بھی بلند کرنی پڑے گی جس سے ہوا کا رکاوٹ ہو جائے گا۔ چنانچہ اتفاق وقت سے ایک واقف کار حال و قواعد تعمیر عمارت بھی اس وقت اس جگہ موجود تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ بغور دیکھئے کہ دیوار بلند ہو سکتی ہے یا بلند کرنے میں دیوار کے اندیشہ نقصان دیوار یا موری کا ہے؟۔ انہوں نے بغور دونوں جانب دیوار کے ملاحظہ کر کے کہا کہ کوئی نقصان کسی طرح کا نہیں ہو سکتا ہے۔ دوسرا عذر مدعا علیہ کا بھی قابل توجہ معلوم نہیں ہوا۔ اس لئے کہ اولاً ایک جانب کی دیوار ذرا بلند ہونے سے ہر جانب کی دیوار اس کے برابر ہونا، ایسا ضرور امر نہیں ہے جیسی ضرورت بوجہ نزاع ضرر بمسایہ ایک طرف کی دیوار بلند کرنے میں ہے۔ ثانیاً اور طرف کی دیوار بلند کرنے میں بھی ہوا کا رکاوٹ و وسیع رہنے صحن کے نہیں ہو سکتا۔ ہر مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تاویح اپنے بہت کوشش کی کہ صلح و رضامندی فریقین سے ثالثی کا فیصلہ کروں پر

مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ تا چار مجھے خیال صلح کے فکر سے قطع نظر کر کے ہر عذر وانشوکا فیصلہ کرنا پڑا۔ اس لئے میں نے کتب معتبرہ فقہ حنفیہ کی طرف رجوع کیا جس کے پابند فریقین اور خود ضعیف بھی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ عموماً ہر ایسی کارروائی سے انسان روکا جائے گا جس سے ضرورتیں ہمسایہ کو پہنچے اور سوراخ دروازہ سے بے پردگی ہونے کی صورت میں سوراخ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ علیٰ ہذا چھت پر چڑھنے سے بصورت بے پردگی زمان ہمسایہ کے تا حصول صورت پر وہ منع کیا جائے گا۔ ان سب امور کی صراحت کتب فقہیہ حنفیہ میں موجود ہے۔ ان میں سے بعض عبارات اس مقام پر نقل کی جاتی ہیں۔

درمقار چھاپہ فکرتہ کے ص ۳۹۹ میں مندرجہ عبارت ہے: "أشترى داراً ودفع وتاذى حيرانه ان على الدوام

يمنع وعلى التدرة يتحمل۔"

اس کی شرح میں ردالمحتار چھاپہ مصر جلد چہارم کے ص ۳۳۱ میں لکھا ہے: "قال قسى جامع الفصولین:

والقياس فى جنس هذه المسائل ان من تصرف فى حاله ملكه لا يمنع ولو اضر بغيره لكن ترك القياس فى محل يتضرر لغيره ضرراً يئساً قيل وبه اخذ كثير من المشايخ وعليه الفتوى اور۔"

فتاویٰ خیر جلد ثانی چھاپہ مصر کے ص ۲۰۲ میں ہے: "(مسئل) فى الحار يريد فتح كوة على حاره وفى ذلك

اضلاع على عوراته وحريمه او بناء غرفة او حائط على جدار مشترك بينهما هل يمنع من ذلك ام لا (اجاب) اما مسألة فتح الكوة ففيها استحسان وقياس والاستحسان المنع وعليه الفتوى كما نقله فى التتار حانية قبل مسألة الكوة بقليل۔ والحاصل فى هذه المسئلة واحتاسها ان القياس كل من تصرف فى حاله ملكه لا يمنع فى الحكم وان كان يودى الى الحاق الضرر بالغير لكن ترك القياس فى مواضع بتعدى ضرر تصرفه الى غيره ضرراً يئساً وقيل بالمنع مطلقاً وبه اخذ كثير من مشايخنا وعليه الفتوى انتهى۔" ومثله فى فصول العمادى وكثير من الكتب انتهى بقدر الضرورة۔

فتح فتاوى حامد جلد ثانی چھاپہ مصر کے ص ۲۶۵ میں ہے: "(مسئل) فيما اذا كان كل من جارين سطح

بيت فى داره مساو سطح الآخر وضار الا ان احدهم يصعد الى سطحه واذا بعد يقع بصره فى دار حاره على

حريمه ويريد الحار منعه من الصعود حتى يتخذ سترة فهل للحار ذلك (الجواب) نعم انتهى بقدر الحاجة۔"

مطابق حکم شرعی وضمن عبارت مذکورہ کتب معتبرہ حنفیہ وموافق رسم ورواج شرفا شیر کے فیصلہ ہر عذر وانشوکا

حسب تفصیل ذیل ہے:

(۱) عذر کھڑکی کھڑکی بند کر دی جائے۔ (۲) متعلق سوراخ دیوار کھڑکی مستحکم طور پر بند کر دیا جائے۔ (۳) متعلق

بستی دیوار دوم دیوار اس قدر بلند کر دی جائے کہ اگر کوئی مرد متصل دیوار یا اس چھت پر کہیں کھڑا ہو تو بے پردگی زمانہ مکان بدی

کی نہیں ہو۔ (۴) کوٹھری متنازع فیہ کے چھت پر تا حصول صورت پردہ چڑھنے کی ممانعت۔ (۵) آئندہ کے لئے مدعا علیہ کو

خیال رکھنا چاہئے۔ گاہے ایسی کارروائی عمل مدعا علیہ نہ کریں جس سے کسی طرح بے پردگی مکان بدی کی مشہور ہو۔ (نقل

(مخطوط) تاریخ ۳۰ مئی ۱۹۱۸ء

(۱) فیصلہ ثالثی ملاحظہ ہوا۔ اس فیصلہ کو شروع سے آخر تک پڑھنے والا آپسانی اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ ہوشیار مجوز نے کسی خاص اثر سے متاثر ہو کر محض ایک طرف فیصلہ دیا ہے۔ اگر یہ فیصلہ ایسے شخص کا نہ ہوتا جو عالم مشہور ہے تو کسی طرح یہ کہنا ناجائز نہ ہوتا کہ ہوشیار مجوز نے ایسا مہمل فیصلہ دیا ہے جو کسی طرح نہ قواعد شرعیہ پر تحیک اترتا ہے نہ قواعد عقلیہ پر نہ عرف و روایات رسمہ پر۔

(۲) ظاہر ہے کہ ثالث کوئی نفس کوئی ولایت شرعیہ نہیں۔ محض فریقین کے رضاء و قبول کی وجہ سے اس کا حکم ان لوگوں پر نافذ ہوتا ہے۔ اسی لئے قبل حکم فریقین میں ہر شخص کو رجوع کا حق حاصل ہے۔ ہدایہ جلد سوم ص ۱۳۳ میں ہے:

”ولسکل واحد من المحکمین ان يرجع مالم يحکم علیہما لانه مقلد من حجتہما فلا يحکم الا برضا ہما جمیعاً۔“

اور فریقین میں سے جو شخص چاہے ثالثی کو قبل حکم توڑ سکتا ہے۔

در مختار جلد ۲ باب التحکیم ص ۳۶۳ میں ہے: ”وبنفرد احدہما بقتضی التحدیک بعد وقوعہ۔“ بعد نقض و رجوع ثالث جو کچھ فیصلہ کرے گا محض باطل و نامقبول ہوگا۔

جامع الرموز ص ۵۹۱ میں ہے: ”ولسکل متہما ای الخصمین (ان يرجع) عن التحدیک (فیل حکمہ علیہما فالعزل غیر محتاج الی الاتفاق بخلاف التحدیک ولذا لو حکم بعدہ لم یبطل۔“

جیسا کہ ڈی علم مجوز سے بھی پوشیدہ نہ ہوگا باوجود اس کے جب ۲۸ مئی روز سہ شنبہ کو وقت ملاحظہ رفتار و گفتار، اقوال و افعال سے مدعا علیہ کو شبہ ہوا اور اس نے سمجھ لیا کہ اب فیصلہ بروئے انصاف ناممکن ہے اور وہی ہوا جو اس نے خیال کیا تھا تو اس وقت اس نے اپنے بچا کو بھیج کر منع کر دیا کہ آپ تکلیف فیصلہ نہ فرمائیں، یہ مقدمہ کچھری جا کر فیصلہ ہوگا۔ جس پر ان کے مشیر و وزیر بابتدیر نے بھی کہا کہ مولانا اٹھائیے بیٹھے، آپ کہاں اس بلا میں پڑتے ہیں؟ پھر اس خیال سے کہ شاید ایک آدمی کا بیان کافی نہ ہو بعد مغرب تکمیل عدد کر کے بھیجا مگر مجوز صاحب نے دوسرے کا عذر فرمایا، ملاقات نہ کی اور صبح کے وقت بلایا۔ صبح کو جب یہ دونوں پہونچے تو قبل اطلاع ایک لڑکے سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب کیا کر رہے ہیں؟ معلوم ہوا کہ چند کتا ہیں ان کے سامنے ہیں، کچھ لکھ رہے ہیں۔ جب ان لوگوں نے اطلاع کرائی تو پھر وہی رات والا جواب آیا کہ غایت درد سر کی وجہ سے پریشان ہیں، باہر نہیں آسکتے۔ کہہ گیا کہ ذرا پردہ کرا دیا جائے کہ خود ہم دونوں حاضر ہو کر ایک بات کہہ دیں مگر یہ بھی مقبول نہ ہوا۔ مانا کہ ایک دو شخص کی زبانی ممانعت کچھری کے ذریعہ ثالثی کے مقابل با وقعت نہ ہو مگر ایک مسلمان خصوصاً عالم کے لئے اتباع احکام شرعیہ مقدم ہے۔ وہ بھی ایسی صورت میں کہ کچھری سے قبول ثالثی پر جبر نہیں اور شرعاً بعد فتح حکیم حکم ناجائز۔

(۳) بجز چند مسائل کے جن میں مسئلہ دائرہ نہیں، بالعموم ثالث مثل قاضی ہے۔

رد المحتار جلد ۳ ص ۳۶۲ میں ہے: ”الحکم کما القاضی۔“
اور قاضی یا ثالث کے پاس مسئلہ اسی لئے بھیجی جاتی ہے کہ عرضی دعویٰ و بیان تحریری و دیگر ضروری مفید باتیں اس سے اخذ کر سکے جس بنا پر اسے فیصلہ دینا ہوگا۔ اسی لئے قاضی کو اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے۔

الاشباہ والنظائر ص ۳۱۷ میں ہے: ”الفتویٰ علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا کما فی جامع الفصولین۔“

علامہ کرام نے مفتی اور قاضی میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ مفتی کو چاہئے کہ اپنے علم و دیانت کے مطابق فتویٰ دے اور قاضی پر واجب ہے کہ رواد و مقدمہ کی بنا پر فیصلہ فرمائے۔

بزاز یہ پھر رد مختار جلد ۴ ص ۳۱۸ میں ہے: ”المفتی یفتی بالدیانۃ والقاضی یقضی بالظاہر۔“
مگر اس فیصلہ ثالثی میں شروع سے آخر تک کسی جگہ بھی مسئلہ سے کام نہ لیا گیا۔ ہاں ایک جگہ بیان حلفی مدعا علیہ نمبر ۵ کا تذکرہ اس لئے آیا ہے کہ اس سے مدعا علیہ کے اقوال میں تعارض ثابت کیا جائے مگر وہ بھی بے لوث رہا کہ تناقض کے لئے ہشت وحدات کی ضرورت ہے جس کا بیان عنقریب آتا ہے۔

(۳) تحکیم کے الفاظ اگرچہ ظاہر اعم ہوتے ہیں کہ یہ جو کچھ فیصلہ دیں گے، قبول ہے۔ مگر اہل عقل پر پوشیدہ نہیں کہ ثالث شرعاً شتر ہے مہار نہیں کہ قلم اٹھا کر آم املی جو کچھ چاہے لکھ دے۔ بلکہ اس کو حجت و دلیل کے موافق فیصلہ دینا چاہئے ورنہ وہ نافذ نہ ہوگا۔

رد مختار جلد ۴ ص ۳۶۳ میں ہے: ”حکما رجلا فحکم ینتھما بینہما او اقرار او نکول ورضیا بحکمہ صحیح لو فی غیر حد و قود و دینۃ علی عاقلہ۔“

بحر الرائق جلد ۲ ص ۲۸ میں ہے: ”وشرط ان یکون حکمہ بحجة من الثلاث لیوافق حکم الشرع والا یقع باطلا و ظاہرہ انہ لا یحکم بعلمہ ولم ارہ صریحا۔“

الاشباہ والنظائر ص ۳۶۰ میں ہے: ”الحجة بینة عادلة او اقرار او نکول عن یمین او یمین او قسامة او علم القاضی بعد تولیته او قرینة قاطعة وقد اوضحنا فی الشرح من الدعوی الا ان الفتویٰ علی قول محمد المرجوع الیه انہ لا اعتبار بعلم القاضی و فی جامع الفصولین و علیہ الفتویٰ و علیہ مشایخنا کما فی البزازیة من المسائل المعتمدة من الدعوی۔“

علامہ کرام نے تصریح فرمائی کہ ارکان قضاچہ ہیں یعنی اگر ان میں ایک بھی ساقط ہوگا تو وہ قضاء قضا نہ بھیجے گی۔

رد مختار جلد ۴ ص ۳۰۹ میں ہے: ”و لراکائہ متہ علی ما نظمہ ابن الفرس بقولہ۔“

اطراف کل قضیۃ حکمیۃ مست بلوچ بعدھا التحقیق
حکم و محکوم بہ ولہ و محکوم علیہ و حاکم و طریق

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "قوله وطريق، طريق القاضی الی الحكم یختلف بحسب اختلاف المحکوم به والطریق فیما یرجع الی حقوق العباد المحطیة عبارة عن الدعوی والحجة وهی اما البیة او الاقرار او الیسین عنه الخ"

اور ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ محض بے جھٹ ہے تو اسے فیصلہ کہنا اور سمجھنا ایک فرضی بات ہے ورنہ ایک ردی کاغذ ہے جو مدعی کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔

(۵) یہ سب اس صورت میں ہے کہ حکیم صحیح ہو اور ثالث شرعاً بھی ثالث ٹھہرے، ورنہ یہاں تو سرے سے فیصلہ کنندہ شرعاً ثالث ہی نہیں۔ اس لئے کہ ثالثی کے لئے قبول ثالث ضروری ہے ورنہ اس کا حکم دینا جائز نہ ہوگا۔

بحر الرائق جلد ۷ ص ۲۷ میں ہے: "ورکنه اللفظ الدال علیه مع قبول الآخر قلوب حکماء وحلا قلم یقبل لا یحوز حکمه الا بتجدید التحکیم کذا فی المحيط"

رد المحتار جلد ۴ ص ۳۶۲ میں ہے: "(قوله ورکنه) ای رکن التحکیم لفظه الدال علیه ای اللفظ الدال علی التحکیم کاحکام بیننا او جعلناک حکماً او حکمتناک فی کذا فلیس المراد خصوص لفظ التحکیم (قوله مع قبول الآخر) ای المحکوم بالفتح فلو لم یقبل لا یحوز حکمه الا بتجدید التحکیم بحر عن المحيط"

ثالث صاحب کا دستخطی خط جو شیخ پرہ ضلع مونگیر سے ۲ شعبان ۱۳۳۶ء کو لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں: "آپ لوگوں کے تعمیل امر میں مجھے عذر نہیں ہے لیکن بعد یاد دلانے اس امر کے کہ جامع مسجد میں آپ اور جناب اچھے میاں صاحب نے میری ثالثی کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا، اولاً میں نے تامل و عذر کیا تھا۔ من بعد اس شرط پر منظور کرتے کے متعلق سکوت کیا تھا کہ کوئی اور ایک صاحب واقف کار جو اندرونی حالات اختلاف و وجہ نزاع سے آگاہ ہوں، میرے شامل کئے جائیں۔"

اس سے صاف ظاہر کہ ثالث صاحب نے قبول اس شرط کے ساتھ شرط کیا کہ ایک واقف کار شامل کئے جائیں اور ظاہر ہے کہ کوئی واقف کار شامل نہ کیا گیا تو بحکم اذافات الشرط فانت المشروط قبول تحکیم فوت ہوا، جس سے عدم ثبوت تحکیم و ثالثی بھی واضح ہے۔

(۶) بفرض ثبوت تحکیم اگر رواد مقدمہ سے منھ موڑ کر صرف اسی وقت کی باتوں پر فیصلہ کا ارادہ تھا تو نظر بحال زمانہ لوگوں کے بیانات قلمبند کرنا ثالث صاحب کا فرض منہی تھا تا کہ وقت فیصلہ ان لوگوں کے واقعی بیانات پیش نظر رہتے۔ مگر ایسا نہ ہوا بلکہ مجوز صاحب نے بیانات سن کر صرف اپنی یا پر بھروسہ کیا اور تین دن کے بعد فیصلہ دیا، جس کا لازمی نتیجہ جو ہوتا تھا وہ ہوا کہ بہت سی باتیں خیال سے جاتی رہیں، بعض باتیں الٹ پلٹ فیصلہ میں درج ہیں، بعض باتیں مع حواشی و زوائد ہیں۔

فتاویٰ فقیرانہ قاضی خان جلد ۳ ص ۴۷ میں ہے: "واذا ادعی المدعی شیئاً علی المدعی علیہ ینکتب القاضی علی بیاض صورة الدعوی ثم یقول للمدعی علیہ ماذا تقول فان اقر بما ادعاه المدعی اثبت"

اقرارہ فی کتابہ و یا امر المدعی علیہ بإبقاء الحق وان انکر یکتب انکارہ فی ذلك ثم یامر المدعی بإقامة البیة وهذا كان فی عرفهم اما فی عرفنا المدعی یحییء الی کتاب القاضی فیحبرہ بکیفیة دعواه ویصور عنده صورة الدعوی فیکتب الی کتاب ذلك ثم یحییء الی القاضی مع خصمه ویدعی علیہ فان اقر خصمه اتبست القاضی اقرارہ فی الكتاب و یامره بقضاء الحق وان انکر امر المدعی بإقامة البیة فان جاء المدعی بشهود فشهدوا عنده علی الترتیب یکتب القاضی شهادة کل شاهد و یکتب اسمه واسم ابیه و جدہ۔

”یعنی زمانہ سلف میں قضا کا یہ دستور تھا کہ جب مدعی کسی امر کا مدعا علیہ پر دعویٰ کرتا، قاضی ایک سادہ کاغذ پر اس دعویٰ کو لکھتا پھر مدعا علیہ سے پوچھتا کہ تم کیا کہتے ہو؟ اگر وہ دعویٰ کا اقرار کرتا، اس کے اقرار کو اپنی کتاب میں لکھ لیتا اور مدعی کو ڈگری دیتا اور مدعا علیہ کو ایفاء حق کا حکم کرتا اور اگر مدعا علیہ انکار کرتا تو قاضی اس کے انکار کو بھی لکھ لیتا پھر مدعی کو گواہ لانے کے لئے کہتا اور ہمارے زمانہ میں یہ طریقہ ہے کہ مدعی پیشکار کے پاس جا کر اپنا دعویٰ بیان کرتا، پیشکار اسے لکھتا پھر مدعی مع مدعا علیہ قاضی کے پاس آتا اور اس پر دعویٰ کرتا تو اگر مدعا علیہ اقرار کرتا، قاضی اس کے اقرار کو درج کتاب کر کے قضا حق کا حکم دیتا اور اگر مدعا علیہ مدعی کے دعویٰ کا انکار کرتا تو قاضی مدعی کو حکم دیتا کہ گواہ پیش کرے۔ اگر مدعی گواہوں کو لاتا جو ترتیب وار گواہی دیتے۔ قاضی ہر شخص کی گواہی لکھتا اور ہر گواہ کا نام مع اس کے باپ اور دادا کے لکھتا۔“

تو صورت واقعہ میں جب کہ ذی علم ثالث نے مسل سے کام نہ لیا یا اس کے انگریزی اور ہندی ہونے کے سبب اس کے سمجھ سے قاصر تھے اور ترجمہ کرانے کی زحمت بھی گوارا نہ کی اور ان سب تحریرات کو سکاں لم نکلن جانا تو اب اپنے اسلامی قاعدہ پر رد و مقدمہ کو بنانا چاہئے تھا۔ یعنی پہلے مدعی کا دعویٰ دریافت کر کے اس کو قلمبند کرنا تھا بعد ازاں مدعا علیہ سے دریافت کرنا تھا۔ اگر وہ اقرار کرتا اس بنا پر فیصلہ دیتے اور جب اسے انکار تھا تو مدعی سے اصل دعویٰ پر گواہان طلب کرنا تھا اور ان لوگوں کی گواہی مع نام ہر گواہ و انیت وغیرہ لکھنا تھا تا کہ فیصلہ مطابق اصول شریعت مطہرہ ہوتا۔

(۷) مدعی کا دعویٰ دفع ضرر بے پردگی ہے۔ اس ضرر کے تین سبب اس نے بیان کئے۔ ایک جدید کھڑکی، دوسرے کھڑکی کے اوپر سوراخ، تیسرے اس دیوار کا جس میں یہ کھڑکی لگائی گئی ہے، پست ہونا۔ ہمارے ائمہ کرام کے اصل مذہب میں تو یہ دعویٰ سرے سے نامعلوم ہے اور استحسان متاخرین پر اس وقت قابل سماعت ہے کہ ضرر من کل الوجوہ جانب مدعا علیہ سے ہو کہ اس کے دفع کی تدبیر مدعی کے ہاتھ میں نہ ہو ورنہ خود اپنا ضرر دفع کرنے پر قدرت رکھتے ہوئے دوسرے کی گلو گیری باطل ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔ اس قول اخیر پر کہ دعویٰ سننے کے قابل تھا قواعد شرع و عقل کے مطابق مدعا علیہ سے اس کے متعلق دریافت کرنا تھا۔ مدعا علیہ اگر اقرار کرتا کہ واقعی ضرر بے پردگی ہے، جس کا چارہ مدعی کے پاس کوئی نہیں تھا اسے اس سے منع کرنا تھا اور اگر مدعا علیہ انکار کرتا مدعی سے گواہان طلب کرتا تھا۔ مگر اس کے بالکل خلاف مسائل شرعیہ سے بے ہول یا تنجابل کی وجہ سے پاؤں کی جگہ سر سے چلنا پڑا کہ اصل کو باعث و منشا سمجھا اور باعث و منشا کو اصل قرار دے کر تجویز میں لکھا:

”فریقین کے بیان سننے اور مقام متنازع فیہ کے ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ مدعی کو تین امر کا عذر ہے۔ ایک جدید کھڑکی کا، دوسری کھڑکی کے کواڑ کے اوپر کی دیوار میں سوراخ رہنے کا، تیسرے دیوار جس میں کھڑکی ہے اس کے پست ہونے کا، اور تینوں عذر کا مشابہت باعث خیال ہے پر وہی زنا نہ مکان مدعی ہے۔“

(۸) ”مدعی نے علاوہ ان تین عذروں کے یہ بھی بیان کیا کہ ان تینوں کی کوئی حاجت و ضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابل اعتبار ہو۔“ ضرورت مند آدمی اپنے غرض کا پاؤں ہوتا ہے۔ عربی میں ضرب القتل ہے اصل الغرض محض مدعی نے اگر ایسی بے علاقہ فضول بات کہی تو کیا الزام کہ وہ نہ مسائل شرعیہ کا عالم ہے نہ مطابق شرع دعویٰ کرتے بیٹھا ہے۔ اس کا نصب العین حصول مقصد ہے۔ جس جس طرح ممکن ہو، ادنیٰ ادنیٰ بات جسے اپنے لئے مفید خیال کرے، پیش کرنے پر جملہ مجبور ہے کہ الغرض بقدر شہت بکمل حشیش مگر تعجب اور لبسا تعجب ذی علم مجوز سے ہے کہ انھوں نے اس بے تعلق بات کو نہ صرف مفید ہی سمجھا بلکہ فیصلہ کا مدار اسی کو قرار دیا کہ فرماتے ہیں:

”بعد سننے اس بیان مدعی کے مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کی گئی۔ اس کے جواب میں مدعا علیہ نے بیان کیا کہ بگو میاں میرے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ ان کے یہاں کی عورتوں کے آدھورفت کے لئے یہ کھڑکی بنائی گئی ہے۔“ اس جگہ ذی علم مجوز کا کام تھا کہ مدعی کو روکتے اور کہتے کہ یہ عذر سرے سے لغو ہے۔

اولاً اس لئے کہ کسی شخص پر ضرور نہیں کہ صرف بقدر ضرورت و حاجت اپنی ملک سے انقار کرے اور دوسروں کی نفسانیت و خود غرضی کو مقدم رکھے اور مدعی کو سمجھانا تھا کہ شرعاً اشیاء سے انقار کے پانچ مرتبے ہیں۔ ضرورت حاجت منفعت زینت فضول۔ مثلاً ضرورت وہ ہے کہ بغیر اس کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ قوی ہو۔ یہ وہ صورت ہے جس میں مرد وارتک کھانا جائز رکھا گیا ہے۔ حاجت وہ ہے کہ بغیر اس کے ہلاک تو نہ ہوگا مگر معتد بہ مشقت و تکلیف ہوگی۔ یہ وہ صورت ہے کہ اس میں روزہ قضا کرنا درست ہے۔ منفعت وہ ہے کہ بغیر اس کے نہ ہلاک ہوگا، نہ مشقت مگر تحصیل نفع ہے مثلاً گیہوں کی روٹی، بکری کا گوشت۔ زینت کہ محض لذت و تجمل مقصود ہو جیسے باقر خانی، پراٹھا، خضی کا قورمہ کھانا، عمدہ دریوں، نفیس چاندنیوں، بہترین قالینوں، اچھے گاؤں کیوں، شیشہ و آلات سے مکان کو سجانا وغیرہ۔ فضول مال حرام یا مشتبہ سے وسعت کرنا۔

حموی شرح اشباہ صفحہ ۱۰۸ میں ہے: ”فی الفتح ہینا خمسة مراتب ضرورة وحاجة ومنفعة وزينة وفضول فالضرورة بلوغه حدا ان لم يتناول الممنوع هلك اوقارب وهذا يبيح تناول الحرام والحاجة كالحائض الذي لو لم يجد ما ياكله لم يهلك غير انه يكون في جهد ومشقة وهذا لا يبيح الحرام ويبح الفطر في الصوم والمنفعة كالدی يشتهي خبز البر ولحم النعم والطعام الدسم والزينة كالمشتبه بحلوی والسكر والفضول التوسع باكل الحرام والشبهة“

توجب شرعاً یا عقلاً کسی شخص پر برگز ضرر نہیں کہ دوسرے کی خاطر صرف ضرورت یا حاجت پر اکتفا کرے اور اپنی

منفعت وزینت کو ترک کرنے پر مجبور کیا جائے۔ احکم الحاکمین عز جلالہ فرماتا ہے: "قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ" (الاعراف: ۳۲) "تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی زینت اور اس کی پاکیزہ دی ہوئی چیزیں" (سائل) تو ایسی بات کو درمیان میں لانا محض فضول ہی فضول تھا۔

ثانیاً خصوصاً جب کہ مدعی کو خود اقرار ہے کہ اس کی مدعا علیہ کو حاجت ہے مگر میرے ضرر کے مقابل کم ہے۔ اگرچہ مرتبہ ایثارِ اعلیٰ مرتبہ ہے مگر وہ مقدمہ دائر کر کے نہیں حاصل کیا جاتا۔ اگر اس پر فیصلہ یا فتویٰ دیا جائے تو جملہ اہل نعم کو قدر ضرورت و حاجت کے سوا بقیہ نعمتوں سے دست برداری دینی ہوگی۔ اس لئے کہ اگرچہ ایک شخص کو ادب نماز اور اپنی وضع و بیات کے استحقاق کو کرتے کے اوپر انگریز کے یا چادر اور ٹوپی پر عمامے کی حاجت ہے، مگر ایک غریب آدمی کا ضرر سردی و بے ستری کے مقابل کم ہے۔ یا کسی کھاتے پیتے شخص کو اگرچہ بارش وغیرہ سے تحفظ کے لئے پختہ مکان کی حاجت ہے مگر اس مسکین کی ضرورت سے کم ہے جس کے چھپر پر پھونس نہیں۔ تو کوئی یہ توقف ضرورت مند اس قسم کا دعویٰ دائر کر سکتا ہے اور کیا کوئی عقل سے دور مجوز اس دعویٰ کو سن کر اس منہم سے انگریز کے اور چادر اور عمامے اور پختہ مکان کی ضرورت کا سوال کر سکتا ہے۔ نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔

ثالثاً وہ تین باتیں جس کے متعلق مدعی کا بیان ہے کہ اس کی کوئی حاجت و ضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابل اعتبار ہو، دیوار میں کھڑکی لگانا، کھڑکی کے اوپر دیوار میں سوراخ رہنے دینا، دیوار کا پست ہونا ہے۔ انہیں تینوں کے ضرورت نا قابل اعتبار ہونے کو مدعی نے بیان کیا اور ذی علم مجوز نے تسلیم کیا۔ حالانکہ امر سوم یعنی دیوار پست ہونے کے متعلق یہ بات کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اس لئے کہ اس دیوار اٹھانے کا سبب خود مدعی نے بیان کیا کہ چونکہ میرے مکان سے مدعا علیہ کا مکان بے پردہ ہوتا تھا، اس بے پردگی کو دفع کرنے کو مدعا علیہ نے یہ دیوار اٹھائی ہے۔ ظاہر ہے کہ بے پردگی محاذات سے ہوتی ہے اور اس کا دفع اس کے اندر اس سے اور محاذات جانیبن سے ہے تو اس کا اندر بھی اگر ہوگا، جانیبن سے ہو جائے گا۔ زید و عمرو کے مکانوں میں باہم بے پردگی تھی کہ ایک دوسرے کے محاذی تھے۔ ایک دیوار بنائی گئی جس نے مکان عمرو کو محاذی مکان زید نہ رکھا۔ لیکن مکان زید اب بھی محاذی مکان عمرو ہے۔ یہ ایک ہاتھ کی تالی کیسی؟

فصول عمادی سے آتا ہے: "انہ ان کان یقع بصرہ علیہم فی السطح یقع بصرہم علیہ ایضاً فی السطح۔" تو ظاہر ہوا کہ دعویٰ باقرار مدعی باطل و مدفوع اور الزام محض ہوا، منشور۔ یوں ہی امر دوم یعنی اس دیوار میں کھڑکی سے اوپر سوراخوں کا ہونا اور اس کی ضرورت نا قابل اعتبار ہونے کا ادعا اور اس کی وجہ سے بے پردگی کا الزام، اس نے بھی اسی طرح صاف کھول دیا کہ اصل منشاء مقدمہ، محض نفسانیت ہے اور بے پردگی کا دعویٰ محض لفظ جس کے نیچے معنی نہیں۔ اس لئے کہ دیوار کے سوراخوں کی تین شکلیں ہوتی ہیں اول وہ سوراخ کہ اندرونی و بیرونی دونوں جانب سے ایک سطح میں ہو جیسے یہ سب سوراخ ہیں۔ دوم وہ کہ بیرونی جانب اندرونی سے بلند ہو جیسے اکثر شعاع دانوں میں ہوتا ہے۔ سوم بیرونی سطح

اندرونی سے پست ہو جیسے قلعے کے روزن، تو پہلی صورت میں جب کہ سورخ چھوٹے چھوٹے ہوں نگاہ سیدھی بخط مستقیم جائے گی۔ یعنی جتنی بلندی رائی (دیکھنے والے) کی آنکھ کی ہوگی، خطوط شعاعی بھی اتنی ہی بلند اپنے نہایت مسافت تک جائیں گے۔ اور شکل دوم میں جس قدر خط شعاعی دور جائے گا، سطح بصر سے بلند و بالا ہوتا جائے گا اور شکل سوم میں اس کے برعکس، جس قدر دور ہوگا اسی قدر پست ہوتا ہوا زمین تک پہنچ جائے گا۔ اور دیوار اس کے سوراخوں کے دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں کہ وہ سب سورخ مربع ہیں جن کے اضلاع ڈھائی انچ سے زیادہ نہیں اور دیوار کے اندرونی و بیرونی دونوں جانب سے ایک ہی سطح میں ہیں، تو ان سوراخوں سے کسی طرح بے پردگی ممکن ہی نہیں۔ اس لئے کہ ان سوراخوں سے مدئی کے مکان کے اوپر کی ہوا جو اس سے منزلہ کے محاذات میں ہے البتہ دکھائی دے گی۔ اس کے سوا کوئی حصہ مکان کا یا رہنے والا ہرگز نہیں معلوم ہو سکتا تو اس کو بھی معرض نظر قرار دینا، سوا انفسانیت اور تعدی کے کیا کہا جاسکتا ہے۔ غرض امر دوم و سوم محض لغو و بے معنی ہیں۔ ہاں امر اول ایک ایسا امر ہے کہ باوی النظر میں اعتراض کا منشاء اور بے پردگی کا سبب ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

(۹) ذی علم مجوز کا مدعا علیہ سے کھڑکی کی ضرورت کا سوال بھی اسی مسئلہ فقہیہ سے غفلت کی وجہ سے ہوا۔ اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کب حکم دیا کہ جس چیز کی ضرورت ہو، اسی کا کرنا جائز و نہ تارو؟ یہاں تو مدعا علیہ نے ایک دو وجہ بیان بھی کیں در نہ اس کے لئے سب وجہوں سے بڑی وجہ بھی کافی ہے کہ ہم نے اپنے خالص ملک میں تصرف کیا ہے۔ دوسرے کو اس کی ضرورت جبراً دریافت کرنے کا کیا اختیار؟

الاشیاء والنظار ص ۴۳۹ میں ہے: "لہ التصرف فی ملکک وان تاذی بجارہ فی ظاہر الروایۃ"

علامہ ابن الشنہ شرح و ہدایہ میں فرماتے ہیں: "وقتی حفظی عن الثمنا الخمسة ابی حنیفة و ابی یوسف و محمد و زفر و الحسن بن زیاد انه لا یمنع من التصرف فی ملکک وان اضر بجارہ و فی الفتاوی عن استاذنا انه یفتی بقول الامام و هو الذی امیل الیہ و اعتمدہ و افقی بہ تبعاً لوالدی شیخ الاسلام اہ ذکر ہ الحموی فی شرح الاشیاء ص ۴۳۹ و العلامة زین بن نجیم فی البحر الرائق جلد ۷ ص ۳۶ و ارتضاء بالقبول و قال و رجع فی الفتح ایضاً جواب الروایۃ و قال انه ظاہر المذہب"

"یعنی مالک کو اپنے ملک میں کامل تصرف کا اختیار ہے اگرچہ پڑوسی کو اس سے تکلیف پہنچے۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے اور علامہ ابن الشنہ نے فرمایا کہ میری یاد میں ہمارے پانچوں ائمہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ مالک اپنے ملک میں تصرف کرنے سے منع نہ کیا جائے گا اگرچہ اس سے اس کے پڑوسی کو تکلیف پہنچے۔ اور فتاویٰ میں ہمارے استاذ سے ہے کہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا اور یہی وہ قول ہے جس کی طرف میں مائل ہوں اور اس پر اعتقاد کرتا ہوں اور اپنے والد شیخ الاسلام کی جمعیت میں اسی پر فتویٰ دیتا ہوں۔"

تو جب حسب تصریح علامہ مجھے اپنے ملک میں تصرف کا پورا پورا حق ہے اور یہ مسئلہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کیا ائمہ خمسہ کا متفق علیہا ہے تو اس کے متعلق مجھ سے ضرورت کا سوال کس قدر بے معنی اور عقل و شرع سے بعید ہے؟ اگر اس سے کسی کی

بے پردگی ہوتی ہو تو وہ اپنے پردہ کا انتظام کرے۔ علماء کرام نے تو خاص اس کا جزیہ لکھا ہے پھر اس قدر طوالت کیا معنی رکھتی ہے؟

فتح القدیر جلد ۳ ص ۲۰۵ میں ہے: "لو فتح صاحب البناء فی علو بنائہ بایا او کوة لا یلی صاحب الساحة منعه بل له ان یبني ما یستمر جہتہ۔"

"یعنی اگر مکان والے نے اپنے مکان کے حصہ پالائی میں دروازہ یا روشن دان کھولا تو اس کے پردگی کو جس کی زمین اس کے متصل ہے، اپنی بے پردگی کی وجہ سے منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ بلکہ اس کو یہ پہنچتا ہے کہ کوئی دیوار بنالے جو اس کی جانب کا پردہ کرے۔"

کتاب فن میں اس قدر وضاحت کے ساتھ تصریح جزیہ ہونے پر ثالث صاحب کا مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کرنا اور اس بنا پر اصل قضیہ کا وجود کر دینا کس درجہ فقہیت سے بعید ہے۔

(۱۰) ذی علم بخیر کا یہ فرمانا کہ "اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کیا" اس کا منشا اصل سے منہ موڑنا اور بیانات و اظہارات کو قلم بند نہ کرنا ہے۔ مجھے بہ تحقیق معلوم ہوا کہ ۲۷ مئی کو مدعی نے اپنے دو گواہ پیش کئے۔ گواہ نمبر ۱ نے کہا کہ میں نے اوپر جا کر نہیں دیکھا کہ اس کھڑکی سے بے پردگی ہوتی ہے یا نہیں؟ اس پر مدعی نے دریافت کیا کہ آخر آپ نے اس پر کبھی غور کیا کہ اس کھڑکی سے سوائے میری بے پردگی کے کیا فائدہ ہے، کیوں بنوائی گئی ہے؟ گواہ نے کہا کہ ہاں میں نے اس پر غور کیا ہے مگر میرے نزدیک اس کے بنوانے کی غرض آپ کی بے پردگی درست نہیں۔ اس لئے کہ مالک مکان کو بے پردگی مقصود ہوتی تو اسے پچھم طرف دیوار بنوانے اور اس میں کھڑکی لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ سرے سے دیوار ہی نہ بناتا۔ صرف منڈیر رہنے دینے سے یہ مقصد بدرجہ اولیٰ حاصل ہوتا۔ اس پر مدعی نے کہا کہ اس دیوار بنوانے کی وجہ میں بتانا ہوں۔ جب مدعا علیہ نے دو منزلہ پر کوٹھری تعمیر کی تو وہ میرے مکان کے سامنے ہونے کی وجہ سے میرے مکان سے بے پردہ تھی۔ یہاں تک کہ میرے مکان سے اس کوٹھری کی چار پائی تک معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے مدعا علیہ کو اس دیوار کے بنوانے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ دوسرے دن ۲۸ مئی کو وقت معاہدہ جس طرح بخت و اتفاق سے ایک انجینئر یا کم از کم اور میر صاحب موجود تھے۔ جن کے متعلق ذی علم ثالث نے لکھا: "اتفاق وقت سے ایک واقف کار حال و تواضع تعمیر عمارت بھی اس وقت اس جگہ موجود تھے۔" اسی طرح حسب اتفاق دوسرے دن وہ گواہ صاحب بھی موجود تھے جن کو مدعی نے کھڑکی کے قریب کھڑا کر کے اپنے یہاں کی بے پردگی دکھائی اور کل کے تقریر کی تفہیم میں یوں لب کشائی کی کہ دیکھئے یہ کوٹھری میرے اس مکان سے بے پردہ ہوتی تھی۔ اس لئے ان کو اس دیوار کے بنوانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس پر اس گواہ نے کہا کہ واقعی یہ دونوں مکان اس طرح آئے منے سامنے واقع ہوئے ہیں کہ ان کے مکان سے آپ کا مکان بے پردہ ہوتا ہے اور آپ کے مکان سے ان کا۔ تو جس طرح بقول آپ کے، آپ کے مکان سے اپنے مکان کی بے پردگی دفع کرنے کو مدعا علیہ نے اپنی غریبی دیوار اس قدر بلند کر دی ہے جس سے وہ بے پردگی جاتی رہی۔ کیا اچھا ہو کہ آپ بھی اپنے مکان کی ان کے مکان سے بے پردگی دفع کرنے کو اپنی مشرتی دیوار بلند کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی۔ گواہ نمبر ۲ سے

بجب کھڑکی کی ضرورت و فائدہ کا سوال ہوا، اس کے جواب میں کہا کہ سہ منزلہ کی چھت چاروں دیواروں سے گھری ہونے کی وجہ سے وہاں ہوا کی آمد بہت کم ہوگئی تھی۔ اس لئے ہوا آنے کے لئے وہ کھڑکی کھولی گئی ہے تاکہ اس کے ذریعہ آمد و رفت ہوا کی ہو اور وہ مکان رہنے کے قابل ہو۔ ذی علم مجوز کے متعلق یہ خیال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ اظہار و بیان انھیں یاد تھا اور یہ ضرورت ان کے پیش نظر تھی پھر بھی جان بوجھ کر وہ سری ضرورت سے انکار کیا بلکہ یہ ساری خرابی مسل ملاحظہ کرنے کی زحمت گوارا نہ فرمانے اور بیانات کو قلم بند نہ کرنے کی ہے۔ ہاں یہ امر ضرور تعجب خیز و حیرت انگیز ہے کہ باوجودیکہ مدعی نے دو گواہ پیش کئے اور ثالث صاحب نے ان کی گواہیاں سنیں مگر مسل میں اس کا کسی جگہ تذکرہ تک نہیں۔ حالانکہ شرعی حیثیت میں ان لغویات سے، جن سے کئی صفحہ سیاہ کئے گئے ہیں، کہیں زیادہ قیمتی وہ بیانات تھے کہ یہ رکن مقدمہ ہیں۔ بخلاف ان مہمل تجاویز و مشورات لایعنی کے کہ ”بجوئے نمی ارزند“ سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتے۔

(۱۱) ذی علم ثالث کا مدعی کے ایک سوال کے جواب میں مدعا علیہ کا جواب نقل فرمانا کہ ”مدعا علیہ نے کہا کہ یہ مکان ہمارا بھی زمانہ ہے۔ یہاں مردوں کی آمد و رفت نہیں ہوتی ہے جس سے اندیشہ بے پردگی کا ہو“ پھر مدعی کا اعتراض ذکر کرنا کہ ”اس پر مدعی نے نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ کا جو عدالت میں ہوا ہے، مسل سے نکال کر سنایا وہ یہ ہے نمبر ۵ یہ کہ بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت و کوٹھری پر رہتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست و احباب آیا کرتے ہیں“۔ مقصود اس سے مدعا علیہ کے دونوں باتوں میں تعارض و تناقض ثابت کرنا ہے مگر

اولا بیان حلفی نمبر ۵ میں خاص ایک حالت کا تذکرہ ہے کہ مدعا علیہ کی لڑکی بوجہ بیماری ہوا صاف لینے کے لئے چھت اور کوٹھری پر رہتی ہے اور عیادت کرنے والے حضرات اس کی عیادت کو آتے ہیں۔ اہل عقل جانتے ہیں کہ علالت کی حالت، عام حالتوں سے جدا گانہ ہوتی ہے۔ بہت سی باتیں جسے کوئی شریف آدمی کیا گوارا تک ایک لمحہ کے لئے پسند نہیں کر سکتا، علالت کی حالت میں ان سے بدرجہا زائد مجبوراً روا رکھی جاتی ہیں۔ کیا کوئی شریف آدمی اپنے متعلقین کو کسی میدان کے کھلے ہوئے مکان میں رکھنا پسند کر سکتا ہے جہاں نہ پردے کی دیوار ہو نہ کسی شخص کے آنے کی ممانعت۔ دوست دشمن، موافق مخالف، شریف گنوار، معزز بے عزت، چوہڑا پتھار، جو شخص چاہے وہاں جا سکے، کسی کی ممانعت نہیں۔ مگر پھر بھی بہت سے مدعیان شرافت کو پہاڑوں پر قیام کی حاجت اور علالت کی وجہ سے متعلقین کو ایسے میدان میں رکھنے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ تو کیا کسی عقلمند کو زبیا ہے کہ اس ضرورت کی حالت سے استننا کرے اور کہے کہ فلاں شخص کے یہاں پردہ کا رواج نہیں، میں نے اس کے متعلقین کو پہاڑ پر رہتے دیکھا ہے، جہاں بے روک ٹوک ہر شخص جا سکتا ہے۔

ثانیاً مدعا علیہ نے یہ کب کہا کہ اس مکان میں مردوں کا آنا کسی حال، کسی وقت میں ممکن ہی نہیں کہ بیان حلفی نمبر ۵ سے متناقض ہو، کوئی مرد نہیں آتا اور مردوں کی آمد و رفت نہیں ہوتی۔ ”میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ دنیا میں وہ کون سا زمانہ مکان ہے جس میں کبھی کسی عذرو حاجت کے سبب مرد نہیں آتے جاتے۔“

ثالثاً مسل سے جس طرح نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ سن کر فیصلہ میں اس سے کام لیا ہے۔ کاش عرضی دعویٰ و بیان

تحریری بھی سن لیتے تو معلوم ہوتا کہ مدعی کا دعویٰ کیا ہے؟ اور اس کی کیا کیا بلیں ہیں اور مدعا علیہ نے کیا جواب دیا ہے؟ کیا فائدہ اس کٹڑکی کا بیان کیا ہے؟ اس وقت اس بات کے لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ اس کے سوا اور کوئی ضرر مدعا علیہ نے بیان نہیں کی۔ اگر انصاف نصب العین ہوتا تو جس قدر بیانات حلفی فریقین کی طرف سے داخل کئے گئے۔ ان سب کو مع عرضی دعویٰ و بیان تحریری کسی نا طرفدار، دیانتدار شخص سے ترجمہ کرا کر سننا تھا پھر مدعی و مدعا علیہ سے اس تصدیق کرا کے اس سے فیصلہ پر پہنچنا۔

(۱۲) مدعی کا یہ کہنا کہ ”ان مردوں اور مجھ سے ایسا رشتہ نہیں ہے کہ میرے یہاں کی عورتیں ان کے سامنے ہو سکیں۔“ محض غبار دہ ہے اور ذی علم ثالث کا اسے برقرار رکھنا تعجب خیز۔

اولا کتنے مرد ہیں جن سے شرعاً رشتہ سامنے ہونے کا نہیں ہوتا پھر بھی عورتیں ان کے سامنے ہوا کرتی ہیں۔ ثانیاً یہ کس نے کہا کہ جب کوئی شخص مدعا علیہ کی لڑکی کو دیکھنے آئے تو مدعی کی عورتیں اس کے سامنے آئیں۔ مرایضہ کو دیکھنے کے لئے جب کوئی آئے گا، اطلاع کرے گا۔ جب مدعا علیہ کی عورتیں پردہ ہوں، مدعی کی عورتیں بھی اتنی دیر تک پردہ میں رہنے کی زحمت گوارا کریں۔ اس لئے کہ مدعا علیہ کے مکان میں اس کے رشتہ کی کئی عورتیں رہتی ہیں۔ اور ایک یا دو آدمی بھی ایسا نہ نکلے گا کہ وہ سب عورتیں اس کے سامنے ہوتی ہوں۔ تو ضرور ہے کہ ہر شخص کے لئے ایک نہ ایک عورت کو پردہ کے لئے اطلاع کی جائے۔

ثالثاً میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ ضرور تمہارا بچہ غرض کا باولا ہوتا ہے۔ جو رشتہ دار لوگ اس لڑکی کی علالت سے متاثر ہو کر اس کو دیکھنے کے لئے آئیں گے، انھیں لڑکی کی علالت کا خیال دامن گیر ہو گا یا اس وقت انھیں ادھر ادھر تارکے جھانکنے کا خیال پیش نظر ہو گا؟ خصوصاً جانے کی حالت میں تو ان لوگوں کی پیٹھ مدعی کے مکان کی طرف ہوگی اور رخ مریضہ کی کوٹھری کی طرف، جو مکان مدعی اور سیرھی دونوں سے پورب آخر واقع ہے اور آتے وقت عورتیں پردہ میں ہوں گی۔ تو ان عیادت کرنے والوں سے بے پردگی کا دعویٰ محض تصنع ہے۔

رابعاً مدعا علیہ کے سہ منزلہ مکان یا اس کٹڑکی سے اگر بے پردگی ہو سکتی ہے تو مدعی کے چھت کی، نہ مکان کی، اور چھت شریف عورتوں کے رہنے سہنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے: ”لا تسکنواھن العلالی“ عورتوں کو بالائے خانہ پر نہ رکھو۔ اسی لئے علماء کرام نے مکان کی بے پردگی اور چھت کی بے پردگی میں فرق کیا ہے اور مکان کی بے پردگی کا خیال کیا کہ وہ عورتوں کے بود و باش کی جگہ ہوتی ہے۔

فصول عمادی جلد دوم ص ۱۲۱ میں ہے: ”رجل اشتری حجرة سطحها و سطح حارة یستویان فاحذ حارة یستخذ سترۃ بین السطحین لا یجبر علی ذلک لان الانسان لا یجبر علی البناء فی ملکہ۔ ولو اراد ان یمنعہ من صعود السطح حتی یتخذ سترۃ قالو ان کان فی صعودہ یقع بصرہ فی دار الجار کان لہ ان یمنع لان فیہ ضرراً زائدا و ان کان لا یقع بصرہ فی دارہ ولکن یقع بصرہ علیہم اذا کانوا علی السطح لا یمنعہ لانیہما استویا فی

الضرر لانه ان كان يقع بصره عليهم في السطح يقع بصرهم عليه ايضا في السطح ذكر المسئلة على هذا الوجه في فتاوى ابى الليث وعلى قياس المسئلة التي تقدم ذكرها وهي ما اذا فتح صاحب البناء في جدار علوه كوة ليس لصاحب الساحة ان يمنعه عنه ينبغي ان يقال في هذه المسئلة ليس للحار حق المنع عن الصعود وان كان يقع بصره في دار جاره الا يرى ان محمدا رحمه الله لم يجعل لصاحب الساحة حق منع صاحب البناء من فتح الكوة في علوه مع ان بصره يقع في الساحة

”یعنی کسی شخص نے ایک کوٹھری خریدی جس کی سطح اور اس کے پڑوسی (کے مکان) کی سطح برابر ہے۔ پڑوسی نے چاہا کہ وہ دونوں چھتوں کے درمیان میں دیوار بنائے (تاکہ اس کی بے پردگی نہ ہو) تو وہ شخص اس پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ کسی شخص کو اپنے ملک میں مکان یا دیوار بنانے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ اور اگر پڑوسی نے چاہا کہ جب تک یہ پردہ کی دیوار نہ بنالے اس کو چھت پر چڑھنے سے منع کرے۔ علماء نے فرمایا کہ اگر اس کی نگاہ چڑھنے میں پڑوسی کے مکان میں پڑتی ہے تو اس کو منع کرنے کا حق ہے کیونکہ اس میں سخت ضرر ہے۔ اور اگر اس کی نگاہ گھر میں نہیں پڑتی، لیکن جب وہ لوگ چھت پر ہوں تو اس کی نگاہ ان لوگوں پر پڑتی ہے تو اس کو نہیں روکے گا۔ اس لئے کہ وہ دونوں ضرر میں برابر ہیں۔ اس لئے کہ اگر اس کی نگاہ چھت پر ان لوگوں پر واقع ہوتی ہے تو ان لوگوں کی نگاہ بھی اس پر واقع ہوگی، جب وہ شخص چھت پر ہوگا۔ اس مسئلہ کو اس تفصیل کے ساتھ فتاویٰ فقیہ ابواللیث میں بیان کیا ہے اور مسئلہ سابقہ (یعنی جب کہ عمارت والا اپنے بالا خانہ کی دیوار میں روشندان کھولے تو صحن والے پڑوسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہے) پر قیاس کر کے لائق ہے کہ اس مسئلہ میں یوں کہا جائے کہ پڑوسی کو چڑھنے سے منع کرنے کا حق نہیں، اگرچہ اس شخص کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں پڑتی ہو۔ کیونکہ امام محمد رضی اللہ عنہ نے صحن والے کو حق نہیں دیا کہ مکان والے کو کھڑکی کھولنے سے منع کرے باوجودیکہ اس کی نگاہ صحن میں پڑے گی۔ ”موافق ظاہر الروایہ تو اس کو مطلقاً حق ممانعت ہی نہیں اور جن علماء نے استسنا اس کو حق بھی دیا ہے، انھوں نے بھی چھت کی بے پردگی کا عام طور پر بود و باش نہ ہونے کی وجہ سے خیال نہیں کیا اور پڑوسی کو اجازت نہ دی کہ چھت پر چڑھنے سے اس شخص کو منع کرے۔ تو صورت واقعہ میں کب قابل لحاظ ہے۔

خامساً یہ سب صورتیں تو اس وقت تھیں اب تو ج وہ سر ہی ہم نہیں رکھتے جسے سودا ہوسا مال کا، مضمون ہے۔ خداوند عالم نے اس مکان کو منہدم فرما کر یہ قصہ ہی پاک کر دیا۔ اب مدعی کا مکان نئے سرے سے بن رہا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ وہ واقف بنار تو بعد تعمیر عمارت اتفاق وقت سے آجائیں اور مدعی ان کے مشورہ سے ایسے طرز پر مکان بنائے جس سے بے پردگی ناممکن ہے۔ ہاں نفسانیت اور ہٹ کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں۔

(تنبیہ) فضول عبادی کی اس جامع عبارت نے نہ صرف چھت اور مکان کی بے پردگی کا فرق ہی ظاہر کیا بلکہ اس مقدمہ کے اکثر حصہ کا فیصلہ بھی کر دیا۔ اس لئے کہ اس عبارت سے اتنے مسئلے معلوم ہوئے۔

(۱) کوئی شخص اپنے ملک میں مکان یا دیوار بنانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) کسی شخص کے چھت پر چڑھنے سے اگر مکان کی بے پردگی ہوگی تو دیوار بنائے جانے تک اس شخص کو اگر منع بھی کر سکتے ہیں تو چھت پر چڑھنے سے اور اگر دوسرے کی چھت کی بے پردگی ہوتی ہے تو اصلاً حق منع نہیں۔

(۳) بے پردگی دفع کرنے کو دیوار وہ شخص بنائے جس کی بے پردگی ہوتی ہو۔

(۴) قابل لحاظ پردہ، کا سخت نقصان ہے۔ جس کو بعض کتابوں میں ضرر تین، بعض میں ضرر فاحش، بعض میں ضرر زائد سے تعبیر کیا ہے، منہ معمولی ضرر جس کا دفع اسے آسان ہو۔

(۵) ضرر مشترک قابل لحاظ نہیں ہے۔ اگر زید کے مکان سے عمرو کا مکان بے پردہ ہو اور عمرو کے مکان سے زید کا تو دونوں اپنا اپنا انتظام کر لیں۔

(۶) مسئلہ مقدمہ جس کے قیاس پر اصلاً حق منع نہ دیا، وہ مسئلہ ہے جسے اسی صفحہ میں اس مسئلہ سے متصل ذکر کیا ہے: "وفی کتاب القسمة اذا وقع لرجل بالقسمة بناء وللآخر ساحة لا بناء فيها ففتح صاحب البناء في جدار عليه كوة وطالبه صاحب الساحة بسدها فليس له هذه المطالبة ولا يجب على صاحب البناء سد الكوة لانه يفتح الكوة تصرف في ملكه من غير ان اتلف على صاحب الساحة شيئا من ملكه او منفعة ملكه الا يرى انه لو رفع جميع جدار علوه كان له ذلك فاذا فتح كوة كان الاولى"۔

یعنی اور نوازل کی کتاب القسمة میں ہے کہ جب تقسیم سے ایک شخص کے حصہ میں مکان پڑا اور دوسرے کے حصہ میں مہمن آیا۔ مکان والے نے اپنے بالا خانے کی دیوار میں روشندان کھولا اور مہمن والے نے اس کے بند کرنے کا مطالبہ کیا تو اس شخص کو اس مطالبہ کا حق نہیں۔ اور مکان والے پر اس روشندان کو بند کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ روشندان کھولنے سے اس نے اپنے ملک میں تصرف کیا بغیر اس بات کے کہ مہمن والے کی ملک یا منفعت میں کچھ نقصان کرے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے بالا خانے کی کل دیوار ہٹا دیتا تو اس کو یہ جائز تھا۔ تو روشندان کھولنا بدرجہ اولیٰ۔ اس عبارت نے کس قدر وضاحت سے بتا دیا کہ وہ دو شخص کہ ایک وقت میں شریک تھے اور بعد تقسیم جارملاق ہیں۔ جب ایک شخص کو بالا خانہ کی دیوار میں روشندان کھولنے سے دوسری کی وجہ سے منع کرنا جائز نہیں تو اس مقدمہ میں کہ مدعی نہ مدعا علیہ کا چارہ ہے، نہ اسے حق جو، دونوں کے درمیان مدعا علیہ کا سرالی وسیع مکان حاکم ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے مدعا کی کھڑکی بند کرنا کس درجہ ظلم صریح ہے۔

(۱۳) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ "مدعی نے مکان مدعا علیہ کے نیچے طبقہ کے متعلق مکان زنا نہ کے مہمن سے ایک وسیع کھڑکی مجھے دکھائی"۔

اولاً اس کا منشاء وہی حقوق ضرورت و حاجت و منفعت و زینت سے تغافل یا ذہول ہے۔ اگر یہ امر پیش نظر رہتا کہ کسی شخص کو اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حق ضرورت و حاجت پر مجبور و مقصور نہ کیا بلکہ منفعت اور زینت کی بھی اجازت دی ہے تو ہرگز اس قسم کی دوران کار باتیں لکھنے کی نوبت نہ آتی۔ مدعی نے جس وقت اس کھڑکی کے

دکھانے کا قصد کیا تھا، ثالث صاحب کو کہنا تھا کہ شاید آپ اپنا اور میرا منصب بھول گئے۔ آپ اس مقدمہ میں مدعی ہیں اور میں ثالث۔ آپ کا کام اپنا دعویٰ پیش کر کے مدلل کرنا ہے اور میرا کام فیصلہ دینا۔ آپ یا ہم مدعا علیہ کے مشیر نہیں کہ ان کو اپنے سسرال آنے جانے کے راستہ کی بابت مشورہ دیں کہ یہ راستہ آسان ہے یا وہ، اور اس میں بنانا اور کچھ خرچ کرنا پڑے گا اور اس میں نہیں، یوں تو بیسیوں رائیں آپ کو میں ایسی بتا سکتا ہوں جس میں آپ کی بے پردگی جاتی رہے اور اس کھڑکی کے بند کرنے کی نوبت نہ آئے مگر اس وقت ہمارا یہ فرض منہجی نہیں۔

ثانیہ نمبر ۵ بیان مدعا علیہ سے اس قدر فقرہ کہ ”اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست احباب آیا کرتے ہیں جو موافق مدعی تھا، خیال رہا اور اسی کے متصل کی عبارت کہ ”بملاحظہ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت اور کوٹھری پر رہتی ہے“ جسے فیصلہ میں نقل بھی کیا ہے، یک دم دل سے بھلا دیا۔ ورنہ ذی علم ثالث کے نزدیک اگر وہ لڑکی ہمیشہ کوٹھری اور چھت پر رہتی ہے، جس کلیت اور عموم سے تناقض ثابت کرنا چاہا تو یہ بات ادنیٰ تامل سے یا سانی سمجھ میں آ جاتے کی ہے کہ اس سے منزلہ پر رہنے والی کے لئے پانچ قدم اتر کر اپنے نانہال جانا آسان ہے یا وہاں سے ایک منزلہ نیچے اترے پھر دس پندرہ قدم چل کر داوی کا مکان کھلوائے۔ اس کے بعد پھر کچھ چل کر دوسری کھڑکی نانہال کی طرف کی کھلوائے، پھر ایک مسافت طے کر کے اسی چھت کے سامنے واپس آئے، یہ تو مغل سرائے ہو کہ شہرام سے گیا جاتا ہوا۔ زیادہ مناسب ہونے کی وجہ کا زیادہ تر تعلق فن انجینیر می سے ہے۔ اسے تو شاید کوئی انجینیر صاحب سمجھیں گے یا شاید اتفاق وقت سے آ جانے والے وہ واقف کار قواعد تعمیر عمارت۔ ورنہ ادنیٰ عقل والا بھی جانتا ہے کہ جہاں جہت ایسی قریب ہو اور آنے جانے کی بکثرت حاجت پڑتی ہو، وہاں ایک مرتبہ کچھ صرف کر کے چند سیر بھی بنوا لینا آسان ہے، جس کے بعد آنے جانے میں صرف چند قدم کی مسافت رہے۔ یا ایک روپیہ کی پیٹا کا تو خیال کیا جائے اور برابر آمد و رفت میں ایک مسافت طے کی جائے وہ بھی دو دو جگہ قیام کر کے کہ وہ دونوں کھڑکیاں ہمیشہ بند رہتی ہیں، ورنہ وہ مکان بالکل غیر محفوظ ہو جائے۔

(۱۳) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ ”اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکان جس میں وسیع کھڑکی ہے، مدعا علیہ کی والدہ کے رہنے کا مکان ہے، کسی غیر کا مکان نہیں۔ اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے بزرگان مدعا علیہ اس کے عجیب منطوق اور نئی شریعت ہے۔

اولاً آج تک تو یہ معلوم تھا کہ انت ومالک لایمیک۔ اب شاید نئی حدیث نکلی ہے: ”انت ومالک لایمیک“ اگر وہ مکان مدعا علیہ کے بیٹے کا ہوتا جب بھی شرعاً بے اس کے اذن کے اسے اس میں تصرف ناجائز ہوتا۔ اور اگر وہ خاطر یا لحاظ سے اذن دے دیتا جب بھی دیا جاتا جائز ہوتا کہ املاک متشابہ ہیں ورنہ تو ریٹ باطل ہو نہ کہ وہ مکان جس میں نہ صرف مدعا علیہ کی والدہ بلکہ اس کے اور بھائی بھی مع متعلقین کے رہتے ہیں۔ اس مکان کو مدعا علیہ کا اپنا مکان بتانا عجیب و انتہائی ہے۔

ثانیہ اولاد کے ساتھ والدین کے جو کچھ تعلقات ہوتے ہیں، ان کے مقابل کسی ایک قطعہ مکان کی کوئی ہستی نہیں۔ مگر جب جدائی ہو جاتی ہے تو ہر شخص اپنی چیز کو خالص اپنی ملک سمجھتا ہے۔ جیسا کہ باپ بیٹوں میں مخالفت کی حالت پیش نظر رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ ہاں اگر مدعا علیہ اپنی والدہ کے ساتھ رہتا تو یہ بات قدرے معقول تھی۔ ذی علم ثالث

کا خیال کہ ”بزرگان مدعا علیہ کے وقت سے وہی راہ عبور توں کے آمد و رفت کے لئے ہے“ میرے نزدیک بھی صحیح معلوم ہوتا ہے مگر محلہ داری یا معمولی رشتہ داری کی آمد و رفت شاذ و نادر ہوا کرتی ہے اور مدعا علیہ کے سرالی تعلق کی وجہ سے اس کے علاوہ ایک اور خاص جدید رشتہ قائم ہو گیا، جس نے اس امر کی ضرورت ظاہر کی کہ والدہ مدعا علیہ سے وہی قدیم رشتہ داری کی وجہ قدیم راستہ آمد و رفت کا برقرار رہے اور مدعا علیہ سے جدید تعلق کی وجہ سے آنے جانے کی ضرورت حسب عادت زمانہ بہت زیادہ ہو گئی۔ خصوصاً مدعا علیہ کی اولاد کے لئے تو گویا دونوں مکان ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں یعنی اگر یہ والد کا مکان ہے تو وہ والدہ کا۔ تو ایسی حالت میں آمد و رفت کے لئے قریب تر راستہ اختیار کرنا مناسب ہے یا دوسرے مکان ہو کر انسب۔ اور نزاع جاتی رہنے کی از روے مصالحت یہ تجویز تانا کہ کھڑکی بند کر دیجئے اور قدیمی راہ سے آمد و رفت جاری رکھئے، عجیب و غریب ہے۔ ذی علم ثالث کو خیال کرنا تھا کہ مخالفت کا اصل منشاء تو یہی ہے کہ مدعی اپنی ضد اور نقصانیت سے خواہش کرتا ہے کہ یہ کھڑکی بند ہو جائے اور مدعا علیہ کہتا ہے کہ میں کون سے حکم شرعی سے اس بات پر مجبور کیا جاتا ہوں۔ اگر آپ کی بے پردگی ہوتی ہے تو اپنی شرعی دیوار بلند کر لیجئے، جس طرح میں نے اپنی بے پردگی دفع کرنے کو غریب دیوار اونچی کر لی ہے۔ جب اس مصالحت میں بھی مدعی اپنی تاجا نہت پر باقی رکھا گیا اور مدعا علیہ خلاف شرع و عقل اپنے ایک جائز حق سے مجبوراً محروم کیا گیا تو یہ محض تحکماً مدعی کو ڈگری دینا ہوا یا پر ضامندی و صلح یا ہی تقاضہ کرنا؟۔

(۱۵) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ ”یہ عذر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنی والدہ کے مکان کو (الی قولہ) غیر کا مکان کیوں قرار دیا“۔ از روئے انصاف ارشاد ہو کہ اور کون سی بات آپ کی سمجھ میں آئی ہے جو ایک اس کے سمجھ میں نہ آنے کے شاک کی ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر منصفانہ حیثیت سے آپ اپنے اس فیصلہ پر ایک نگاہ فرمائیں گے تو خود اقرار کر لیں گے کہ میں نے نہ دعویٰ سمجھا ہے نہ جواب دعویٰ سمجھا، نہ اظہار سمجھا نہ بیان حلفی سمجھا، نہ اصل منشاء مقدمہ سمجھا نہ مدعی کی ہٹ دھرمیوں کو سمجھا، نہ مدعا علیہ کے معقول عذروں کو سمجھا نہ مسالک فقہاء کو سمجھا، نہ کتب فقہیہ کی عبارتوں کو سمجھا نہ اپنی پیش کردہ عبارتوں کو سمجھا، جب اتنی باتیں سمجھ میں نہ آئیں تو ”این ہم بر سر علم“ ایک یہ بھی نہیں سمجھا کہ مدعا علیہ نے اپنی والدہ کے مکان کو غیر کا مکان کیوں قرار دیا۔ ورنہ وجہ ظاہر ہے کہ والدہ مدعا علیہ، نہ یحییٰ مدعا علیہ ہیں نہ جزیہ مدعا علیہ، تو اگر مدعا علیہ نے غیر کہا تو کیا جرم کیا؟ علاوہ بریں اپنا مکان وہی طرح کہا جاسکتا ہے۔ یا وہ مکان اس کا ملک ہو یا اسے شرعاً حق سکونت و منفعت ہو۔ اور جب وہ مکان مدعا علیہ کی والدہ کا ہے جس میں وہ مع اپنے بیٹوں کے رہتی ہیں۔ تو مدعا علیہ اس کو اپنا مکان کس طرح کہہ سکتا تھا؟ وقد صرح فی الاشیاء ص ۵۳۲: ”ان اجتماع المملکین فی محل واحد محال۔“

(۱۶) ذی علم ثالث کی یہ انوکھی تجویز کہ ”الماری توڑ کر کھڑکی بنائی جائے اور اس کو بطور صلح یا ہی کہنا“ نیا تقاضہ ہے۔ اولاً صلح وہ عقد ہے جو بتراضی فریقین رفع منازعت کے لئے موضوع ہو۔

فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ ص ۳۱۳ میں ہے: ”اما تفسیرہ شرعاً فہو انہ عقد وضع لرفع المنازعة بالتراضی

كما فی النہایۃ۔“

اور یہاں ذی علم ثالث کی تجویز ہے پھر وہ بطور صلح کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہ تو مدعی کو پوری ڈگری دے کر مدعا علیہ کو ایک مشورہ دینا اور زبان حال سے کہنا ہے کہ میں آپ کا ایسا خیر خواہ ہوں کہ آپ کو ایک جائز حق سے مجبوراً صرف روکتا ہی نہیں ہوں بلکہ آپ کی بنی بنائی الماری بگاڑنے کی بھی راہ بتاتا ہوں اور طرفہ احسان کہ اس کا نام صلح یا ہی رکھ کر تمہیں بد دل ہونے سے بچاتا ہوں۔

ثانیاً شرائط صلح سے ہے کہ مصالح علیہ یعنی جس چیز پر صلح کی جائے، مال ہو۔ اگر اس کے قبضہ کی ضرورت ہے تو مال معلوم ہونا چاہئے اور اگر قبضہ کی حاجت نہیں تو معلوم و مجہول دونوں ہو سکتا ہے۔ بہر حال مصالح علیہ کا مال ہونا ضرور۔ عالمگیری ص ۳۱۳ میں ہے: ”واما شرائطه فانواع (الی ان قال) ومنها ان یکون المصالح علیہ مالا معلوما ان كان يحتاج الی قبضه وان كان لا يحتاج الی قبضه فشرطه ان یکون المصالح علیہ مالا سواء كان معلوما او مجهولا هكذا فی المحيط“

اور یہاں سرے سے مصالح علیہ ہی مفقود پھر بھی صلح موجود۔
ثالثاً صلح کا خلاصہ مطلب مدعی کا کچھ لے کر اپنے کل یا جزء دعویٰ سے باز آ جانا ہے اگر کل دعویٰ پر قائم رہے تو صلح کس بات سے ہوئی؟ یہاں دعویٰ رفع بے پروگی تھا۔ اس کے کون سے جزء سے مدعی باز آیا؟ کیا تمام و کمال بے پروگی جائز رکھی یا آدھی، پھر صلح یعنی چہ؟
رابعاً صلح کا حکم مدعی کے لئے مصالح علیہ کا مالک ہو جانا ہے۔

بحر الرائق جلد ۷ ص ۲۷۸ میں ہے: ”وحکمه فی جانب المصالح علیہ وقوع المثلک فیہ للمدعی سواء کان المدعی علیہ مقرا او منکرا و فی المصالح عنه وقوع المثلک فیہ للمدعی علیہ ان کان مسا یحتمل التسلک کالعمال و کان المدعی علیہ مقرا به وان کان مسا لا یحتمل التسلک کالقصر اص و فروع البراقۃ۔“
الماری کو کھڑکی بنالینے میں مصالح علیہ میں کون سی ملک مدعی کو ثابت ہوئی؟ اور شی جب اپنے حکم سے خالی ہو، باطل ہے۔ لہذا اسے صلح کہنا محض لا حاصل ہے۔

خامساً علماء کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر کسی شخص نے ایک قطعہ مکان کا دعویٰ کیا پھر اس میں سے ایک گھر یا کسی ایک حصہ پر صلح واقع ہوئی تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ جس چیز پر اس نے قبضہ کیا وہ اس کے حق کا ایک جز ہے تو باقی میں اپنے دعویٰ پر قائم ہے۔

ہدایہ جلد ۳ ص ۲۴۵ میں ہے: ولو ادعی دارا فصالح علی بیت او قطعة منها لم یصح الصلح لان ما قبضه من عین دعواه فی الباقی۔ مکان کے دعویٰ میں اسی مکان کے ایک گھر پر صلح کرنے کو صلح نہیں قرار دیا تو مدعی کو پوری ڈگری دے کر پھر اس کا صلح نام رکھنا ذی علم ثالث کی کمال فقہ دانی ہے۔

سادساً جس مسئلہ کا جزئیہ کتب فقہ میں مصرح نہ ہو مثلاً تار، بیمہ، مٹی آرڈر، نوٹ، سیونگ بینک وغیرہ، عالم سے

اس میں غلطی ہو جائے تو چنداں جائے تعجب نہیں۔ حد سے زیادہ اس وقت ہوتا ہے کہ مدعی علم باوجود روشن تصریحات علماء کے کسی کی حمایت میں ایجاد بندہ سے کام لیتا ہے۔ اس وقت کی غلطی، غلطی نہیں کہی جاتی بلکہ خود اسی کے الفاظ پکارا جاتے ہیں کہ یہ کچھ اور ہے۔ یہ مسئلہ کوئی ایسا نہ تھا کہ کتب فقہیہ میں کہیں مصرح نہ ہو۔

فتاویٰ عالمگیری جلد ۳ ص ۳۵۱ میں فتاویٰ فقہیہ فیئہ النکاح قاضیان جلد سوم ص ۱۹۰ میں ہے: "واللفظ للبخانی "رجل له باب في غرفة او كوة فخاصمه حارة فصالحه علي دراهم . معلومة بدفعها الجار ليسترد الكوة ولا يسدها كان ذلك باطلا لان الجار فلان من منع صاحب الكوة عن الانتفاع بمال نفسه . فاما ياخذ المالك فكيف عن الظلم والكف عن الظلم واجب وكذا لو كان الصلح بينهما علي ان ياخذ صاحب الكوة دراهم معلومة ليسترد الكوة والباب كان باطلا لان الجار انما دفع المال ليستع صاحب الكوة عن التصرف في ملكه والانتفاع بمال نفسه لا علي وجه الازالة والتملك من الغير وذلك باطل " کسی شخص کے والا خانہ میں دروازہ یا روشندان ہے۔ اس کے پڑوسی نے اس سے بھگڑا کیا۔ اس نے کچھ روپیہ دے کر پڑوسی سے صلح کی کہ اس روشندان کو رہنے دے اور بند نہ کرے۔ تو یہ صلح باطل ہے اس لئے کہ وہ پڑوسی ظالم ہے کہ روشندان والے کو اپنے مال سے نفع اٹھانے سے روکتا ہے۔ تو یہ روپیہ اس لئے لیتا ہے تاکہ ظلم سے رکے اور ظلم سے رکنا تو اسے یونہی واجب ہے۔ اسی طرح اگر ان میں صلح اس طرح ہو کہ روشندان والا کچھ روپیہ لے کر اس روشندان یا دروازہ کو بند کر دے جب بھی باطل ہے۔ کیونکہ پڑوسی اس لئے روپیہ دیتا ہے کہ روشندان والا اپنے مال میں تصرف کرنے اور اپنے مال سے نفع اٹھانے سے بغیر ازالہ و تملیک غیر روکا جائے اور یہ باطل ہے۔ غرض کھڑکی کی صورت میں کسی طرح صلح صحیح نہیں۔ اگر بغیر مال صلح کیا جب باطل اور اگر مدعی مال لے کر کھڑکی کو رہنے دیتا ہے جب باطل اور اگر مدعا علیہ مال لے کر کھڑکی بند کرتا ہے جب باطل۔ تو ذی علم ثالث کا صلح تجویز فرمانا، مدعی مدعا علیہ دونوں کا نقصان کرنا، خلاف شرع راہ دکھانا ہے، جس کے باطل ہونے کی فقہائے کرام تصریح فرما چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علمائے کرام پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے کہ ساڑھے سات سو برس پہلے کیسا جزئیہ تحریر فرمایا جس نے نہ صرف صلح ہی کا خاتمہ کیا بلکہ سرے سے مقدمہ کا بھی فیصلہ کر دیا کہ ایسا شخص ظالم ہے کہ کھڑکی کے مالک کو اپنے مال سے نفع اٹھانے سے منع کرتا ہے۔ وفات امام قاضیان کی ۵۹۲ ہجری میں ہے۔

سابغیہ ساری خرابیاں اس کی ہیں کہ ذی علم مجوز جیسا کہ نمبر ۱ میں گزرا شروع ہی سے الٹی چال چلتے ہیں۔ اب جس طرف جاتے ہیں مقاصد شرع و قوانین عقل سے اور دوری ہوتی جاتی ہے۔ ورنہ اگر ٹھیک راہ چلتے اور حق سمجھ رہے ہوتے تو صلح نظر ہوتا تو مدعی سے دریافت کرتا تھا کہ آپ کا مقصد اصلی کیا ہے؟ بے پردگی سے بچنا یا پردہ؟ بے پردگی سے بحث نہیں۔ مدعا علیہ نے جو اپنی دیوار میں کھڑکی لگائی ہے، اس کو بند کرانا۔ بر تقدیر اول اسے صائب اور بے مثل فیصلہ تھا کہ جس طرح مدعا علیہ نے خود آپ کے اقرار کے بموجب اپنی بے پردگی دفع کرنے کو غریب دیوار بلند کر لی ہے، آپ بھی اپنی بے پردگی

دفع کرنے کو اپنی شرعی دیوار بلند کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی۔ بر تقدیر دوم صاف معلوم ہو جاتا کہ مدعی معصیت ہے، دعویٰ خارج کیا جاتا۔ اس صورت میں ذی علم ثالث کو اس قسم کی دور از کار باتوں کا سامنا نہ ہوتا کہ اس فیصلہ کا دیکھنے والا تعجب سے کہتا ہے ”یہ ثالث صاحب ہیں یا مدعی کے وکیل یا مدعا علیہ کے مشیر“۔ ذر نہ جس طرح مدعا علیہ کو مشورہ دیا تھا کہ اس کھڑکی کو بند کر دیجئے، والدہ کے مکان ہو کر جو قہریم راہ ہے اسی کو برقرار رکھئے یا الماری توڑ کر کھڑکی بنا لیجئے اور اس کھڑکی کو بند کر دیجئے۔ اسی طرح دو ایک صورتیں بطور صلح یا ہمی مدعی کے لئے بھی تجویز کرتے کہ یہ قہر تو اس مکان کا تھا۔ اب نئے سرے سے مکان بنارہے ہیں، اس وضع سے خائے کہ بے پردگی نہ ہو یا اگر مدعا علیہ نہیں مانتے تو آپ ہی اپنی شرعی دیوار اونچی کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی یا یہ بھی نہ کہی تو اپنے قدیم رفیق جن کو رائے دے کر مقدمہ دائر کر لیا تھا انھیں کو کہتے کہ وہ اپنی دوستی کی دیوار اونچی کر ڈالیں۔ ان کا بھی پردہ ہو جائے گا اور آپ کی بھی بے پردگی جاتی رہے گی۔ تب معلوم ہو جاتا کہ مدعی صاحب ان رایوں کو مانتے ہیں یا نا منظورنی کی کیا وجہ بتاتے ہیں؟۔

(۱۷۱) ذی علم ثالث کا فرمانا ”اس کے بعد مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا کہ جیسی کھڑکی متاثرہ فیہ ہے الخ“ رفع نزاع کی بے مثل صورت اور مقبول عام فیصلہ دینے کی راہ جیسی یہ تھی، شاید دوسری نہ ہو۔ مدعا علیہ کا مطلب یہ ہے کہ بے پردگی کا الزام اگر میرے کسی فعل سے ہے تو وہ ثابت نہیں اور اگر محض کھڑکی کی وجہ سے اس کا خیال کیا جاتا ہے تو ایک ایسی ہی کھڑکی ان دونوں مکانوں میں بھی ہے۔ تو یہ دونوں کھڑکیاں بند کر دی جائیں کہ یہ قہر ہی پاک ہو جائے اور ایک فتنہ کہ آئندہ کسی وقت اٹھنے والا ہو، ابھی سے اس کی جڑ کٹ جائے۔ مگر افسوس کہ اس وقت کے بیانات قلمبند نہ کرنے کی وجہ سے باتیں بہت بدل کر لکھی گئیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا، معقول عذر ہونے کی وجہ سے مدعی کو صاف لفظوں میں انکار کی گنجائش نہ تھی۔ مگر کمال طلاقت لسانی سے کیا کہ اگر... حلفا کہہ دیں کہ مجھے بھی اس کھڑکی سے بے پردگی و تکلیف کا اندیشہ ہے تو میں ابھی بند کر دیتا ہوں جب... تے حلفا اس امر کو بیان کیا تو اب یہو جب اقرار کھڑکی بند کرنا چاہئے تھا۔ مگر نفسانیت کا خدا برا کرے کہ اس نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا... کے انداز اور رخ کو دیکھا کہ وہ لفظ بلفظ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ فوراً پلٹے اور کہا کہ... آپ کیا کہتے ہیں اس پر انھوں نے انکار کیا اور چھوٹے بھائی... نے بھی انہیں کا ساتھ دیا کہ نہ مجھے اس کھڑکی سے اس وقت تک تکلیف پہونچی، نہ آئندہ اندیشہ ہے۔ یہ دونوں روشندان جو آپ نے نکھولے ہیں ان کو بند کر دیجئے۔ اس سے میری بے پردگی ہوتی ہے۔ اس وقت کے بیانات قلمبند نہ ہونے کی وجہ سے ذی علم ثالث نے اسے تینوں بھائیوں کے اقرار حلفی پر مشروط کرنا لکھا ہے۔ حالانکہ مدعی نے شرط کرنے میں بخیلے اور چھوٹے کا تذکرہ تک نہیں کیا تھا۔

ثانیاً یہ کون سی شریعت کا حکم ہے کہ جب تک تین شخص کی بے پردگی نہ ہو یا تین آدمی بے پردگی کے دعویدار نہ ہوں، عذرنا مسوم ہوگا۔ کیا ایک شخص کی بے پردگی قابل لحاظ نہیں؟ مانا کہ مدعی نے یہی کہا تھا تو ذی علم ثالث کا فرض تھا کہ مدعی کو سمجھاتے کہ یہ مجھے تسلیم ہے کہ یہ دونوں بھائی اس کھڑکی کی وجہ سے بے پردگی کے شاک میں نہیں اور آئندہ کے لئے بھی۔

دستاویز دے رہے ہیں، مگر یہ مدعی نہیں کہ ان کا اقرار کافی ہو۔ مدعی تیسرا شخص ہے، ان کے اقرار کا اس پر کیا اثر پڑتا ہے۔ معجزہ ابے پردگی مختلف ہے۔ ممکن کہ ایک بھائی کے متعلقین کی جن لوگوں سے بے پردگی ہو، دوسری کی نہ ہو یا ایک بھائی روا نہ رکھے دوسرا سے گوارا کرتا ہو، تو آپ کو ان کے اقرار سے کیا فائدہ تو جب ایک شخص خصوصاً وہ کہ ان سب سے بڑا اور اہل علم ہے اور اہل علم ہی کو پردہ کا خیال زائد ہوتا ہے، وہ بے پردگی کا اندیشہ ظاہر کرتا ہے تو بے شک آپ کو بند کروینا چاہئے کہ کسی ایک کی بھی بے پردگی شرعاً جائز نہیں۔

ثالثاً بیان حلفی کے الفاظ بھی جو ذی علم ثالث نے بنائے ہیں ضحکہ اطلاق ہیں ”کہ جیسا کہ مجھے نئی کھڑکی سے تکلیف و اندیشہ بے پردگی ہے، ویسی ہی تکلیف ان لوگوں کو بھی اس کھڑکی سے پہونچتی ہو یا اب تکلیف پہونچنے کا اندیشہ ہو تو باوجود ان تمام تقرقوں کے ہم کو بند کر دینے میں عذر نہ ہوگا“ یعنی نفس بے پردگی قابل لحاظ نہیں، جس کی وجہ سے مدعی کی کھڑکی بند ہو سکے بلکہ جس قسم کی تکلیف مدعی کو پہونچتی ہے اور آئندہ پہونچنے کا اندیشہ ہے، اسی قسم کی تکلیف پہونچتی ہو یا پہونچنے کا اندیشہ ہو تو البتہ یہ کھڑکی بند کی جاسکے گی۔ شائد اسی وجہ سے مدعی کے مکان کے وہ دونوں روشندان جن کے بند کرنے لئے... نے کہا تھا بند نہیں کئے گئے کہ اس سے اگرچہ تکلیف پہونچتی ہے مگر اس قسم کی تکلیف نہیں پہونچتی، نہ آئندہ اندیشہ ہے۔

رابعاً قدیم و جدید، مسلم و مقبول، نا مسلم و نا منظور کا تفرقہ ہرگز مدعی نے نہیں دکھایا تھا۔ اور اگر بالفرض یہ تفرقہ پیش کئے بھی ہوتے تو ذی علم ثالث کو خلاف شرع ہونے کی وجہ سے قلم زد کرنا تھا۔ جیسے بہت سی باتیں کہ حسب تحریر ذی علم ثالث اس جلسہ میں ہوئیں اور لغو جان کر ذی علم ثالث نے نہ لکھیں۔

رد المحتار جلد ۳ ص ۳۷۶ میں ہے: ”قال الخیر الرملی و اقوال لا فرق بین القديم والحديث حیث کانت

العلۃ الضرر البین لو جودھا فیہما“۔

اسی رد المحتار ص ۲۳۰ میں جہاں سے تھوڑی سی عبارت ذی علم ثالث نے نقل بھی کی ہے: ”وانظر ما لو کانت دار قديمة بهذا الوصف هل للحيوان الحادثین ان یغیروا القديم عما کان علیہ۔ قلت الضرر البین یزال ولو قديمًا کما افقی بہ العلامة المہمنداری ومثله فی حاشیة البحر للخیار الرملی من کتاب القضاء کما فی کتاب الحیطان من الحامدیة۔“

غرض اگر یہ ضرر بین ہے تو اس کے مقابل یہ تفرقہ محض لغو ہیں اور اگر بین نہیں تو دعویٰ ہی راساً بالاتفاق باطل و مدفوع ہے۔ جس طرح ظاہر الروایہ و مذہب ائمہ مذہب میں مطلقاً مسموع ہے۔

(۱۸) حاکم اور حکم کو چاہئے کہ فریقین کے ساتھ بالکل یکساں برتاؤ کرے۔ ایک مرتبہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کسی شخص سے کچھ خلاف ہو گیا۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں یہ قصہ پیش ہوا۔ آپ نے یا علی کے بدلے یا ابالحسن کہہ کر خطاب کیا، جس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناخوش ہوئے کہ آپ کو نام لے کر پکارنا تھا، آپ نے مجھے کنیت سے کیوں یاد فرمایا؟

مسئلہ عرف جلد اول ص ۱۳ میں ہے: "ادعی رجل علی علی عند عمر رضی اللہ عنہما وعلی جالس قال نفقت عمر الیہ وقال یا ابا الحسن قم فاجلس مع خصمک فقام فجلس مع خصمه فتناظرا وانصرف الرجل ورجع علی الی محله فبین لعمر التعلیر فی وجه علی فقال یا ابا الحسن مالی اراک متغیرا؟ اکبرحت ما کان؟ قال نعم قال وما ذاک قال کنتی بحضرة خصمی هلا قلت یا علی قم فاجلس مع خصمک فاجتهد عمر یراس علی رضی اللہ عنہما فقبلہ ثم قال باتی انتم بکم جہانا اللہ ویکم اجرنا من الظلمت الی النور۔"

اور یہاں ذی علم ثالث کا ایک طرفہ انداز شروع تحریر سے ظاہر۔ خصوصاً اس موقع پر تو حد کر دی۔ بالفرض مدعی نے تینوں بھائیوں کے بیان حلفی پر مطلق کیا تھا مگر وہ لوگ آپس میں مختلف ہو گئے۔ کسی نے اقرار کیا، کسی نے انکار۔ تو از روئے انصاف اس کو اس طرح لکھنا تھا کہ اس پر تینوں بھائیوں میں اختلاف ہوا... نے اظہار تکلیف و اندیشہ بے پردگی کا کیا مگر ان کے دونوں بھائیوں نے کہا کہ ہمیں اس کا اندیشہ نہیں۔ مگر بجائے اس کے فیصلہ میں اس کو اس طرح تعبیر کیا کہ "اس پر جو میاں نے اظہار تکلیف و اندیشہ بے پردگی و خزانہ بدعالیہ کیا۔ پر ان کے دونوں بھائی یحییٰ میاں اور معین میاں نے بکمال کشادہ پیشانی حلفاً کہا کہ آج تک کوئی تکلیف یا بے پردگی ہوئی ہے، نہ آئندہ کو ایسا اندیشہ ہے۔" ایک بھائی کے بیان کو کہ خلاف مدعی تھا، ایسے مرے گئے لفظوں سے تعبیر کیا اور ان دونوں کا بیان موافق مدعی ہونے کی وجہ سے بکمال کشادہ پیشانی اور حلفاً کے زیوروں سے مزین کر کے لکھا۔ حالانکہ اگر مدعی نے تینوں سے حلفاً بیان کرنے کو کہا تھا تو... کا بیان بھی حلفاً ہی ہوا ہوگا اور ضرور حلفاً ہوا، جب تو مدعی و ثالث نے اسے تسلیم کیا۔ تعجب ہے کہ... اور... نے کس طرح ایسی لغو بات حلفاً بیان کی۔ مگر اس سے زیادہ تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ ذی علم ثالث نے اس خلاف شرع و عقل بات کو کس کمال کشادہ پیشانی سے قبول کیا اور اس کا کیسا پر جوش استقبال کیا ہے۔ حالانکہ ادنیٰ عقل والا جانتا ہے کہ جو امر ممکن ہو یعنی اسے وجود و عدم دونوں سے یکساں نسبت ہو تو چاہے وہ کیسا ہی مستبعد ہو مگر کوئی شخص از پیش خویش اس کے عدم وقوع پر جزم نہیں کر سکتا، نہ کہ جو کلام مثلاً زید کی قدرت میں ہو، اس پر عمرو کو اس جزم کی کیا سبیل کہ وہ کبھی اس کام کو نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ زید اگر بقیہ بھی کہے کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا پھر یہی عمرو اگرچہ اس کے صدق کا کیسا ہی معتقد ہو، قسم کھا کر نہیں کہہ سکتا کہ زید اس کام کو کبھی نہیں کرے گا، مجھے اس کا اندیشہ بھی نہیں۔ اور اگر قسم کھا لے تو سخت جری اور نگاہ عقلاء میں ہلکا ٹھہرے گا۔ تو اس جگہ کہ بے پردگی مدعی کا فعل ہے، نہ مدعی اس کا بقیہ عہد کرتا ہے، نہ صاف سیدھے سادے لفظوں میں اس کا وعدہ ہی کرتا ہے، مگر... ہیں کہ بکمال کشادہ پیشانی حلفاً بیان کرتے ہیں کہ آئندہ کو بے پردگی ہو نا درکنار، اندیشہ بھی نہیں اور جناب ثالث صاحب بکمال کشادہ پیشانی اسے قبول کرتے ہیں۔

ثانیاً حلف شرعاً و عقد ہے جس کے سبب حائف کا ارادہ فعل یا ترک کا قوی ہو جائے۔

در مختار جلد ۳ میں ہے: "الیمین شرعاً عبارة عن عقد قوی عزم الحالف علی الفعل او الترك"

اور جب ان دونوں کے تکلف کہنے سے بے پردگی کا فعل قوی ہوا نہ ترک۔ اس لئے کہ جس کے فعل و ترک سے اس کا وجود و عدم ہو سکتا ہے، وہ ان دونوں کے قبضہ ہی میں نہیں تو پھر اسے حلف سمجھنا کمال خوش فہمی ہے۔

(۱۹) دیوار اونچی کرنے کے متعلق مدعا علیہ سے عذر دریافت کرنا بھی اسی الٹی چال چلنے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ متھنائے عقل و شرع تو یہ ہے کہ جس کی بے پردگی ہو، وہ اپنے لئے دیوار کھینچے۔ کما صرح الفقہاء بل لہ ان یسئ ما یستر حیثہ۔ یہی فقہاءت ہے کہ زید کے مکان سے عمر کی بے پردگی ہوئی ہو، عمر تو ہاتھ پاؤں توڑے بیٹھا رہے اور زید ہی اپنی دیوار اونچی کرے یا اس کے متعلق عذر بیان کرے۔

میرے نزدیک مناسب ہے کہ تمام دنیا یا ہندوستان بھر یا صوبہ بہار یا کمشنری پٹنہ یا ضلع آرہ میں نہ ہو سکے تو کم از کم اس قضیہ میں عام نوٹس دے دیا جائے کہ جس جس شخص کو خداوند عالم نے ذی مقدور بنایا ہے اور اس کا مکان دو منزلہ رہ منزلہ ہو اس کو چاہئے کہ اوپر کی چھت میں صرف مندر پر اکتفا نہ کرے۔ اس کو ہر چار جانب ورنہ جس جانب کسی شخص کا مکان بھی معلوم ہوتا ہو، وہ اتنی اونچی دیوار بنائے کہ چھت پر چڑھنے سے کسی شخص کا مکان نہ معلوم ہو سکے ورنہ اس کی وجہ دکھا دے اور جو کچھ عذرات ہوں، پیش کرے۔ اور دیوار کمزور ہونے کا عذر قابل قبول نہیں جب تک واقف کار تواعد تعمیر عمارت کا سارٹیفکیٹ نہ پیش کرے۔ ہاں اگر وہ دونوں جانب سے ملاحظہ کر کے لکھ دے کہ اس میں نقصان ہے تو الہیہ قابل قبول ہوگا۔ اور ایک جانب کی دیوار بلند کرنے سے اور جانب کی دیوار کی بلندی کا مسئلہ اہل دول یا انھیں واقف کار حال و قواعد تعمیر عمارت سے دریافت کرنا تھا۔ اور چھ ہاتھ چوڑے صحن کو وسیع صحن بنانا خلیفہ مامون الرشید کے سامنے اعرابی کا گڑھے کے پانی کو آب جنت سمجھ کر پیش کرنا یاد دلانا ہے۔ مع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

(۲۰) ”مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تاویح ایذا بہت کوشش کی کہ صلح درضا مندی فریقین سے ثالثی کا فیصلہ کروں الخ“ شاید ایسا ہی ہو ورنہ فیصلہ کا ملاحظہ تو بتا رہا ہے کہ اس عبارت کو یوں ہونا چاہئے تھا۔ ”مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تاویح اپنے اس بات کی کوشش کی کہ مدعی کو پوری ڈگری دی جائے، اس کے دعویٰ میں ذرہ بھر کمی نہ ہونے پائے اور پھر براہ اہل فرسی صلح و مصالحت کا سبب باخ دکھا کر مدعا علیہ کو بھی خوش رکھا جائے“ مع۔ ہم لعل بدست آید وہم یار نہ رنج۔

مگر اس طرح کون اپنی عقل کو پس پشت ڈالے ہوئے ہے کہ اپنے مفید اور مضر میں تمیز نہ کر سکے، اس لئے مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ناچار بحق مدعی فیصلہ دے کر اس کو بھاری بھر کم بنانے کے لئے عبارات کتب تہمید کی ضرورت پڑی۔ غرض اس فیصلہ پر فقہ حنفی کی چار کتابوں کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ جن میں اول محض بے علاقہ، دوم ناقص، سوم غیر مفید، چہارم مضر۔ اسی وجہ سے ہوشیار مجوز نے ان عبارتوں کا اردو ترجمہ نہیں کیا ورنہ اصل حقیقت عالم آشکار ہو جاتی۔ پہلی عبارت در مختار چھاپہ کلکتہ ص ۳۹۹ کی ہے۔

”اشتری دارا و ذبیح و تاذی جیرانہ علی الدوام یمنع و علی التدریج یحمل“

یہ عبارت محض بے علاقہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے مکان خریدا اور اس میں چھڑا پکانے کا کام کیا، جس

سے پڑوسیوں کو اذیت ہوتی ہے۔ تو اگر یہ ہمیشہ ہوتا ہے منع کیا جائے گا اور اگر شاذ و نادر ہے، تو تکلیف برداشت کی جائے گی۔
 اولاً چڑا پکانے کی اذیت ایسی ہے کہ اس کو روکنے کی ترکیب پڑوسیوں کے اختیار سے باہر ہے۔ سو اس کے کہ اس کو منع کر دیا جائے اور کوئی صورت اس کے ضرر سے بچنے کی نہیں۔ اس لئے کہ ہوا کی آمدورفت ہو اور دماغ صحیح میں بدبو نہ آئے، یہ عاویۃ ناممکن ہے۔ اور ہوا ہر طرف سے بند کر کے رہنا بھی سخت دشوار بلکہ محال عادی ہے۔ اور یہاں مدعی اپنی شرعی دیوار بلند کر کے اپنی بے پردگی کو روک سکتا ہے۔ علماء نے ضرر فاحش، ضرر بین کی یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ اس سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ اور اگر دیوار بھیج کر تکلیف سے بچ سکتا ہے تو اس صورت میں مالک مکان کو منع نہیں کریں گے۔

بجز المرائق جلد ۷ ص ۳۶ میں ہے: "وذكر الرازي في كتاب الاستحسان ان الدار اذا كانت مجاورة للحدود فإراد صاحبها ان يمنع فيها تنورا للخبز الدائم كما يكون في الدكاكين او رحي للطحين او مدقات للقصارين لم يحز لان ذلك يضر بجيرانه ضررا فاحشا لا يمكن التحرز عنه فانه يأتي منه الدخان الكثير الشديد ورحي الطحين ودق القصارين يوهن البناء بخلاف الحمام لانه لا يضر الا بالنفاذ ويمكن التحرز عنه بان يبنى حائطا بينه وبين جاره۔"

دیکھئے تمام بنانے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ حالانکہ اس کی تری سے پڑوسی کا نقصان ہے۔ اس لئے کہ اپنے اور پڑوسی کے درمیان دیوار بھیج کر اس تکلیف سے بچ سکتا ہے۔ تو اسی طرح صورت واقعہ میں اگر چہ مدعی کو اپنی بے پردگی کا اندیشہ ہے مگر اپنی شرعی دیوار بلند کر کے اس تکلیف سے بچ سکتا ہے۔ پھر کیوں مدعا علیہ کو اپنی ملک میں تصرف کرنے سے روکا جائے گا۔

ثانیاً اگر دونوں صورتیں یکساں بھی ہوتیں جب بھی یہ عبارت مفید نہیں۔ اس لئے کہ اس میں تصریح ہے کہ اذیت دائرہ ہے تو منع کیا جائے گا اور نادرہ ہے تو برداشت کی جائے گی۔ اور صورت واقعہ میں حسب بیان مدعا علیہ وہ کھڑکی صرف عورتوں کی آمدورفت کے لئے ہے اور حسب بیان حلقی مدعا علیہ نمبر ۵ اس کو ٹھری اور اس کی چھت پر مدعا علیہ کی لڑکی رہتی ہے۔ وہاں مردوں کا آنا ضرورت عیادت تھا۔ یہ عیادت دوائی نہیں کہ اس سے منع کیا جائے گا بلکہ شاذ و نادر ہے۔ اس لئے اس کو تحمل برداشت کرنا ہوگا۔

دوسری عبارت روائت جلد چہارم ص ۳۲۰ کی ہے: "قال في جامع الفصولين القياس في حسن هذه المسائل ان من تصرف في خالص ملكه لا يمنع ولو اضر بغيره النج۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ جامع الفصولین میں لکھا ہے کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی خالص ملک میں تصرف کرے، وہ روکا نہ جائے گا، اگرچہ اس سے غیر کو تکلیف پہونچے۔ لیکن یہ قیاس اس جگہ چھوڑ دیا گیا ہے، جب غیر کو بہتین ضرر پہونچے۔ کہا گیا کہ اسی کو اکثر مشائخ نے لیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اولاً یہ ناقص ٹکڑا بے محل نقل کیا گیا ہے۔ اس لئے اس پر پورے طور سے روشنی نہیں پڑتی کہ اصل مسئلہ کیا اور خذہ

المسائل کا مشار الیہ کیا ہے۔ اگر پوری عبارت نقل کی جاتی تو معلوم ہو جاتا کہ وہ مسئلے کیسے ہیں اور کس رتبے کے ہیں۔ عبارت کی ابتدا یوں ہے: ”وفی احیاء السوازل رجل اراد ان ینخذ حراسا فی بیتہ ویضر ذلک بدار جاره ضررا ینا بان کان یعلم ان دوران الریح اوریح دورانه یوهن بناء الجار یمنع عن ذلک هکذا اجاب ابو القاسم رحمه الله لانه وان کان مما یتصرف فی حالص ملکہ لکن یضر بجاره ضررا ینا وکثیر من مشایخ یلخ و مشایخ بخارا وافقوه فی هذا الجواب فالحاصل ان فی هذه المسائل وفی اجتامعها الخ“

ملاحظہ ہو فصول عمادی جلد دوم ص ۱۲۱۰ یعنی اجارات نوازل میں ہے کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ اپنے گھر بڑی چکی کہ گدھوں یا خچروں سے پھرائی جاتی ہے، بنائے اور اس سے پڑوسی کا سخت نقصان ہے کہ اس کے گھومنے کے صدمے یا اس کے ہوا کے تپانچے سے پڑوسی کا مکان کمزور ہوتا ہے، تو امام ابو القاسم نے فتویٰ دیا کہ اس شخص کو اس سے منع کریں گے۔ کیونکہ وہ اگرچہ اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے مگر اس سے پڑوسی کا تین ضرر ہے اور اکثر مشایخ یلخ و بخارا نے جواب میں ان کی موافقت کی۔ تو خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی ملک میں تصرف کرے، منع نہ کیا جائے گا۔ کہاں اس بڑی چکی کی وجہ سے پڑوسی کو تکلیف کہ اس کے صدمہ سے دیوار کمزور ہو جائے اور جار کے پاس اس کا کوئی چارہ نہیں اور کہاں یہ صورت واقعہ۔

ثانی پڑوسی کا محض نقصان قابل لحاظ نہیں بلکہ جب اسے سخت ضرر پہنچے جس کو بعض کتابوں میں ضرر تین، بعض میں ضرر فاحش، بعض میں ضرر زائد سے تعبیر کیا ہے۔ ہاں ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ آخر ضرر تین کی حد کیا ہے؟ میرے نزدیک یہی ضرر، ضرر تین ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ علماء کرام نے اس تصفیہ کو بھی اٹھائیں رکھا ہے۔

رد المحتار جلد ۳ ص ۳۷۶ میں فتح القدیر امام ابن الہمام سے نقل کیا، والحاصل ان القیاس فی جنس هذه المسائل ان یفعل المالك ما بدا له مطلقا لانه متصرف فی حالص ملکہ لکن ترک القیاس فی موضع یتعدی ضرره الی غیره ضررا فاحشا وهو المراد بالیین وهو ما یکون سببا للهدم او یخرج عن الانتفاع بالکلیة وهو ما یمتنع الجوائز الاصلیة کسوء الضوء بالکلیة واحتاروا الفتویٰ علیہ فاما التوسع الی منع کل ضرر ما فیسد باب انتفاع الانسان بملکہ کما ذکرنا قریبا اه ملخصا۔

”خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ مالک کو حق ہے کہ مطلقا جو کچھ چاہے کر سکتا ہے، کیونکہ وہ اپنے خالص ملک میں متصرف ہے۔ مگر یہ قیاس اس جگہ متروک ہے۔ کہ اس کی وجہ سے غیر کو سخت تکلیف پہنچے اور ضرر بین سے یہی مراد ہے کہ وہ مکان کے گرنے کا سبب ہو یا اس کی وجہ سے مکان قابل رہنے کے نہ رہے۔ یعنی خوائج اصلیه بالکل رک جائیں مثلاً روشنی بالکل بند ہو جائے۔ اور لوگوں نے فتویٰ کے لئے اسی کو پسند کیا ورنہ ہر ضرر کی وجہ سے منع کرنا تو انسان کو اپنی ملک سے فائدہ اٹھانے کا دروازہ ہی بند کر دیتا ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا۔

اسی رد المحتار میں بحر الرائق سے ہے، جس کی عبارت اوپر نقل ہوئی کہ ضرر فاحش وہ ہے جس سے بچنے کی کوئی

سبیل اس کے اختیار میں نہ ہو اور اگر دیوار کھینچ کر اس ضرر سے بچ سکتا ہے تو وہ ضرر، ضرر فاحش نہیں۔
 رابعاً رب العزّة جل جلالہ نے جسے نظر فقہی عطا فرمائی ہے، اس اختلاف میں فریقین کی قوت کو انداز کر سکتا ہے۔
 عبارت فصول عمادی شاہد ہے کہ یہ مذہب نہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے، نہ امام ابی یوسف سے منقول، نہ امام محمد سے مروی، نہ دیگر ائمہ مذہب سے بلکہ امام ابوالثام رحمہ اللہ کی رائے ہے جو امام یوسف کے شاگرد کے شاگرد کے شاگرد ہیں، جسے اکثر علماء بلخ اور مشائخ بخارا نے پسند فرمایا رضی اللہ عنہم۔ اور مطلقاً تصرف کا حکم اور بڑوسی کے نقصان کے خیال سے مالک کو اپنی خالص ملک میں تصرف کرنے سے روکنے کی ممانعت ہمارے ائمہ خمسہ، امام اعظم، امام ابی یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد کا مذہب ہے کما مر عن الحموی والبحر۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ اور فتویٰ جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ ہی پر عمل ہے اور فتویٰ ہمیشہ قول امام پر واجب ہے، اگرچہ صاحبین مخالف ہوں نہ کہ امام اعظم وصاحبین وبقیہ خمسہ سب متفق ہوں تو ان کا خلاف کیونکر روا ہو سکتا ہے؟ استحسان متاخرین، نظریہ تبدل حالات زمانہ نہیں کہ دفع ضرر، شریعت کے مسائل قدیمہ سے ہے۔ امام اعظم، امام ابی یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن کو معلوم نہ تھا کہ لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام؟ قطعاً معلوم تھا مگر ضرر مالک کو کہ حجر عن التصرف فی ملکہ والحاقہ بذلك بالبہائم ہے، ضرر انسانی پر مقدم رکھا۔ تو جمیع ائمہ مذہب کے خلاف بعض متاخرین کا استحسان کیونکر معمول یہ ہو سکتا ہے۔

بحر الرائق کتاب الزکوۃ باب الصرف میں ہے: "اذا اختلف التصحيح وجب الفحص عن ظواهر الروایۃ والرجوع اليها۔"

درمختار میں ہے: "يفتى بقول الامام على الاطلاق ثم يقول الثاني ثم يقول الثالث ثم يقول زفر والحسن۔"
 فتاویٰ تحریر میں ہے: "المقرر عندنا انه لا يفتى ولا يعمل الا بقول الامام الاعظم۔"
 شرح عقود میں ہے: "رايت في بعض كتب المتأخرين نقلا عن ايضاح الاستدلال على ابطال الاستبدال لقاضي القضاة شمس الدين الحريري احد شراح الهداية ان صدر الدين سليمان قال ان هذه الفتاوى هي اختيارات المشايخ فلا تعارض كتب المذهب قال وكذا كان يقول غيره من مشايخنا وبه اقول۔"

رد المحتار جلد ۴ باب الہیۃ میں ہے: "حيث علمت انه ظاهر الرواية وانه نص عليه محمد ورواه عن ابي حنيفة ظهر انه الذي عليه العمل۔"

صاحب درمختار نے اس مسئلہ کو کتاب القسمۃ میں اس طرح لکھا: "له التصرف في ملكه وان تضرر جاره في ظواهر الرواية السكل من الاشياء وفي المجتبى وبه يفتى وفي السراجية الفتوى على المتع قال المصنف فقد اختلف الاقتاء وينبغي ان يعول على ظواهر الرواية اہ"

علماء نے تصریح فرمائی کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے، ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں۔ وہ اگر روایت نوا اور بھی

ہو تو مرجوح عنہ ہے اور قول مرجوح پر افتاء قضا جہل و غرق اجماع ہے، نہ کہ مرجوح عنہ کہ وہ قول ہی نہ رہا، نہ کہ جو سرے سے قول ہی نہ ہو، لا جرم ایسے فیصلے کو منسوخ کرنے کا حکم فرمایا۔

رد المحتار میں ہے: ”ما خالف ظاهر الرواية ليس مذهبا لأصحابنا۔“

بحر الرائق میں ہے: ”ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوح عنه والمرجوح عنه لم يبق قولاً له۔“

صحیح قدوری و در مختار میں ہے: ”الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل و غرق للأجماع۔“

تنبیہ و شرح علائی میں ہے: ”وباعخذ القاضي كالمفتي يقول ابي حنيفة على الاطلاق ثم يقول ابي يوسف ثم

يقول محمد ثم يقول زفر والحسن بن زياد وهو الاصح منية و سراجية و عبارة النهر ثم يقول الحسن قتبه و صحیح فی

الحواری اعتبار قیوۃ المدرك والاول اضبط نهر ولا یخیر الا اذا كان مجتهدا بل المقلد متی خالف مذهبه لا ینفذ

حکمه و ینقض هو المختار للفتویٰ کما یسطه المصنف فی فتاواه وغیره و قدمنا لول الكتاب و سيجی۔“

رد المحتار میں ہے: ”القاضي مأمور بالحكم بأصح أقوال الامام فاذا حكم بغيره لم يصح۔“

یہ ترتیب اس وقت ہے جب ایک سے کچھ منقول نہ ہو تو دوسرے کی بات لی جائے گی اور اگر دوسرے سے بھی کچھ مروی

نہ ہو تو تیسرے کی، وہی طے القیاس۔ اور جب کسی امر پر ائمہ ثلاثہ متفق ہوں تو پھر عدول کی گنجائش ہی نہیں۔

محیط امام شریعی پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ”لا بد من معرفة فضلیں احدہما انہ اذا اتفق اصحابنا فی شیء ابو

حنيفة وابو يوسف ومحمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم لا ینبغي للقاضي ان یخالفہم براءۃ الخ۔“

فتاویٰ فقہائے ائمہ امام قاضی خان میں ہے: ”الحق فی زماننا من اصحابنا اذا استفتی فی مسئلة لو مثل عن

واقعة ان كانت المسئلة مروية عن اصحابنا فی الروایات الظاہرة بلا خلاف بینہم فانه یحمل الیہم ویفتی بقولہم ولا

یخالفہم براءۃ وان كان مجتهدا متقنا لان الظاهر ان یکون الحق مع اصحابنا ولا یعدوہم واجتہادہ لا یتبلغ

اجتہادہم ولا یطرق الی من خالفہم ولا یقبل حجۃ لانہم عرفوا الادلة ومیزوا بین ما صح وثبت و بین ضلۃ الخ۔“

جب مجتہد کے لئے اپنے ائمہ کے قول سے پھرنے کی اجازت نہیں تو مقلد کی کیا مجال؟ اس کے بارے میں تو

مقطوع و در مختار و رد المحتار میں مصرح ہے:

”وان لم یکن مجتهدا فعليه تقلیدہم و اتباع رائہم فاذا قضی بخلافہ لا ینفذ حکمہ۔“ ”یعنی اگر

مجتہد نہ ہو تو اس کو ائمہ مذہب کی تقلید اور ان کے رائے کی پیروی ضروری ہے تو اگر اس کے خلاف فیصلہ دے گا نافذ نہ ہوگا۔“

غرض مقلد کو قول امام پر فیصلہ دینا، مکر وغیرہ میں مصرح ہے اور اس کی تحقیق جلیل کے لئے فتاویٰ رضویہ میں مستقل

رسالہ ہے ”احلی الاعلام بان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام“ تو اسی پر فیصلہ کرنا واجب ورنہ نافذ نہ ہوگا۔

خاصاً خلاف ظاہر الروایۃ ہونے کی وجہ سے اس کا مرجوح ہونا ثابت ہو گیا۔ اب نہ ہی مگر اس پر فتویٰ دیئے

جانے کی وجہ سے اس کی تقویت۔ مگر عبارت در مختار سے معلوم ہو چکا کہ مفتی بد دونوں قول ہیں۔ اگر بعض علماء نے اس پر

فتویٰ دیا ہے تو بعض علماء نے اس پر بھی فتویٰ دیا ہے۔

درمختار کتاب القضاء مسائل شنی ج ۳ ص ۳۷۵ میں ہے: "ولا يمنع الشخص من تصرفه في ملكه الا اذا كان المستور بحارة ضررا يتناقص من ذلك وعليه الفتوى بترجيحه واختاره في العبادية والفتیٰ به قلوب الهداية حتى يمتنع الجار من فتح الطائفة وهذا جواب المشايخ استحسانا وجواب ظاهرا الرواية عدم المتع مطلقا وبه الفتیٰ طائفة كمالامام ظهير الدين وابن الشحنة والذہ ورجحه في الفتح وفي قسمة المحبتي وبه الفتیٰ واعتمد المصنف لهما فقال وقد اختلف الافتاء وينبغي ان يعول على ظاهر الرواية اهـ"

تو مفتیؒ نے ہونے کی وجہ سے تقویت دونوں میں مشترک ہے۔ اور ترجیح تول امام کو ہے، ترجیح قول ائمہ کو ہے، ترجیح ظاہر الروایہ کو ہے، ترجیح اس روایت کو ہے جو مطابق روایت ہو خصوصاً ایسی حالت میں کہ ذی علم ثالث کی منقولہ عبارت میں اس قول کو اکثر مشایخ کا اختیار کرنا، اس کا مفتیؒ یہ ہونا بلفظ قیل منقول ہے جو ضعف کا مشعر ہے اور ترجیح مقابل کے لئے مشہور۔ رد المحتار جلد اول میں ہے: "قالوا وقيل كلاهما مشعران بالطعف۔"

اسی میں ہے: "الحكاية بقيل ترجيح للمقابل۔"

پھر باوجود ان تمام باتوں کے ظاہر الروایہ کو ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ پس ظاہر الروایہ کو چھوڑ کر انہی قسم کے مذہب کو چھوڑ کر مشایخ متاخرین کے قول پر فیصلہ دینا نشان فقہیت و انصاف سے بعید ہے۔

تیسری عبارت فتاویٰ خیر یہ جلد ۲ ص ۲۰۲ کی ہے: "(سنن) فی الجار یرید فتح کوة علی حارہ و فی ذلك اطلاع علی عوارثه و حریمه او بناء غرفة او حائط علی جدار مشترك بينهما هل يمنع عن ذلك ام لا (احاب) اما مسئلة فتح الكوة ففيها استحسان و قياس النجـ"

"یعنی کسی نے علامہ خیر الدین رملی سے پوچھا کہ ایک پڑوسی روشندان کھولنے کا ارادہ کرتا ہے جس سے اس کے پڑوسی کی بے پردگی ہوتی ہے یا مشترک دیوار پر دیوار یا جمرہ کا بنانا چاہتا ہے۔ اس سے منع کیا جائے گا یا نہیں؟۔ آپ نے جواب دیا کہ روشندان کھولنے میں دو قول ہیں ایک استحسان و دوسرا قیاس۔ استحسان منع ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔" جیسا کہ نقل کیا اس کو فتاویٰ تارخانیہ میں اور مضمرات شرح قدوری میں تبذیب سے۔ اور تارخانیہ میں روشندان کے مسئلہ سے کچھ پہلے لکھا کہ خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی خالص ملک میں تصرف کرتے، اس سے روکا نہ جائے گا اگر چہ اس سے غیر کو ضرر پہنچے۔ لیکن یہ قیاس اس جگہ متروک ہے کہ اس کے تصرف کا ضرر دینے غیر کو پہنچے۔ اور ممانعت کا قول کیا گیا ہے مطلقاً اور اسی کو اکثر مشایخ نے لیا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ضرر دینے ہو جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ وہ سب معانی یہاں متحقق نہیں۔ شاید ذی علم ثالث کو قیل بالمتع مطلقاً سے دھوکا ہوا اور اس کو قول ثالث سمجھ کر بالکل موافق مدعا پایا مگر درحقیقت یہ قول ثالث نہیں کہ مطلقاً منع کیا جائے گا، چاہے ضرر دینے ہو یا نہ ہو۔ بلکہ یہ لفظ مطلقاً عبارت خیر یہ میں قلم ناسخ سے تراکھ ہو گیا ہے اور قیل، ترک کا معطوف ہے۔

علامہ شامی رد المحتار جلد ۳ ص ۳۷۵ میں عبارت جامع الفصولین نقل کر کے فرماتے ہیں: ”قلت قوله وقيل بالمنع عطف تفسير على قوله ترك القياس فليس قولنا ثالثا نعم وقع في الحيرة وقيل بالمنع مطلقا الخ ومقتضاه انه قول ثالث بالمنع سواء كان الضرر بينا او لاء لكن عزافى الحيرة ذلك الى التاخر حايه والعمادية وليس ذلك في العمادية كما رايت فالظاهر ان لفظ مطلقا يسبق قلم۔“

چونکہ عبارت عقود الدرر یہ تصحیح فتاویٰ حامد یہ جلد ثانی ص ۲۶۵ کی ہے: ”(سئل) فيما اذا كان لكل من جارين سطح بيت في داره مساو سطح الآخر رصار الان احدهما يصعد الى سطحه الخ۔“

یعنی سوال ہوا کہ دو پڑوسی ہیں جن کی گھر کی چھت دوسرے کی چھت کے مساوی ہے۔ ان میں ایک شخص اپنی چھت پر چڑھتا ہے اور جب وہ اپنی چھت پر چڑھتا ہے تو اس کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں اس کے عورتوں پر پڑتی ہے اور پڑوسی کہتا ہے کہ پردہ کی دیوار بنانے تک آپ چھت پر نہ چڑھیں۔ تو کیا پڑوسی کو اس کا حق ہے؟۔ جواب دیا کہ ہاں! اسے اس کا حق ہے۔“

یہ مسئلہ تو وہی ہے جس کا مفصل بیان نمبر ۱۲ میں گزر راگز ذی علم ثالث کو اصلا مفید نہیں۔ اس لئے کہ صورت واقعہ سے محض بے علاقہ۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں اس کی عورتوں پر پڑے اور صورت واقعہ میں ایسا ہرگز نہیں۔ یہاں نگاہ صرف چھت کی فضا تک پہنچتی ہے۔ اگر کوئی شخص مدعی کی چھت پر ہو تو جو شخص مدعا علیہ کی چھت پر ہو اس سے اس کی نگاہ چار ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ تو اس عبارت سے صورت واقعہ پر استدلال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بلکہ یہ عبارت ذی علم ثالث کے سراسر خلاف ہے۔ اس لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کی دیوار وہ شخص بنائے جس کی بے پردگی ہوتی ہو اور یہی مطابق روایت و درایت ہے۔ حدیث میں ہے: ”الغنم بالغرم۔“ مثل مشہور ہے ”جس کا بچے گا، وہ چھائے گا۔“ بخلاف ذی علم ثالث کے کہ انھوں نے مدعا علیہ کو حکم دیا کہ پردہ کی دیوار اس قدر بلند بنائے کہ اگر کوئی مرد متصل دیوار یا چھت پر کھڑا ہو تو بے پردگی زنانہ مکان مدعی کی نہ ہو۔ غرض ان چار عبارتوں میں اول بے علاقہ، دوم ناقص، سوم بالکل غیر مفید، چہارم مضر ہے۔

(۲۱) نمبرات سابقہ سے یہ بات روشن طرح پر معلوم ہوئی کہ فیصلہ محض یک طرفہ کیا گیا ہے، جو نہ شریعت مطہرہ کے مطابق ہے نہ عقل کے موافق۔ اور عبارتیں محض بھرتی کی ہیں تاکہ نگاہ عوام میں فیصلہ مدلل معلوم ہو۔ ان عبارتوں سے جن نمبروں کا جواب اخذ کیا گیا ہے وہ ہرگز ان سے مستفاد نہیں، نہ یہ جوابات مطابق شرع ہیں۔ بلکہ ان نمبروں کے جوابات یہ ہیں:

نمبر اول: کھڑکی بند کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر مدعی کی بے پردگی ہوتی ہے تو اپنے پردہ کی دیوار کھینچے۔

بحر الرائق جلد ۷ ص ۳۶ فتح القدیر امام ابن ہمام جلد ۳ ص ۲۸۵ میں ہے: ”لو فتح صاحب البناء في علو

بناؤه بابا او كوة لا يلحق صاحب الساحة منعه بل له ان يبني ما يشتر جهته۔“

نمبر دوم: سوراخ کے متعلق نمبر ۸ میں مفصل بیان ہوا کہ ان سوراخوں سے ہرگز بے پردگی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس

کے ذریعہ نگاہ سیدھی سہ منزلہ کی بلندی پر جائے گی، جس سے مدعی کا کچھ نقصان نہیں۔ پھر بھی مدعا علیہ نے اسے بندی کر دیا ہے تو بند کئے ہوئے کو پھر سے بند کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

نمبر سوم: مدعا علیہ نے اپنی ضرورت کے لائق دیوار تیار کرائی، اس کی ضرورت اسی قدر سے دفع ہو گئی۔ اب اگر مدعی کو پردہ کی ضرورت ہے، وہ اپنی دیوار بلند کرائے۔ مدعا علیہ کو دیوار بلند کرنے کا حکم دینا محض ظلم ہے۔

فصول عمادی جلد ۲ ص ۱۲۱ میں ہے: ”الانسان لا یجبر علی البناء فی ملکہ۔“

نمبر چہارم: اگر متنازع فیہ کو ٹھری کی چھت پر چڑھنے سے مدعی کی بے پردگی ہوتی ہے اور مدعی کی گھر میں نگاہ بد و نجس ہے اور مدعی خواستگار ہے کہ جب تک میں پردہ کی دیوار نہ کھینچ لوں اس پر نہ چڑھا جائے تو مدعی کی اس بات کا خیال کرنا چاہئے۔ اور مدعی کو چاہئے کہ جلد دیوار کا انتظام کرے ورنہ جیسا کہ ذی علم ثالث نے گول رکھا ہے کہ تا حصول مسورت پردہ اور مدعی کو پردہ کی دیوار بنانے کا حکم نہیں دیا۔ یہ ہمیشہ کے لئے مالک کو اپنی ایک مملوک چیز سے نفع اٹھانے سے محض مدعی کی خاطر ہے وجہ روکنا ہے۔ نمبر ۱۶ میں عبارت جاریہ لکھی کہ اگر پیچھے دے کر مالک کو اپنی ملک سے نفع اٹھانے سے روکے، جب بھی باطل ہے تو یہ صورت اولیٰ بالظہان ہوگی۔

نمبر پنجم: ہمیشہ کے لئے مدعی و مدعا علیہ دونوں کو خیال رکھنا چاہئے کہ کوئی حرکت یا کوئی کاروائی ایسی نہ کریں جس سے دوسرے کو تکلیف و ضرر پہنچے۔

(۲۲) بحمد اللہ جملہ ابحاث متعلقہ فیصلہ و جواب نمبرات سے فراغ پایا۔ اسے مختصر الفاظ فیصلہ کے متعلق یاد ہیں کہ ہماری بیوجہ عدم قبول حکیم و شروط بشرط کرنے اور عدم وجود شرط حکیم، ثابت نہیں ہوا۔ بفرض وجود و ثبوت قبل فیصلہ مدعا علیہ کے نقص و فسخ کی وجہ، حکیم کا عدم ہوگی حکم کو حکم دینا روا نہیں۔ ہماری تقدیر عدم فسخ فیصلہ ہذا بے حجت شرعیہ (بینہ و یمن و کمول) ہونے کی وجہ سے فیصلہ شرعی نہیں بلکہ ایک روئی کا غد ہے کہ مدعی کے حوالہ کر دیا گیا بلکہ اگر یہ وجہ نقص نہ بھی ہوتے تو از انجا کہ ثالث نے اپنے جمہور غم امام اعظم سیدنا ابو ضیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف، ظاہر الروایۃ کے خلاف، درایت کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ اس لئے محض باطل و غیر نافذ ہوگا۔ یہ فیصلہ، فیصلہ شرعی نہ ہوگا۔ واللہ یعلم الحق ویہدی السبیل وهو حسبی ونعم الوکیل واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ حل محلہ اتم واحکم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ

صدر مدرس مدرسہ عالیہ، شہرام

کتاب الاضحية ۱۰

مسئلہ مرسلہ از اماموہ از جانب محمد روح اللہ ۱۱ صفر ۱۳۲۳ھ

مسئلہ اولی: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بندوق سے بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر شکار مارا اور پھر بعد کرنے شکار کے، اس کے ذبح کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے پہنچنے تک شکار مر گیا۔ اب اس کا کھانا درست ہے اور وہ حلال ہے یا نہیں؟

مسئلہ ثانیہ: اس ملک میں اکثر ہندو کھٹک بکری کا گوشت فروخت کرتے ہیں اور مذبح میں ایک مسلمان ذبح کرنے والا مقرر ہے، وہی ذبح کرتا ہے۔ وہاں سے کھٹک اپنی دکان پر لے جا کر گوشت فروخت کرتے ہیں اور ان کی دکان پر کوئی مسلمان نگران نہیں رہتا۔ ان سے گوشت خرید کر کھانا درست ہے یا نہیں؟

مسئلہ ثالثہ: زید باوجود قدرت اس بات کے کہ زمین یا تخت پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن بلا عذر اپنے پٹنگ پر نماز پڑھتا ہے۔ یہ نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الاجاب

(۱) حلال نہیں کہ بندوق کا حکم تیر کے مثل نہیں۔ یہاں آگ وہ چاہے کہ اپنے وھار سے قتل کرے اور گولی چھرہ میں دھار نہیں ہوتی۔ بندوق کاٹ نہیں کرتی بلکہ قوت کرتی ہے۔

روا مختار میں ہے: لا یستحقی ان الحرج بالرحاض انما هو بالاحراق والنقل بواسطة الدفاع العتف اذ لیس له حد فلا یحل وہ لغنی ابن نجیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) صورت مستفسرہ میں اس گوشت کا خریدنا، کھانا اور کھانا سب ناجائز ہے۔ حیوان جب تک زندہ تھا، حرام تھا کہ اس کا یا اس کے کسی جز کا کھانا یا کھانا سب حرام تھا۔

حدیث میں ہے: "ما یقطع من البھیمة وہی حشۃ فہو میتة۔" پھر ذبح شرعی سے حلال ہوگا۔ اور وہ بر بنائے قول کھٹک ثابت نہیں کہ یہ امر دیانت متعلق حلت و حرمت کے ہے اور دیانت میں کافر کی خبر محض نامعتبر۔

در مختار میں ہے: "غیر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لافی الدیانۃ" ہاں اگر مذبح سے اس کے دکان تک کوئی مسلمان ساتھ آیا اور دکان پر بھی کوئی مسلمان موجود رہا، غرض اگر مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو تو اب اس مسلمان کی خبر کی بنا پر کہ وہی گوشت ہے جو مسلمان نے ذبح کیا تھا، اس کا خریدنا اور کھانا اور کھانا سب جائز ہے کہ اب وہ خبر مسلم ہے نہ کہ خبر کافر۔ اور خبر مسلم کی دیانت و معاملات ہر جگہ معتبر ہے بشرطیکہ

عادل آتھ ہو۔ ورنہ قلب پر اس کا صدق جتنا شرط ہوگا۔ فی التنبؤ: ”شرط العدالة فی الدیانات وتجرى فی الناس المستور۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ جو چیز ایسی ہو کہ سجدہ میں سر اس پر مستقر ہو جائے یعنی اس کا دینا ایک حد پر ٹھہر جائے کہ پھر کسی قدر مبالغہ کرے، اس سے زائد نہ دے، اس چیز پر نماز جائز ہے۔ خواہ وہ چار پائی ہو یا زمین پر رکھا ہوا گاری کا کھٹولہ یا کوئی شی اور۔ تو اگر چار پائی اس قدر سخت ہو، اس پر نماز جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

غیر میں ہے: ”ضابطہ ان لا یستقل بالتسفیل فحینئذ جاز سجودہ علیہ۔“

رد المحتار میں ہے: ”تفسیرہ ان المساجد لو بالغ لا یتسقل راسہ ابلغ من ذلك فصیح علی طنقمة وحصیر وحنطة وشعیر وسریر وعجلة ان كانت علی الارض اه“ مختصراً من العطايا التنبوية فی الفتاوی الرضویة وتامہ فیہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل محذہ احکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ ازراپور مدرسہ عالیہ مدرسہ مولوی ولی اللہ خاں علم بنگالی رجب ۱۳۲۳ھ

چدی فرمائید علماء دین دریں مسئلہ کہ اگر شخص مسلمان، جانور سے بنام اصنام بنود رہا کند۔ گوشت آں جانور خوردن حلال است یا نہ؟ و آں جانور در ملک وے ماند یا نہ؟ و حکم آں کس چدی علیٰ ہذا اگر بنود بنام اصنام خود جانور سے رہا کند یا چیز سے بدبدہ استعمال و خوردن آں از روئے شرع شریف جائز است یا نہ؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

از رہائی جانور بنام اصنام بنود حرام نمی شود۔ قال تعالیٰ: ”مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ تَجْوِیةٍ وَلَا سَانِیةٍ وَلَا مَصْنِیةٍ وَلَا خِامٍ وَلَکِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ الْکَذِبَ وَاکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ“ (المائدہ: ۱۰۳) ”اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چرا ہوا اور نہ بجا اور نہ وصیلہ اور نہ حامی۔ ہاں! کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افترا باندھتے ہیں اور ان میں اکثر ترے بے عقل ہیں۔“ (کنز الایمان)

قال فی الحذاریک: ”یفترون علی اللہ الکذب فی نسبتہم هذا التحریم الیہ واکثرہم لا یعقلون ان اللہ تعالیٰ لم یحرم ذلك۔“

در ملک او بلاشبہ باقی میماند کہ وقت رہا کر دیش نمی گوید۔ ہر کہ بگیرد ملک اوست و نہ ایں را در ملک غیر دارند۔ در فتاویٰ عالمگیری است: ”من له دابة وقال ”لا حاجة لی الیہا“ ولم یقل ”ہی لمن اخذھا“ فاحذھا انسان لا تكون له۔“

بدیں وجہ گرفتار و ذبح کردن غیر آں جانور سے درست نیست۔ لانه ملک الغیر فان احازہ حاز بلا شبهة۔ و اما رہا کردن مسلم بنام صنم ہیں اگر بنیت تعظیم و تقریب ہاں بت باشد البتہ کفر است۔ و آنکہ آں جانور ملک از

جواب

(جواب اول) نہ لوگوں کو اسے پکڑ کر بیچنا جائز، نہ خریدنا و نہ اسے کھانا حلال۔ نہ اس کی قربانی کافی۔ لہذا باع مالا یسلکھ نہ ہو جو چیز اپنے بت گنگا جمنہ خاک بلا کے نام سے اس پر چڑھا کر چھوڑ دیتے ہیں، اس سے ان کی ملک نہیں نکل جاتی۔ وہ بدستور ان کی ملک پر باقی رہتی ہے۔ ہاں صراحت یا دلالت جب معلوم ہو جائے کہ اس غرض سے چھوڑا ہے، جو پکڑ لے اس کی ملک ہے، تو البتہ اسے پکڑنا اور بیچنا جائز ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”لو سب دابته وقال لا حاجة لی الیہا ولم یقل ہی لمن اخذہا فاحذہا انسان لا یتکون لہ۔“

رواجتار میں ہے: ”النقی شیئا وقال من اخذہ فہو لہ فمن سمعہ او بلغہ ذلك القول ان یأخذہ والا لہ یسلکھ۔“

اور دلالت حال یہ کہ عرف عام اس طور پر ہو کہ یہ چھوڑنا اور بیچنا اس غرض سے ہو کہ جو پالے اس کی ملک ہے۔ جیسے لوگ شادیوں میں روپیے پیسے یا محرم میں روٹیاں بسکٹ لٹاتے، بیچتے ہیں۔ اب خریدنے والے کو اس کا کھانا حلال ہے۔ اور جب یہ مالک ہو گیا تو قربانی بھی حلال ہے اگر تہائی یا زیادہ کان کاٹ کر جدا نہ کر دیا ہو ورنہ قربانی نہ ہو سکے گی۔ تنویر الابصار میں ہے: ”ولا یضحی بحفظ طوع اکثر الاذن مختصرا والثلث فصاعدا وهو ظاهر الروایۃ وصحیحہ فی النعانیۃ وعلیہ الفتویٰ ومشی علیہا فی مختصر الوقایۃ والاصلاح۔“

مگر ان چھوڑنے والوں کا یہ تقصیر ہرگز نہیں ہوتا۔ لہذا وہ ان کے ملک سے خارج نہیں ہوتا اور ان کا کھانا قربانی کرنا کچھ روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(دوم) دونوں کو ثواب ملے گا۔ حدیث میں ہے: ”والمدان علی الخیر کفاعلہ۔“ رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود والامام احمد فی مستندہ وابو یعلیٰ والفضیاء عن بریدۃ وابن امی الدنیا فی قضاء الحوائج عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(سوم) ولادت سے بلوغ تک حقیقہ کا وقت ہے۔ جب چاہے کرے۔ مگر بہتر ساتواں دن ہے۔ شرح عمایاب علامہ ابن حجر مہر حق والدردیہ علامہ ابن عابدین شامی میں ہے: ”وقتیہا بعد تمام الولادة الی البلوغ فلا بحرئ قبلہا وذبحہا فی الیوم السابع۔“

سراج الوباح میں ہے: ولو قدم یوم الذبح قبل یوم السابع او اخر عنه جاز الا ان یوم السابع افضل۔ بلکہ باقائے جان حقیقہ ممکن۔ حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ظہور نبوت خود اپنا حقیقہ فرمایا۔ حقیقہ کے ساتھ وہ بال جدا کئے جاتے ہیں جو بیٹ سے پیدا ہوئے اور جب وہ ایک بار جدا ہو گئے تو اب حقیقہ کے ساتھ بال تراشنا کوئی ضروری نہیں۔ احادیث میں ”وامسبطوا عنہ الاذنی“ فرمایا ہے یعنی پیٹ سے جو بال لے کر پیدا ہوا وہ دور کر دئے

جاتے ہیں۔ اس واسطے اس کو عقیقہ کہتے ہیں کہ اصل عقیقہ کے معنی وہ بال ہیں جو لڑکے کے سر پر وقت پیدائش کے ہوتا ہے۔ کما فی الکبرمانی شرح البخاری عن الاصمعی۔ خصوصاً اگر لڑکی کا عقیقہ جوانی میں کیا جائے کہ عورت کو سر کا بال موٹا نا حرام ہے، مثل داڑھی کے، واسطے مردوں کی۔

در مختار میں ہے: ”فقطعت شعر واسہا ائمت ولعنت زاد فی البزازیة وان یاذی الزوج، لانه لا طاعة للمخلوق فی معصیة الخالق ولذا یحرم علی الرجل قطع لحيته۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ فقہ الدین البہاری

☆☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مفتی کلیم الدین، پورنیہ ڈاکخانہ ٹیسی ہاٹ موضع چوپڑا۔ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

سوال اول: یہ کہ نمازی، پرہیزگار و صوفی شخص اگر بے نمازی، گناہگار کے ساتھ شریک ہو کر قربانی کرے تو ایسی قربانی کی فضیلت و ثواب پرہیزگار کو ملے گا یا نہیں اور اس کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے اس صوفی کے ثواب میں کمی تو نہ ہوگی؟

سوال دوم: حدیث فعلی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خصی اہلق سنگدار اپنی طرف سے قربانی کئے اور دوسرا ایک خصی بھشت مذکورہ ساری امت کی طرف سے قربانی کئے۔ پس ہم لوگ امتان محمدی کو دو چار آدمی شریک ہو کر ناجائز ہونے کی کون سی قولی حدیث و دلیل ہے؟ جواب مدلل تحریر فرمایا جائے۔

سوال سوم: اس ملک میں رواج ہے کہ لڑکوں کے تختے میں طعام داری، طویل خواہ لکھ کر دے ہیں و برادروں و یگانوں کو دعوت کرتے ہیں۔ ایسی دعوت کھانا اور اس مولود شریف میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟ سوال چہارم: مثلاً نکاح باندھ دینے والے والد، اہل نصاب، صاحب زکوٰۃ کو دولہا کی طرف سے عقد خوانی میں کچھ روپیہ پیسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال پنجم: جن شخصوں نے کبھی دلہن کو نہ دیکھا ہے، نہ اس کی آواز پہچانتا ہے، ایسے شخصوں کی شہادت سے نکاح جائز ہوتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ بجائے اس دلہن کے بوجہ شرارت و دشمنی کے دوسری کسی رذیل قوم کی لڑکی سے ایجاب کرادے اور گواہان کو تیز نہ ہو کہ یہ منسوب شدہ لڑکی ہے یا دوسری ہے؟

سوال ششم: کسی شخص نے اپنی جوڑو سے جھگڑا مار پیٹ کر کے یوں کہا کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا، تم میرے گھر سے نکل جاؤ۔ اتنا کہنے پر وہ عورت اپنے شوہر کے گھر سے نکل گئی۔ بعد گزرنے تین چار ماہ کے اس کا شوہر چاہتا ہے کہ اس بی بی کو لے آدے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ چھوڑنے کا لفظ کہنے کے سبب اس پر طلاق پڑ گئی ہے۔ یہ سن کر وہ عورت چاہتی ہے، دوسرا شوہر کروں۔ پس وہ عورت دوسرا شوہر کر سکتی ہے یا نہیں؟

سوال ہفتم: ایک شخص زنا میں پکڑا گیا۔ بستی کے سردار و چچا بھائی نے مل کر اس زانی سے مثلاً سو روپیہ لے کر اس

روپیہ سے شامیانہ یا فرش و مصلا خرید کیا۔ اس شامیانہ کے بیچے، فرش اور مصلا کے اوپر بیٹھنا، نماز و مولود شریف پڑھنا، مستحق ثواب ہو گا یا نہیں؟

الجواب

(۱) نمازی و پرہیزگار اگر بے نمازی اور گناہگار کے ساتھ قربانی میں شریک ہو تو اس کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے ثواب میں کمی نہ آئے گی۔ ہاں مشرک کے شریک ہونے سے قربانی نہ ہوگی۔ اس لئے کہ شرکت بنیت قربت ہونی چاہئے اور مشرک قربت کا اہل نہیں۔

رد المحتار جلد پنجم ص ۲۰۷ میں ہے: "والمراد انہا تجزى بنية القرية من كل منهم ولو اختلف جهات

القرية۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) حدیث قولی و فعلی سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے، بیشک اس پر عمل کرنا چاہئے اور سنت جان کر عمل کرنے والوں کو بہت ثواب ملے گا۔ یعنی ہر شخص ایک خصوصی بھفات قربانی اپنی طرف سے کرے اور دوسرا شخصی اپنے تمام بھائی مسلمانوں کی طرف سے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ حضور نے یہ تو نہیں کہا کہ چند اشخاص جن پر قربانی واجب ہے، ان سب کو فرمایا ہو کہ تم کو الگ الگ خصوصی کرنے کی ضرورت نہیں، ایک ہی میں شریک ہو جاؤ۔ ایک کسی کار خیر میں لوگوں کو شریک کر لینا اور ایک اس پر سے سقوط واجب جاننا، ان دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ ولہذا ظناہر لمن لہ عقل کامل وفہم سالم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) ایسی طعام داری کی شرکت میں کوئی مضاقتہ نہیں، نہ مولود شریف نا جائز بلکہ بہر اور باعث ثواب ہے۔ قال تعالیٰ: "وَأَقِمَّ وَصِيَّتِي رَبِّكَ فَخَلِّدْتُ" (الضحیٰ: ۱۱) اور خوشی و سرت کے موقع پر عزیز و اقارب، دوست و احباب کی دعوت بھی مستنون ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورہ بقرہ تمام کیا تو اونٹ ذبح کیا اور لوگوں کی دعوت کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) اگر دولہا، نکاح کرنے والے قاضی کو کچھ بطور ہدیہ پیش کرے، اگرچہ وہ شخص مالدار، صاحب ثروت ہو، لینے میں مضاقتہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ زکوٰۃ کا پیسہ نہیں کہ اغنیاء کو لینا حرام ہو بلکہ ہدیہ و تحفہ ہے۔ اس کے لینے میں مضاقتہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) مسئلہ نکاح میں عام طور پر ایک غلط فہمی ہو رہی ہے۔ وہ یہ کہ جو لوگ عورت سے توکیل کے لئے جاتے ہیں، جن کے سامنے عورت توکیل کا اقرار کرتی ہے، انہیں کو نکاح کا گواہ سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ وہ شخص جو زنانے میں جا کر عورت سے اجازت لیتے ہیں، وہ صرف توکیل کے گواہ ہیں۔ یعنی ان دونوں کے سامنے عورت نے فلاں شخص کو نکاح پڑھانے کی اجازت دی۔ نکاح کے گواہ وہ سب مجمع والے ہیں اور وہ لوگ جن کے کہنے سے شوہر نے اقرار و قبول کیا۔ غرض جن جن لوگوں نے اقرار و قبول کے الفاظ سنے، وہ سب کے سب نکاح کے گواہ ہیں۔ اب اگر کسی روئل قوم کی لڑکی سے کسی نے

اقرار نکاح کیا تو اس نکاح کے گواہ سب مجمع والے ہوں گے۔ پھر اس عورت نے اگر واقعی اس کو وکیل نہ کیا تو پھر یہ نکاح، نکاح فضولی ہوگا، عورت کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر اجازت دے گی جائز ہوگا ورنہ باطل۔ اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ خود عورت جوان، عاقلہ، بالغہ ہو ورنہ اگر کس لڑکی ہے تو اس کے ولی کی توکیل کافی ہے۔ وھذا کشفہ ظاہر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) اس کہنے سے بیشک وہ عورت مطلقہ ہوگئی۔ شوہر اول نکاح کے بعد البتہ اس کو رکھ سکتا ہے، بشرطیکہ ایک ہی مرتبہ کہا ہو، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے۔ اور اگر تین مرتبہ کہا تو حرمت خلیفہ ہوگی، صرف نکاح کافی نہیں، بغیر حلالہ جائز، درست نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) اس طرح سے جرمانہ کرنا شرعاً درست نہیں۔

رد المحتار جلد ۳ ص ۱۸۳ میں ہے: "قولہ لا یأخذ المال فی المذهب قال فی الفتح وعن ابی یوسف حضور التعمیر للسلطان بأخذ المال وعندہما وباقی الائمة لا یجوز اہ مثله فی المعراج و ظاہرہ ان ذلک رواية ضعيفة عن ابی یوسف قال ولا یقتی بهذا لما ہیہ من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس فیما کلونہ و مثله فی شرح الوهبانیة عن ابن وہبان۔"

تو جب مفتی بہ مذہب پر جائز نہیں ہے تو یہ مال لینا عصب کے حکم میں ہوگا۔ اس سے ان چیزوں کا بنانا جائز نہیں۔ ہاں! اگر وہ شخص بخوشی اجازت دے کہ میں نے شامیانہ، فرش، مصلیٰ کے لئے یہ رقم بخوشی دی تو اس پر نواز پڑھنے، مولود شریف پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ورنہ اگر چہ نماز ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی کبیر الدین صاحب از بین ضلع پٹنہ ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھال کی قیمت سے عین مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ جینہ تو جروا۔

الـجـواب

تعمیر مسجد از سر نو یا حرمت اس کے قربانی کی کھال بلکہ اس کے گوشت کی قیمت سے بھی بلاشبہ جائز ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: "و یصدق بجلدھا او بجزء منها و کان لہ التصدق والانتفاع بہ لا بیعہ بالمراحم لیستفق علی نفسه و عیالہ واللحم بسترلہ الجلد فی الصحیح ولو باعھا بالمراحم لیستفق بہا جار لآلہ قربة کمالہ صدق اہ۔"

"اور مستحب ہے کہ صدقہ کرے اخیر کے چمڑے کو کہ چمڑہ اس کا جزء ہے اور اس کا حق تصدق اور نفع اٹھاتا ہے۔ نہیں جائز ہے بیچنا کھال کا داموں سے تاکہ اپنے اور گھر والوں کے صرف میں لائے اور صحیح مذہب میں گوشت کھال کے مرتبے میں ہے اور اگر کار خیر میں صرف کرنے کے لئے بیچا تو جائز ہے۔" ھکذا فی الکشاف فی الہدایۃ والنہیین

والبحر والحلیة وخزانة المفتیین وفتح الله المعین۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”کلوا وادخروا وفضلوا“ کھاؤ اور جمع رکھو اور صدقہ کرو۔
رواہ مسلم والبخاری واحمد عن عائشة ولاہی داؤد عن تبشہ الہذلی: ”کلوا واشربوا وادخروا
واتنحروا۔“ کھاؤ اور پیو اور جمع کر رکھو اور وہ کام کرو جس میں ثواب ہو۔

اور شک نہیں کہ تعمیر مسجد کا ثواب ہے بلکہ اس کا ثواب اتنا نہیں کہ کوئی بتا سکے کہ وہ مسالا عین رات ولا اذن
سمعت ولا يحطرن علي قلب بشر جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی دل پر اس کا خطرہ گذرا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”ان مما يلحق المؤمن من عمله بعد مجاءته مسجداً بناءً“
بیشک مسلمان کے ان عملوں سے جن کا ثواب بعد موت بھی ملتا ہے، مسجد ہے، جو اس نے بنائی۔ اخصر حہ ایضا خزینة
وماحة والبيهقي عن ابی هريرة رضي الله عنه۔

دوسری حدیث میں ہے: ”من بنى لله مسجداً“ جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے ”وفى رواية ولى
كشف حص قطاة“ اگرچہ قطا کے گھونسلے جیسی ”وفى رواية او اصغر“ یا اس سے بھی چھوٹی ”وفى رواية يذكر الله
عز وجل فيه“ تاکہ اس میں ذکر خدا ہوئے (نہ کہ مسجد ضار کہ تفریق بین المسلمین وتقليل جماعت کی غرض سے بنائی
جائے) ”بنى الله له بيتا فى الجنة“ اللہ اس کے لئے گھر جنت میں بنائے گا ”وفى رواية“ من درو وياقوت“ موتی اور
ياقوت کے رواہ ابن ماجه وابن حبان وسيدنا ابو حنيفة وابن خزيمة والبراقى مستند والطبرانى فى
الصغير والترمذى وهو فى الكبير والاوسط وابن عدى والنسائى عن سيدنا عثمان وعمر و جابر بن عبد الله
وابى ذر وانس بن مالك وابى امامة وابى هريرة واسماء بنت الصديق وعمر بن عتبة رضي الله تعالى
عنهم اجمعين۔

پھر یہ ثواب صرف اسی پر نہیں کہ ساری مسجد خود بنائے یا مال کثیر سے شرکت کرے۔ بلکہ ہر شرکت والے کو بے کم
وکاست اتنا ہی ثواب ملے گا۔ ”لا ينقص عن اجورهم من شيء۔“

بالجملہ تعمیر مسجد قیمت جلوداضیہ سے بلاشبہ درست ہے۔ چاہئے کہ کمال مہتمم تعمیر کے حوالہ کریں کہ وہ اُسے بچ کر
تعمیر میں لگائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

”اعلام المساجد بصرف جلود الاضحية فى المساجد“ (۵۱۳۲۵)

مسئلہ مسئلہ جناب شیخ محی الدین اشرف رئیس بن ضلع پٹنہ اور ترمذی الحنفیہ الحرام ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پوست اخیہ سے تعمیر مسجد جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو کس کس کام میں لے سکتے
ہیں؟ فقہائے کرام جو ”بئصدق بجلدها“ فرماتے ہیں اس سے مراد صدقہ واجبہ ہے یا ناقصہ؟ بیواؤ تو جروا۔

جواب

بلاشبہ پوست اضحیٰ کو تعمیر مسجد کے لئے دینا، اس سے مسجد کی تعمیر، مرمت، قلعی کرنا، اس کے لئے جانماز، بوریہ، چٹائی، لوٹے، ریشی، ڈول، جھاڑو، چراغ، بیٹھاتیل خریدنا جائز ہے۔ (مٹی کا تیل مسجد کے لئے نہ خریدیں کہ اس کا مسجد میں جلانا یا کسی اور بدبودار چیز کا مسجد میں لے جانا، یا اسلامی کھینچنا سب مکروہ تحریمی ہے۔ احکام و آداب مسجد میں ہے کہ وہ ہر بدبودار چیز سے بچائی جائے جس سے لوگوں کو ایذا پہنچتی ہو۔ اسی لئے احادیث میں کچا لہسن، کچی پیاز کھانے والے کو مسجد کے قریب آنے سے بھی ممانعت آئی ہے۔ زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں جس شخص کے منہ سے لہسن، پیاز کی بو آتی، بیقیع شریف تک نکال دیا جاتا۔

صحیح مسلم شریف میں ہے: "ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطب یوم الجمعة فذکر: انکم ایہا الناس تاكلون شجرتين لا اربھما الا حیثین هذا البصل والثوم ولقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وجد ریحھما من الرجل فی المسجد امر به فاجرج الی البقیع" رواہ عن معدان بن ابی طلحة رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اسی بنا پر علماء کرام نے، جس شخص کے آنے سے نمازیوں کو نفرت ہوتی ہو، انہیں ایذا پہنچتی ہو، اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دی اور تصریح فرمائی کہ وہ مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ مثل قصاب، مانی فروش، جذائی، مبروص، گندہ دہن، گندہ بغل، وغیرہ وغیرہ۔

درمختار والاشباہ والنظائر میں ہے: "یکرہ دخوله لمن اکل ذاریح کریمہ ویمنع عنہ وکذا کل موز ولو یلسانہ او فی الطحطاویہ کمغتاب ونمام او"

عمدة القاری شرح صحیح بخاری پھر رد المحتار شرح ترمذی ابصار میں ہے: "یلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل مالہ رایحہ کریمہ ما کولا او غیرہ والقصاب والسماک والمحلوم والابرص اولیٰ بالاحاق۔"

نووی شرح صحیح مسلم میں ہے: "قال العلماء ویلحق بالثوم والبصل والکراث کل مالہ رایحہ کریمہ من الماکولات وغیرھا۔ قال القاضی ویلحق به من اکل فحلا وکان یتحشی قال وقال ابن المرابط ویلحق به من به یخر فی فیہ او به جرح له رایحہ۔ وفيه تحت قوله "فانخرج الی البقیع" فیہ اخراج من وجد منه ریح الثوم والبصل ونحوهما من المسجد وازالة المنکر بالید لمن امکنہ او۔"

مسجد کے لئے حسب حاجت جھاڑو قانوس، ہانڈی، مومی جی وغیرہ خریدنا، مسجد کے لئے حدود حرم سے باہر کنواں، غسل خانہ، استنجی خانہ، پاخانہ بنانا، امام موزن چاروب کش مسجد کی تنخواہیں دینا، سب کچھ جائز و درست ہے۔ ظاہر ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود قربانی سے ہرگز ہرگز گوشت و پوست، شعر و بر، صوف و خم نہیں، نہ ان کا نام قربانی ہے۔ بلکہ وہ ایام مخصوصہ میں اراقت دم مخصوص قربانی الی اللہ ہے۔ اس واسطے ایام نحر میں اس جانور کے زندہ صدقہ کرنے سے

قربانی اور انہیں ہوتی بلکہ غنی پر دوسرے جانور کی قربانی واجب ہوتی ہے۔

رد المحتار جلد پنجم میں جو ہرہ خیرہ شرح قدوری سے ہے: "والدلیل علیٰ انہا الاراقۃ لو تصدق بعین

الحيوان لم يحز والتصدق بلحمها بعد الذبح مستحب وليس بواجب۔"

اسی میں ہے: "فان تصدق بعینہا فی ایامہا فعلیہ مثلہا مکانہا لان الواجب علیہ الاراقۃ۔"

نہ قبل از ذبح یا مذبح قبل از وقت کے دودھ، اون، گوشت یا کسی جز سے انتفاع درست اور اگر دودھ دوہ لیا یا

اون کاٹ لی تو اسے اپنے مصرف میں نہیں لاسکتا۔ بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اور بعد قربانی کرنے کے اس میں ہر قسم

کے تصرف کا، سوا اتمول کے، مجاز مختار ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ جلد پنجم میں ہے: "ولو اشترى شاة للاضحية بكرة ان يحلبها او يحز صوفها فيستفع

به لانه عينها للقرية فلا يحل له الانتفاع بجزء من اجزائها قبل اقامة القرية بها كما لا يحل له الانتفاع

بلحمها اذا ذبحها قبل وقتها بدائع۔ ولو حلب اللبن من الاضحية قبل الذبح او حز صوفها يتصدق به

ولا يستفع به كذا فی الظهيرية واذا ذبحها فی وقتها حاز له ان يحلب لبنها ويحز صوفها ويستفع به لان

القرية اقيمت بالذبح والانتفاع بعد اقامة القرية مطلق كالاكل كذا فی المحيط او" مختصرا۔

یعنی اقامت قربت اضحیٰ سے انتفاع جائز نہیں۔ اور بعد قربانی کرنے کے اس کے دودھ، گوشت، صوف سب

سے انتفاع روا کہ قربت تو ذبح ہی سے حاصل ہوگئی اور بعد اقامت قربت انتفاع مطلقا جائز ہے۔ جس طرح اور جس وجہ

سے ہو، نفع اٹھا سکتا ہے۔ دینی ہو یا دنیاوی۔ گوشت کو انہیں دنوں میں کھائے یا بعد کے لئے اٹھا رکھے۔ پوست کی کوئی چیز

استعمال مثل ڈول، مشک، چھلنی، پوشین، توشہ دان، فرش، بکی، ترازو، چھاگل، دسترخوان، بستر بند، جلد کتاب، بیک، جوتہ

موزہ، تسمہ، جامناز، زین، ساز، لگام، پر تلہ، کپی، دھوکنی، وغیرہ بٹائے یا اس سے کوئی ایسی چیز بدل لے جو بعینہ استعمال

میں آتی ہو جیسے برتن، کپڑا، کتاب، قلمدان، الماری، بکس، فانوس، لیپ، میز، کرسی، تخت، تپائی، ٹیبل، کواڑ، سادار، چاندان،

پرچ، پیالیاں، نقس، بکس، کیش بکس، بیٹی، صندوق، لائین، جھیکا، دیوار گیر، کھوٹی، کھڑاؤن، وغیرہ۔ ہاں وہ چیزیں نہ بدلے

جن سے انتفاع بعد استہلاک ہوتا ہو۔ جیسے گوشت، ترکاری، غلہ، نمک، مسالا، مٹھائی، حلوا، ربڑی، برف، مکھن، دودھ، دہی،

گھی، چاول، دال وغیرہ۔ کہ اس قسم کی چیزیں بدلنا نہ گوشت پوست سے جائز، نہ اس کی چربی، سر، پائے، اون، بال، دودھ

وغیرہ اسے روا۔

عالمگیریہ جلد ۵ میں بدائع شرح تھتہ الفقہاء سے ہے: "ولا يحل شحمها واطرافها وراسها وصوفها

ووبرها وشعرها ولبنها الذي يحلبه منها بعد ذبحها بشيء لا يمكن الانتفاع به الا باستهلاك عينه من

الدراهم والدنانير والماكولات والمشروبات۔"

مگر یہ یاد رہے کہ اپنے لئے برتن وغیرہ سے اشیاء مستعملہ یعنی کھانا کو چمڑے سے بدلنا جائز ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کھال یا

۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱
۲۲
۲۳
۲۴
۲۵
۲۶
۲۷
۲۸
۲۹
۳۰
۳۱
۳۲
۳۳
۳۴
۳۵
۳۶
۳۷
۳۸
۳۹
۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰

گوشت یا اس کے کسی جزء کو روپوں سے بیچیں پھر ان روپوں سے یہ سب چیزیں خریدیں کہ یہ درست نہیں۔
رد المحتار جلد ۵ میں طحاویہ حاشیہ در مختار سے ہے: "قوله (بما ينتفع بعينه) ظاهر انه لا يجوز بيعه
بدرهم ثم يشتري بها ما ذكره ويفيده ما ذكره عن البدائع۔"

کہ اپنے لئے کھال یا گوشت، روپوں سے بیچنا مطلقاً ممنوع ہے۔ بیچ لیا تو اس میں روپوں کو اپنے مصرف میں لانا
جائز نہیں بلکہ اس کا تصدق واجب۔ لانہ حصل بوجه حبس لحديث التمول المنهى عنه وكل مال صفته
هكذا يجب تصدقه۔ قال في الهداية: "ولو باع الجلد او اللحم بالدرهم او بمالا ينتفع به الا بعد
استهلاكه تصدق بثلثه لان القرية انتقلت الى بدله اه" وسبيلها التصدق اه عناية قلت كذا علله في
الكافي حيث قال تصدق بثلثه لان معنى التمول سقطه عن الاضحية فاذا تمولها بالبيع انتقلت القرية
الى بدله فوجب التصدق۔

چاہے پھر ان روپوں کو اپنے پاس رکھے یا ان سے کوئی چیز خریدے کہ ہر طرح تمول ہے اور اضحیہ سے تمول مطلقاً
ناجائز۔ اس واسطے اگر کسی نے پوست یا گوشت قربانی فقیر کو بہ نیت زکوٰۃ دیا، زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔ اور اگر اس نے کسی امیر کو
ہدیہ دیا اور اس نے بہ نیت زکوٰۃ فقیر کو دے دیا، اس کی زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ اس لئے کہ صورت اولیٰ میں تمول پایا گیا کہ اس پر
بقتا روپیہ پوست میں منہا ہوا، اتنا اسے بیچ رہا۔ بخلاف دوسری صورت کے کہ اس نے غنی کو ہدیہ دیا اور ہدیہ دینا اضحیٰ کو
درست ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے: "ولا باس بان يهدي الاغنياء۔"
عالمگیریہ میں فتاویٰ غیاثیہ سے ہے: "ويهب منها (اي من الاضحية) ماشاء للغني والفقير۔"
اور بعد قبول ہب وہ پوست اس کے تمامی املاک کی طرح اس کی ملک ہے۔ جس طرح اپنے مال کو زکوٰۃ میں دے
سکتا ہے اس کا دینا بھی درست اور صحیح ہے۔

رد المحتار جلد ۵ میں قہستانی سے ہے: "اذا دفع بنية الزكاة لا يحسب عنها في ظاهر الرواية لكن اذا دفع
لغني ثم دفع الغني بنيتها (الزكاة) يحسب۔"

دینی فائدہ یہ کہ گوشت اپنے عزیز و اقارب، احباب و اصحاب کو کھلائے یا ان کے گھر بھیج دے۔ پوست کسی فقیر یا
غنی کو عینہ یا اس کی چیز موزہ، پوستین، ٹکیہ، وغیرہ بنوا کر ہدیہ دے یا اس سے کوئی چیز مستهلك یا غیر مستهلك بدل کر یا روپیوں
سے بیچ کر صدقہ کرے یا کسی نیک کام میں صرف کرے یعنی نفع عام کی کوئی چیز مدرسہ، خوش، پل، نہر، سرائے، کنواں، مسجد،
شفا خانہ، قبرستان کی حفاظت وغیرہ کی تعمیر کرائے۔ غرض ہر اس کام میں جس میں ثواب ہو، صرف کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

عالمگیریہ میں تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق سے ہے: "وینصدق بحلدها او بعمل منه نحو عربال
وجراب ولا باس بان يشتري به ما ينتفع بعينه مع بقائه استحسانا وذلك مثل ما ذكرنا ولا يشتري به

مالا يستفح الا بعد استهلاكه نحو اللحم والطعام ولا يبيعه بالدراهم ليتفق الدراهم على نفسه وعياله
واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به الا بعد الاستهلاك ولو باعها بالدراهم
ليصدق بها جاز لانه قربة كالتصدق كذا في التبيين. وهكذا في الهداية والكافي۔“

”یعنی اور مستحب ہے کہ کار خیر میں لگائے پوست اضحیہ کو یا اس سے چلتی اور موزہ یا کوئی اور چیز اس کے مثل
بنائے۔ اور نہیں مضائقہ کہ خریدے اس سے وہ چیز کہ بعینہ اس چیز سے نفع اٹھایا جاتا ہو مثل اول چیزوں کے کہ ذکر کیا ہم
نے اور نہ خریدے اس سے وہ چیز جس سے قبل از استهلاك نفع غیر متصور ہو جیسے گوشت غلہ اور پوست کورہ ہوں سے تاکہ
اپنے اور اپنے عیال کے صرف میں لائے اور صحیح مذہب میں گوشت پوست کے حکم میں ہے۔ اتنی لئے نہیں بیچ سکتے اس چیز
سے جس سے قبل استهلاك نفع نہ اٹھایا جاتا ہو۔ اور اگر بیچے اس کو روپیوں سے تاکہ صدقہ کرے ان روپیوں کو تو جائز ہے
کیونکہ یہ بھی قربت ہے مثل صدقہ کرنے کمال کے (اور ہر قربت جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے) یہ علامہ زیلعی کی تیسرین الحقائق
شرح کنز الدقائق میں ہے اور ایسا ہی علامہ برہان الدین مرغینانی کی ہدایہ شرح ہدایہ اور علامہ عبد اللہ ابوالبرکات نسفی کی
کافی شرح وافی میں ہے۔“

عبارت ہذا تحریر بالا کی روشن دلیل ہے۔ اور اس سے ہر ذکی، حقیق، سلیم الطبع، جزئیات مسائل متعلقہ پوست
اضحیہ اولیٰ تاہل سے نکال سکتا ہے۔ مگر تعین نفع کے لئے ایک ضابطہ و قاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے جو قلب فقیر پر ارواح طیبہ اساتذہ
کرام و مشائخ عظام عصہم اللہ العلام باللطف العام سے فائز ہوا۔ جس سے ہر عاقل فہیم تمامی جزئیات باسانی نکال
سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ وهو حسبی ونعم الوکیل

ظاہر ہے کہ پوست، گوشت اضحیہ دونوں مشتق ہیں اور شریعت مطہرہ نے بعد اراقت دم اس سے انتفاع کا حکم دیا
کما قدمنا عن الہندیۃ عن المحيط اور انتفاع دو حال سے خالی نہیں۔ یعنی ہوگا یا نہ ہوگا۔ اول ہر طرح جائز ہے،
یعنی سے ہو یا بدل سے۔ لہذا مر من قوله ويتصدق بجلدها وقوله ولو باعها بالدراهم لتصدق بها جاز لانه
قربة كالتصدق۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا بعینہ ہوگا یا بدلہ۔ اول مطلقاً جائز ہے، لہذا فی غرر الاحکام: ”او يجعله
آلة كحرا ب وخف وفرواہ وقی الخانیۃ ولا یاس یان یخذ من جلد الاضحیۃ فروا او یساہا او متکنا
یحلس علیہ او وقی الکافی والہدایۃ او یعمل منہ آلة تستعمل فی البیت کالمنطع والحرا ب والتعربال
ونحوھا“ کالدلو والسقرة والقرب عینی۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں یا بدل ثمن ہوگا یا نہیں۔ اول نا جائز ہے۔ کملہ بحر الرائق و تیسرین و خلاصہ میں ہے: ”ولا
یبعہ بالدراہم لیفق الدراہم علی نفسه وعیالہ“۔

ثانی یعنی بدل ثمن نہ ہو بلکہ ثمن ہو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا مستحب ہوگا یا غیر مستحب، اول نا جائز ہے۔

لما فی الهدایة والتبیین والکافی والطحاوی وخزانة المفتیین: "ولا یشتري به مالا ینتفع به الا بعد استهلاكه کالخل والایازیر اعتبارا بالبیع بالدرهم والمعنی فیہ انه تصرف علی قصد التمول۔"

ثانی جائز ہے لما فی الهدایة وشرح الكنز لملا مسکین والکافی والتبیین والطحاوی وخزانة المفتیین: "ولا بأس بان یشتري به ما ینتفع بعینه فی البیت مع بقائه مستحسانا۔"

یایوں خیال کیا جائے کہ قربانی کرنے والا گوشت اضحیہ کو اپنے صرف میں لائے گا یا غیر کے۔ عام ازیں کہ کوئی شخص معین ہو یا غیر معین جیسے رفاہ عام۔ ثانی ہر طرح جائز ہے۔ اور اپنے صرف میں لانے کی چار صورتیں ہیں دو جائز، دو ناجائز (۱) اس کی کوئی چیز بنائے (۲) اس سے کوئی غیر مستہلک چیز بدلے تو جائز ہے اور (۳) اگر روپیوں سے بیچا (۴) کوئی مستہلک چیز خریدی تو ناجائز و ممنوع۔ وقد مضت الأدلة آنفا۔

پوست اضحیہ کا صدقہ، واجب نہیں بلکہ نافلہ ہے۔

اولا اگر واجبہ ہوتا تو مثل زکوٰۃ و صدقہ فطر اپنے نفس و عیال پر اس کا صرف کرنا یا کسی غنی یا ذمی کو ہدیہ دینا یا گھر رکھ کر چھوڑنا ہرگز جائز نہ ہوتا۔

عالمگیری جلد ۵ میں ہے: "ولیس للمتصدق ان یاکل صدقته ولا ان یعطى غیره من الاغنیاء۔"

ہدایہ میں ہے: "ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الی ذمی۔"

اور نہیں جائز ہے کہ صدقہ کرنے والا اپنے صدقے سے کھائے اور نہ یہ جائز ہے کہ کسی غنی کو کھلائے اور نہ یہ جائز کہ کسی ذمی کو دے۔ حالانکہ اس کا کھانا اور غنی کو کھانا یعنی اپنے صرف میں لانا، اپنے گھر رکھ چھوڑنا، غنی اور ذمی کو دینا، سب کچھ جائز ہے۔

کنز الدقائق، بحر الرائق، تبیین الحقائق، درر الاحکام، غرر الاحکام، برجندی۔

رد المحتار جلد ۵ میں ہے: "ویاکل من لحم الاضحیۃ ویوکل غنیا ویذبحہ" اور کھائے گوشت اضحیہ سے اور کھلائے غنی کو اور جمع کر رکھے بعد کو کہ صرف میں لائے۔

فتاویٰ غیاثیہ پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "ویہب منها ای من الاضحیۃ ماشاء للفقیر والمسلم والذمی۔" بلکہ اہل و عیال والے کے لئے یہی مستحب ہے کہ صدقہ نہ کرے بلکہ اپنے بچوں کے لئے جمع کر رکھے تاکہ خوب فراغ کے ساتھ کھائیں۔

در مختار، ہندیہ، بدائع، شرح شریعۃ الاسلام، شرح وقایہ، درر غرر، شریعتنا لیلہ، ذخیرہ، منہجی، برجندی، شرح مختصر وقایہ و خزانة المفتیین میں ہے: واللفظ للاول "ویندب ترکہ ای التصدق لذی عیال وسعة علیہم۔"

"اور مستحب ہے عیال والے کے لئے نہ صدقہ کرنا تاکہ وسعت ہو ان پر۔"

چنانچہ شریعت مطہرہ نے یہاں تحریر بنایا کہ چاہے کل کو صدقہ کریں یا کل اپنے صرف میں لائیں یا اغنیاء کو ہدیہ دیں۔

قال فی البدائع: "والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقربائه وأصدقائه ويدخر الثلث ويستحب أن يأكل منها ولو حبس الكل لنفسه جاز لأن القرية في الأراقة والتصدق باللحم تطوع."

اور تحمیر منافی وجوب ہے۔ کما فی الہدایۃ قبیل فصل القرائۃ۔

تال خود علماء نے تصریح فرمادی کہ تصدق مستحب ہے، واجب نہیں۔

شرح لباب و مشک متوسط و مسلک متقطع میں ہے: "لا یحب التصدق بکله ولا ببعضه۔" "اور نہیں واجب ہے صدقہ کرنا گوشت اضحیٰ کا، نہ کل کا، نہ بعض کا۔"

جوہرہ نیرہ شرح قدوری پھر رد المحتار میں ہے: "والتصدق بعد الذبح مستحب وليس بواجب۔" "اور ذبح کرنے کے بعد صدقہ کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔" اس واسطے اگر کل صدقہ کر دیا یا کل کھا لیا یا دوسرے دن کے لئے اٹھا رکھا تو کچھ حرج نہیں، جائز و درست ہے۔

بدائع پھر عالمگیری میں ہے: "ولو تصدق بالکل جاز ولو حبس الكل لنفسه جاز وله أن يدخر الكل فوق ثلاثة أيام۔" "اور اگر کل کسی کو دے دیا یا کل اپنے لئے رکھ لیا یا تین دن سے زیادہ روک لیا تو یہ سب جائز ہے۔" لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد التہی عن الاذکار "کتبت لہیکم عن لحوم الاضاحی فوق ثلاث لیسع ذو الطول علی من لا طول لہ فکلوا ما بدالکم واطعموا وادخروا" رواہ الترمذی عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقال فی الباب عن ابن مسعود وعائشۃ ونیشۃ وابی سعید وقتادۃ بن النعمان وانس وام سلمۃ وحديث بریدۃ حسن صحيح والعمل علی هذا عند اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغيرہم اہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم والامام احمد عن ابی ہریرۃ والبخاری عن سلمۃ بن الاکوع ومسلم عن بریدۃ وابو داؤد وابن ماجہ عن نیشۃ الہذلی والنسائی عن عائشۃ والحاکم وابن حبان عن ابی سعید الخدری وابن ابی شیبۃ شیخ الشیخین والبیہقی وعبد بن حمید عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بالفاظ متقاربۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

بعض حضرات کا تصدق بجلد ہا سے صدقہ واجبہ سمجھنا اور صرف تملیک یا اباحت فقیر پر اقتصار کرنا، معافی تصدق سے تصور پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ تصدق کے تین معنی ہیں۔ ایک اخص کہ فقط تملیک فقیر ہے کما صرح بہ فی البخاری وغیرہ۔ ازکوۃ وصدقہ فطر میں یہی معنی مراد ہے۔ اس میں فقیر کے لئے اباحت بھی نہیں آسکتی ولہذا اپنے دسترخوان پر جو کچھ فقیروں کو اباحت سے کھلا دیا۔ زکوۃ میں محسوب نہیں ہو سکتا۔ فی الدر فسلو اطعمم بنیسا نلویسا للزکوۃ لا یحزیہ۔ دوسرے خاص جس میں اباحت فقیر بھی داخل ہے جیسے کفارات۔ تیسرے عام جس میں اباحت بلکہ صلہ رزم و مواسات احباب اغنیاء بھی داخل، جس کا حاصل وہی مطلق تقرب ہوگا۔

بحر الرائق پھر رد المحتار میں ہے: "الصدقۃ تكون علی الاغنیاء ایضا وان کانت محازا عن الہیۃ عند

معصوم و صرح فی الذخیرۃ بان فی التصدق علی الغنی نوع قربۃ دون قربۃ الفقیر۔
 ولہذا نفع عام کے لئے تصرف مال بغیر تملیک و اباحت کو بھی صدقہ کہتے ہیں۔ اسی بنا پر حدیث شریف میں کنواں کھود کر
 وقف کر دینے کو صدقہ فرمایا۔ بلکہ کبھی قطع نظر غیر سے اپنے اہل و عیال پر صرف کرنے کو بھی صدقہ کہتے ہیں جبکہ نیت صالحہ ہو۔ وہ
 بھی قربت ہے۔

طبرانی معجم کبیر میں حضرت ابو امامہ یابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”ما انفق الرجل فی بیتہ و اہلہ و خدمہ فہو صدقہ۔“ جو کچھ خرچ کرے آدمی اپنے گھر میں اپنی بی بی، اپنے بچوں،
 اپنے خادم پر، وہ اس کے لئے صدقہ ہے۔ بلکہ بہ نیت محمودہ اپنے نفس پر صرف کرنے اور خود اپنے خرچ میں لانے کو بھی
 صدقہ کہتے ہیں۔

حدیث میں ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ”ما اطعمت زو جتک فہو لک صدقہ و ما اطعمت
 و لذلك فہو لک صدقہ و ما اطعمت خدامک فہو لک صدقہ و ما اطعمت نفسک فہو لک صدقہ۔“ یعنی تو
 اپنے نفس کو کھلا دے، وہ بھی تیرے لئے صدقہ ہے۔ رواہ الامام احمد فی مسندہ و الطبرانی فی الکبیر عن مقدم
 بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و حسنہا السیوطی۔

جب صدقہ اور تصدق اتنے معنوں میں مستعمل ہے، تو اب یہ دیکھنا ہے کہ یہاں کون کون سے معنی مراد ہو سکتے ہیں
 نا ظاہر ہے کہ اول و ثانی یعنی خاص تملیک و اباحت فقیر بر گز مراد نہیں ہو سکتے کہ وہ صرف صدقہ واجبہ زکوٰۃ و صدقہ فطر اور
 کفارہ میں ہوتا ہے اور یہ صدقہ واجبہ نہیں ہے بلکہ نافذ ہے۔ کما قدمنا اور خود تستعمل فی البیت سے اپنے اور اپنے
 عیال کے صرف میں لانا اور سو کھل غنا سے اغنیاء کو دینا، سب کا جواز ثابت ہو چکا ہے۔ لاجرم معنی ثالث یعنی تقرب مراد
 ہے۔ اور یعمل منہ نحو قربان و غیرہ کا اس پر غطف باری معنی کہ اپنے صرف میں لانا بے کسی خاص نیت محمودہ کے ہو، جو
 اسے حد صدقہ میں داخل کر دے اور جب مطلق تقرب کا ارادہ لازم اور تصریح امام زیلعی لانا صدقہ کا تصدق اس پر
 لازم۔ تو اضمحیہ کے چمڑے سے کوئی کام رفاہ عام کا کرنا جس سے ثواب حاصل ہو بلاشبہ جائز ہوا۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ مسجد
 بنانے میں وہ ثواب عظیم ہے کہ لا عین رات و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر۔ ”جو کسی آنکھ نے نہ دیکھا
 اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل پر خطر ہو گا۔“

حدیث میں ہے:

(۱) ”من بنی للہ مسجداً ولو کمنہ حص قطاۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ“ رواہ امام الائمۃ، سراج
 الامۃ سیکننا ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ یقول سمعت رسول اللہ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول من بنی الحدیث۔ قلت فیہ تصریح بتابعیۃ الامام و الحمد للہ الملک
 المنعم

- (٢٦) ورواه الامام احمد في مسنده عن ابن عباس رضي الله تعالى عنها وزاد ليبيضا بعد قوله قطاة.
- (٢٧) واخرج الامام احمد في مسنده والشيخان في صحيحيهما والترمذي وابن ماجه في مسنهما عن عثمان بن عفان يقول "سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول من بنى مسجدا قال يكبر حسيت انه قال يتقى به وجه الله بنى الله له مثله في الجنة".
- (٢٨) ورواه ابو موسى المديني في كتاب الصحابة عن عمر بن مالك وزاد "الله" و"بيتا".
- (٢٩) واخرج الترمذي عن انس قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم "من بنى لله مسجدا صغيرا كان او كبيرا بنى الله له بيتا في الجنة".
- (٣٠) واخرج النسائي عن عمرو بن عبسة ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال "من بنى مسجدا يذكر الله عز وجل فيه بنى الله له بيتا في الجنة".
- (٣١) واخرج ابن ماجه وابن حبان في صحيحه عن عمر بن الخطاب قال "سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من بنى مسجدا يذكر فيه اسم الله بنى الله له بيتا في الجنة".
- (٣٢) واخرج الطبراني في الكبير عن واثله بن الاسقع قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم "من بنى مسجدا يصلى فيه بنى الله له بيتا في الجنة افضل منه".
- (٣٣) واخرج هو والضياء في المختارة عن ابي قرصافة انه سمع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول "ابنوا المساجد واخرجوا القمامة منها فمن بنى لله بيتا بنى الله له بيتا في الجنة قال يا رسول الله وهذه المساجد التي تبنى في الطريق قال نعم واخراج القمامة منها مهوور حور العين".
- (٣٤) واخرج هو في الكبير عن ابي امامة قال: "من بنى لله مسجدا بنى الله له في الجنة اوسع منه".
- (٣٥) ورواه ابو نعيم عن اسماء بنت يزيد وزاد "بيتا" وابو الفرج في كتاب العلل وزاد "من علق فيه قنديلا صلى عليه سبعون الف ملك حتى يطفى ذلك القنديل ومن بسط فيه حصيرا صلى عليه سبعون الف ملك حتى ينقطع ذلك الحصير ومن اخرج منه قذاة كان له كفلان من الأجر".
- (٣٦) واخرج هو في اوسطه والبيهقي في شعب الايمان عن ابي هريرة قال من بنى بيتا يعبد الله فيه حلالا بنى الله له بيتا في الجنة من الدر والياقوت".
- (٣٧) واخرج ابو نعيم عن انس رضي الله تعالى عنه "من بنى مسجدا لله في الدنيا يريد به وجه الله بنى الله له بيتا في الجنة قالوا اذا تكثرت يا رسول الله قال كل بناء وبناي على صاحبه يوم القيمة الا مسجدا فان له به قصرا في الجنة من لؤلؤ".
- (٣٨) وعن ابي امامة: "لا بنى احد مسجدا لله الا بنى الله له بيتا اوسع منه".

”یعنی جو شخص مال حلال سے اللہ کے واسطے مسجد بنائے جس میں ذکر الہی ہوتا ہو، چھوٹی ہو یا بڑی، اگرچہ قضاۃ کے گھونسلے برابر یا اس سے بھی چھوٹی، (قضاۃ ایک چھوٹی سی چڑیا کا نام ہے) اللہ اس کے لئے جنت میں مثل اس کے یا اس سے وسیع تر اور افضل گھر موتی اور یا قوت سے بنائے۔ پھر یہ کچھ ضروری نہیں کہ ساری ہی مسجد اپنی طرف سے بنائے بلکہ ہر ایک شرکت کرنے والے کو اسی قدر ثواب ہے۔ قد دفع ما یتوہم ان هذا الاجر لمن بنی مسجدا ولما یمکن ان ینبی رجل مسجدا ولو اصغر من اصغر من جلد الاضحی لا سیما جلود الغنم۔

ہاں ہر اگر وہاں کسی پر غلبہ کریں تو اس کا بھل علاج یہ ہے کہ کسی متدین مسلمان کو کھال ہدیہ کر دے کہ وہ اسے بیچ کر تعمیر مسجد وغیرہ میں لگائے۔ وہ شخص اگر فقیر ہے جب تو اظہر ہے۔ اور اگر غنی ہے تو اسے بھی ہدیہ دینا صحیح ہے، لہذا لما حاز التصرف لنفسه فحواز الهدیۃ اولیٰ کما استدلل فی الهدایۃ لحواز اطعام الغنی بقولہ متنی حاز اکلہ وهو غنی حاز ان یؤکل غنیاً۔

اور بعد قبول ہدیہ، شے اس کی ملک ہے جہاں چاہے صرف کرے، کسی مسکین کو دے یا کسی سید صاحب کو نذر کرے یا مردے کو کفن دے یا مسجد تعمیر کرائے یا سرائے، حوض، مدرسہ، شفا خانہ بنائے۔ رہا یہ شبہہ کہ مسجد اپنی ملک سے تعمیر کرنا چاہئے اور پوست اضحیٰ اس شخص کی ملک نہیں۔ اس لئے اس کو اپنے لئے روپیوں سے بیچنا یا کوئی چیز مستحکم خریدنا صحیح نہیں، حالانکہ اپنی ملک میں آدمی کو ہر طرح تصرف کا اختیار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ایک تعمیر مسجد کیا، تمامی میراث و خیرات اپنی ملک سے ہی چاہئے کہ حدیث میں ہے: ”لا یقبل اللہ صدقۃ من غلول ولا صلوة بغير طہور“ رواہ ابو داؤد وابن ماجہ عن اسامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یتینا للمفعول والبحاری مرسل۔

مگر یہ دعویٰ کہ پوست اضحیٰ مضمیٰ کی ملک نہیں۔ محض باطل و جہالت و خلاف روایت و روایت ہے۔ اگر وہ اس کی ملک نہیں تو ”و یتصدق بجلدھا“ کے کیا معنی؟ کیا شریعت مطہرہ اس کا حکم دیتی ہے کہ پرانے مال پر یا حسین کرو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ حسب تصریحات فقہاء جو مال حرام کو صدقہ کر کے اس پر ثواب کی نیت رکھے، وہ کافر ہے۔

خلاصہ، عالمگیری، خزائنہ میں ہے: والفظ للاول ”رجل تصدق من الحرام ویرجوا الثواب یمکفر“۔ علاوہ بریں خود فقہاء نے تصریح فرمادی کہ پوست اضحیٰ مضمیٰ کی ملک میں رہتا ہے۔ اس کی ملک سے نکل نہیں جاتا ہے۔ اسی واسطے طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بیچنا درست اور جائز ہے۔

ہدایہ، تبیین الحقائق، بحر الرائق، کافی، رد المحتار میں ہے: ”امّا البیع فحائز لقیام المملک والقدرة علی التسليم۔“ اگرچہ بیع حدود متولی عنہ مکروہ ہے۔ اور ایسی حالت میں اس شخص کا صدقہ کرنا واجب۔ اور ہر ایک اس کام میں، جس میں متولی پایا جاتا ہو، لگانا جائز۔ اس لئے اجرت قصاب یا ذابح میں دینا درست نہیں۔

بدائع، عالمگیری، حانیہ، سراجیہ میں ہے: واللفظ للاول: ”ولا (یحل) ان یعطى احرة الخزاز والذابح منها۔“

اسی لئے اگر کسی غنی یا فقیر نے نذر کر لی کہ میں اللہ کے واسطے قربانی کروں گا تو اس میں سے نہ کھا سکتا ہے، نہ کسی غنی کو کھلا سکتا ہے بلکہ اس کا تصدق واجب ہے۔ اب اس سے مسجد نہیں تعمیر کر سکتا۔

فتاویٰ عالمگیریہ و رد المحتار میں تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق سے ہے: ”ان وجبت بالنذر فلیس لصاحبها ان یأکل منها شیئا ولا ان یعطى غیره من الاغنیاء کان النذر غنیا او فقیرا لان سبیلها التصدق وليس للمتصدق ان یأکل صدقته ولا ان یعطى الاغنیاء کذا فی التبیین وھکذا فی التھایق۔“

اسی طرح اگر گوشت یا پوست اضحیہ سے اپنے لئے کوئی مسجد تک چیز خرید لی یا روپیوں سے بچا تو اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ ان روپیوں کو مسجد میں نہیں لگا سکتا۔ لانہ حصل بوجه حبیب واللہ طیب لا یقبل الا الطیب۔

واجب ہے۔ ان روپیوں کو مسجد میں نہیں لگا سکتا۔ لان شرائع لہا بحرئ اسی طرح اگر کسی فقیر نے قربانی کے لئے جانور خرید لیا تو اسے مسجد میں نہیں لگا سکتا۔ لان شرائع لہا بحرئ مجری الایجاب وھو النذر بالتضحیۃ وقد سبق انه ان وجبت بالنذر الخ۔ اسی طرح اگر کسی نے میت کی طرف سے اس کے حکم سے قربانی کی تو مسجد میں نہیں لگا سکتا۔

رد المحتار میں بزازیہ سے ہے: ”من ضحی عن السمیت یصنع کما یصنع فی اضحیۃ من التصدق والا کل والا جر للسمیت والملک للذابیح قال الصدر والمختار انه ان یامر السمیت لا یأکل منها والا یأکل۔“

در مختار میں و بیانیہ سے ہے: ”وعن سمیت بالامر الزم تصدقا والا فکل منها وھذا المختار ای المختار کما قدمنا عن البزازیۃ سابقا اہ شامی۔“

اسی طرح اگر قربانی کا جانور خرید کر کے چھوڑ دیا۔ ذابح پر اس کی قیمت لازم ہے۔ اس نے دوسرا جانور خرید کر ایام نحر میں قربانی کرے۔ اس کا قربانی کرنا واجب ہے۔ نہ اس میں سے خود کھا سکتا، نہ کسی دوسرے کو کھلا سکتا، نہ مسجد میں صرف کر سکتا ہے۔ اور اگر ایام نحر نکل گئے تو اس کی قیمت فقرا پر تصدق کرے۔

در مختار میں خانیہ سے ہے: ”شرئ اضحیۃ وامر رجلا بذبحھا فنقال ترک التسمیۃ عمدا لرمہ قیمتها لیشتري الامر بها اخرئ ویضحی ویصدق ولا یأکل لو ایام النحر باقیۃ والا تصدق بقیمتها علی الفقراء۔“ خانیۃ افاد العلامة الشامی فی حاشیئہ علیہ وکذا فی الذحیرۃ والخلاصۃ وغیرھما ونظمھا ابن وہبان وابن الشحۃ اہ۔“

بالجملۃ سوا بعض صورتوں کے، جہاں خود اپنے صرف میں اتنا یا غنی کو دینا جائز نہیں، عام طور پر مطلقا بلاشبہ پوست اضحیہ سے تعمیر مسجد جائز ہے۔ لانہ قریۃ من القریات ویجوز صرفۃ الی سائر القریات واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ حل محددہ اسم واحکم واتما اطمیننا الکلام لان المقام من مزال الاقدام وتراکم الشکوک والا وہام فقد زل قدم بعض الاعلام والحمد للہ العلی العلام الذی ہدانا لیذا وما کنا لنہتدی لولا ان ہدانا اللہ والصلاۃ والسلام علی رسولہ سید الانام وعلی آلہ وصحبہ وحزبہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین ما تقاربت الصفوف والاقدام۔

مسئلہ از میرٹھ صدر بازار مرسلہ حافظ عزیز الدین صاحب یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

- (۱) یہ کہ چرم قربانی یا اس کی قیمت مدارس میں دینا جائز ہے یا نہیں اور قیمت اور چرم کے احکام میں متولی مدرسہ کو کچھ فرق کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟
- (۲) یہ کہ در صورت جواز متولی کو ضروریات مدرسہ کے واسطے چرم قربانی بیچ کر کتابیں یا فرش وغیرہ بلا تملیک خریدنا جائز ہے یا نہیں اور قیمت کا یہی حکم ہے یا نہیں؟
- (۳) در صورت عدم جواز اگر متولی نے باعث عدم علمی ایک رقم کثیر کی کتابیں حسب دستور دیگر مدارس اسلامیہ خریدی ہیں تو اس کے لئے اپنے مواخذہ اخروی سے بچنے کی کیا سبیل ہے؟
- (۴) یہ کہ مدرسہ میں تین قسم کا چندہ آتا ہے۔ مد قربانی و زکوٰۃ و دوا می اور متولی کو یہ امر دشوار معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے زر چندہ کو علیحدہ علیحدہ تھیلی میں رکھے۔ بلکہ وہ تفصیل اس قسم کی کہ آمد و خرچ کے کاغذات حساب میں کی بیشی دکھاتا ہے۔ لیکن روپیہ سب ایک تھیلی میں رکھتا ہے یا خازن مدرسہ بطریق قرض دے دیتا ہے کہ مدرسہ کے حساب میں سے روپیہ مارا نہ جائے اور مسروق ہو جانے پر خازن سے وصول کر لیا جائے۔ اس کے جواز کی کوئی سبیل ہے یا نہیں؟ بیناؤ تو جروا۔

الجواب

جو مدارس تعلیم علوم دینیہ کے لئے چندہ سے مقرر ہوں، اس میں قربانی کی کھال، خواہ بیچ کر اس کی قیمت بھیجنا کہ مصارف مدرسہ مثل تنخواہ مدرسین و خوراک طلبہ و خرید کتب وغیرہ میں صرف کی جائے، بلاشبہ جائز ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "کلوا وادخروا وانشروا" کھاؤ اور جمع کر رکھو جس سے ثواب حاصل ہو۔ اور شک نہیں کہ اس سے مدارس دینیہ کی اعانت و قربات سے ہے اور قربات میں صرف کرنے کے لئے گوشت و پوست قربانی بیچنے کی بھی مطلقاً اجازت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "لا بیعہ بالدراہم لینفق علی نفسه و عیالہ واللحم بمنزلۃ الحلد فی الصحیح ولو باعہا بالدراہم لینفق بہا جاز لانہ قرۃ کالتصدق اہ کذا فی الکافی والہدایۃ والبحر والخلاصۃ والسراجیۃ والخانیۃ وفتح اللہ المعین۔"

متولی بلا تملیک اس سے کتابیں خرید سکتا ہے کہ اس میں مثل زکوٰۃ تملیک فقیر شرط نہیں۔

شک متوسط میں ہے: "یحسب التصدق بہ" اس کی شرح میں ہے: "لا بیکلہ ولا بیعہ" اسی وجہ سے

اس کے کھانے کی بھی اجازت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "کلوا واطعموا وادخروا" کھاؤ اور کھاؤ اور جمع رکھو۔ اخرجہ احمد والشیخان عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ والتفصیل بما لا مزید علیہ فی الرسالة المبارکۃ "المحاکمۃ العلیۃ فی حکم جلود الاضحیۃ" لعالم اہل السنۃ مد ظلہم الاقدس واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگرچہ جب چند اشخاص اپنے اموال زکوٰۃ ایک شخص مثلاً زید کو بغرض ادا و تقسیم فقرادیں اور وہ انھیں ملائے اور فقرانے اسے اپنے لئے زکوٰۃ لینے کا وکیل نہ کیا ہو تو ان صورتوں میں زید ان اموال کا مالک ہو جاتا ہے۔ اور اصل مالکوں نے اگر بعد غلط اسے از سر نو اجازت ادا بطرقانہ دی ہو تو ان کے اموال کا تاوان دینا، زید پر لازم آتا ہے۔ ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ جو کچھ زید کی طرف سے صدقہ ناقلہ ہوتا ہے۔

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے: ”فی الفتاویٰ رجلان دفع کل واحد منهما زکوٰۃ ماله الی رجل لیودی عنہ فخلط مالهما ثم تصدق ضمن الوکیل وکذا لو کان فی ید رجل اوقاف مختلفة فخلط اسوال الاوقاف فاذا ضمن لا تسقط الزکوٰۃ عن اربابها فاذا ادین صار مودیا مال نفسه کذا فی التحیس وکذا فی حاشیة العلامة الشلبی علی التبیین وکذا فی الہندیة وحرزۃ الحفثیین وحنانیة وفتح اللہ المعین۔“

مگر مالکوں نے اگر اسے ملا لینے کی اجازت صراحت دے دی ہو، خواہ بوجہ جبر یا ان عرف... ہو تو اس صورت میں غلط بھی روا اور زکوٰۃ بھی ادا۔

رد المحتار میں ہے: ”ضمن وکان متبرعا لانه ملکہ بالخلط وصار مودیا مال نفسه فی التار خانہ الا اذا وجد الاذن او اجاز المالکان او وجد الاذن بالخلط کما جرت العادة بالاذن بخلط ثمن الغلات وکذا فی المتولی اذا کان فی یدہ اوقاف مختلفة وخلط غلاتہ ضمن الخ۔“

اور جب نہیں کہ مدارس کا عرف عام جاری ہے کہ اموال زکوٰۃ غلط بھی کر لیتے ہیں۔ سخت معسر ہے کہ وہ چند شخص کے زکوٰۃ کاروپہ جدا تھیلی میں رکھیں اور ایک کی زکوٰۃ دوسرے سے ملے نہ دیں۔ پس اگر اصحاب زکوٰۃ بھی اس عرف سے آگاہ ہیں تو ان کی جانب سے اذن دلالت پایا گیا اور اب غلط کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اسلم یہ ہے کہ جو لوگ مذکورہ میں دیں، متولی اسی وقت ان سے غلط کرنے کا اذن لے لیا کرے کہ پھر اصلاح وقت نہیں۔

رد المحتار میں ہے: ”یتصل بہذا العالم اذا سال للفقراء شيئا وخلط يضمن قلت ومقتضاه لو وجد العرف ليكون اذنا منه دلالة۔“

رہا خازن کو قرض دینا، اس کی اجازت ہرگز نہیں۔ اگرچہ وہ بزرگم خود آئندہ کے لئے احتیاط کرتا ہے۔ مگر قرض ابتداء تبرع ہے اور اسے مال غیر میں بے اذن، تبرع حرام ہے اور یہاں اذن صریح ہرگز نہیں۔ نہ اصلاح شیعہ صرف ہے کہ اذن دلالت پایا جائے اور آئندہ میں بھی دونوں پہلو ہیں۔ جب خازن کو قرض دیا گیا، وہ مالک ہو گیا۔ اپنے جس صرف میں چاہے لاسکتا ہے اور بعد صرف ممکن ہے کہ نکلتا دشوار ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں صدقہ فطر اور زکوٰۃ کاروپہ براہ راست مدرسہ میں صرف کیا جاسکتا ہے؟ یعنی مدرس کی تنخواہ میں؟ یا کتب خانہ مدرسہ کی کتابوں میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ ایک عالم نے اپنی کتاب ”بہشتی زیور“ میں لکھا ہے کہ ”قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف نہیں کرنا چاہئے“۔ مگر اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے عالم حضرت مولانا فاضل بریلوی قدس سرہ کا فتویٰ اختیار ”روز افزوں بریلی“ میں سالہا سال ہوئے، چھپ چکا ہے کہ ”کھال قربانی کی قیمت، مسجد میں صرف ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں زید و بکر میں کس کا قول حق و صواب ہے؟ بکر کا قول حق ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

(۳) مثلاً ہندہ کا تعلق ناجائز زید سے ہو گیا۔ اسی سلسلہ میں ہندہ کے حمل بھی زید ہی سے قرار پا گیا۔ بعد دریافت ہوئے اس بات کے یعنی حمل کے، زید کا اسی ہندہ سے نکاح کر دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں دریافت طلب یہ بات ہے کہ آیا یہ نکاح جو اسی حالت میں کر دیا گیا ہے، جائز ہوا یا نہیں؟ بعض لوگ برادری و پچائنت والے اس نکاح کو ناجائز خیال کرتے ہیں اور ہندہ و زید کا حقہ و پانی بند کئے ہوئے ہیں اور برادری ترک کرنے پر مصر ہیں۔ لہذا ایسی صورت میں از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ جبکہ دونوں نے توبہ کر لی اور نکاح بھی ہو گیا، پھر اس سے میل جول میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ بلا تاویل فتویٰ دے کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔ المستفتی محمد عبداللہ از مین پوری۔

الجاب

(۱) زکوٰۃ و صدقۃ الفطر، صدقہ واجبہ ہے۔ اس کے لئے تسلیم ضروری ہے۔ اس لئے براہ راست مدرسہ میں صرف کرنا یعنی مدرسین کی تنخواہ میں دینا یا قیمت کتاب ادا کرنا یا دوسری ضروریات یا کتب خانہ میں صرف کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) زید اور بکر دونوں کا قول مجمل ہے۔ ضرورت تفصیل کی ہے۔ مسئلہ حق یہ ہے کہ قربانی کی کھال اگر اپنے صرف میں لانے کے لئے بیچا ہے تو اس کا صدقہ کر دینا ضروری ہے۔ ایسے دام کو مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں۔ اور اگر اپنے لئے نہیں بیچا بلکہ مسجد ہی کے لئے بیچا تو اس دام کو مسجد میں صرف کرنا، ناجائز نہیں بلکہ جائز ہے۔ مثلاً کسی جگہ مسجد بن رہی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس میں مسجد کی کھال دیں تو عین کھال دور دراز جگہ بھیجنے سے رہے۔ اس لئے متولی یا منتظم مسجد کی نیابت میں کھال بیچ کر دی تاکہ وہ یہ مسجد کے لئے بھیجنے میں آسانی ہو۔ تو ایسے مال کو مسجد میں صرف کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور میں نے اس باب میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ”اعلام المساجد لصرف جلود الاضاحیۃ الی المساجد“ رکھا۔ اس میں پوست قربانی کے مصرف کو بہت ہی واضح طریقہ پر بہت ہی تفصیل سے لکھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۳) یہ نکاح زید کا ہندہ سے جائز ہے۔ برادری و پچائنت کے لوگوں کا اس نکاح کو ناجائز خیال کرنا، غلط و خلاف شرع ہے۔ اور زید و ہندہ کا حقہ پانی بند کرنا، ان پر ظلم صریح ہے۔ وہ دونوں زن و شوہر ہیں۔ ان کو اس سے باز رکھنا اور اس فعل کو ناجائز قرار دینا، افتراء علی الشرع ہے۔

حدایہ میں ہے: ”وان تروج حبلی من زناء حاز النکاح“ یعنی اگر کسی شخص نے اس عورت سے نکاح کیا جو زنا سے حاملہ ہے تو یہ نکاح جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب الحظر والاباحہ

مسئلہ مرسلہ شیخ رحیم بخش ازراولپنڈی بازار لال کرتی ۱۵ رجب ۱۳۲۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حدیث ”لو لاک لسا خلقت الافلاک“ کس
کتاب کی حدیث ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام یا کوئی اور کوئی حدیث ہے یا
نہیں؟ اور اگر اس حدیث کے ضمن میں کوئی رسالہ ہو تو روانہ فرمائیں۔

واب

بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام و عالم ہیں۔ اگر حضور نہ ہوتے تو عرش و فرش،
لوح و قلم، آسمان و زمین، جنت و دوزخ، شجر و حجر، برگ و ثمر، ماہ و مدہر کچھ نہ بنائے جاتے۔ احادیث عدیدہ متعددہ اس مضمون
میں وارد ہیں۔

(حدیث اول) حاکم مستدرک اور بیہقی دلائل النبوة اور طبرانی کبیر میں اور ابونعیم حلیہ اور ابن عساکر تاریخ دمشق
میں حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: ”قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ
و اصحابہ وبارک وسلم: ”لما اترف آدم الحطیئة قال یا رب! امثلک بحق محمد لما غفرت لی فقال اللہ
نعمالہی یا آدم! و کیف عرفت محمدًا ولم اخلقه بعد؟ قال یا رب! لانک وفتح فیہ من روحک برفعت
راسی فראیت علی قوائم العرش مکتوباً ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ فعلمت انک لم تصف لما
خلقتنی بیدک الہی اسمک الا احب الخلق الیک فقال اللہ تعالیٰ صدقت یا آدم انه لاحب الخلق الی و اذا
سالتنی بحقه فقد غفرت لک و لو لا محمد ما خلقتک۔“

”یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب آدم علیہ السلام سے لغزش واقع ہوئی،
عرض کی: الہی! میں تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔ ارشاد ہوا: اے آدم تو نے محمد کو کیونکر
پہچانا حالانکہ میں نے ابھی اسے پیدا نہ کیا؟ عرض کی: الہی! جب تو نے مجھے اپنی قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی، میں
نے سراٹھا کر تو عرش کرپایوں پر کھڑا دیکھا۔ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ تو میں نے جانا کہ تو نے اس کے ہی نام کو اپنے نام
پاک کے ساتھ ملایا ہوگا جو تجھے تمام جہان سے پیارا ہوگا۔ رب تبارک و تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: اے
آدم! تو نے سچ کہا، بیشک محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجھے تمام مخلوق سے پیارا ہے اور جب تو نے اس کا واسطہ دے کر
سوال کیا تو میں نے تیرے لئے مغفرت فرمائی۔ اگر محمد نہ ہوتا، تو میں تجھے نہ بناتا۔“ صحیحہ الحاکم وقرہ فی الحلیۃ
رقال السبکی فی شفاء السقام تبیین لنا صحته و الشہاب فی النسیم ہو حدیث صحیح۔

(حدیث دوم) حاکم صحیح مستدرک اور ابوالشیخ طبقات الاصفہانیین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: ”أوحى الله الى عيسى ان امن محمدا وأمر امتك ان يؤمنوا به فلو لا محمد ما خلقت آدم ولا الجنة ولا النار۔“
 ”یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی: اے عیسیٰ! تم محمد پر ایمان لاؤ اور اپنی امت کو حکم دو کہ ان پر ایمان لاویں۔ اگر محمد نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا، نہ جنت و دوزخ کو بناتا۔“ صحیحہ الحاکم والشیخ تقی الدین السبکی فی شفاء السقام وشیخ الاسلام البلقینی فی فتاواہ وابن حجر فی الفضل القرآن۔
 (حدیث ثالث) دہلی مسند الفردوس میں حضرت امین عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: ”قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتاني جبرئيل فقال يا محمد! ان الله تعالى يقول: "لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار۔“

”یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر تم نہ ہوتے میں جنت نہ بناتا اور اگر تم نہ ہوتے تو میں دوزخ نہ بناتا“ اشار الی صحیحہ القاری فی تذکرۃ الموضوعات۔

(حدیث رابع) ابن عساکر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: ”قبط جبرئيل على النبي صلى الله عليه وسلم فقال ان ربك يقول: "لقد خلقت الدنيا واهلها لاعرفهم كرامتك ومنزلتك عندي ولولاك ما خلقت الدنيا۔“

”یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضر ہو کر عرض کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنی بارگاہ میں تم سے زیادہ عزت والا کسی کو پیدا نہیں کیا۔ دنیا اور اہل دنیا کو، سب کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہاری جو قدر و عزت میرے حضور میں ہے، ان پر آشکارا کروں۔ اگر تم نہ ہوتے میں دنیا کو نہ بناتا۔ افسادھا کسلھا العلامة سیدنا الاستاذ فی فتاواہ۔

(حدیث خامس) علامہ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ”وفى روايات اخر لولاه ما خلقت السماء والارض والطول ولا العرض ولا وضعت فيها ثواب ولا عقاب ولا خلقت الجنة ولا ناراً ولا شمساً ولا قمرًا“

”یعنی ان روایتوں میں آیا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو میں پیدا نہ کرتا آسمان اور نہ زمین اور نہ طول، نہ عرض کو اور نہ رکھا جاتا اس میں ثواب و عذاب۔ اور نہ بناتا جنت اور نہ دوزخ نہ آفتاب، نہ مہتاب کو اور اس کے سوا اس کی عبادت اس مضمون کی اور بہتری حدیثیں ہیں، جنہیں اعلیٰ حضرت قبلہ و کعبہ ظہیم الاقدس نے اپنی کتاب مستطاب میں یعنی ”تجلیس الیقین بان نبینا سید المرسلین“ میں ذکر فرمایا ہے اور شک نہیں کہ ائمہ دین و علمائے شرع مشین شرقاً غرباً، عجماً عرباً، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سب تخلیق آدم و عالم کہتے اور کہتے چلے آئے۔ اگر ان کے اقوال جمع کئے جائیں، ایک مبسوط

کتاب ہو۔ لیکن مالا یدرک کلمہ لا یتدرک کلمہ فاقول وباللہ التوفیق
(قول اول) علامہ سیف الدین ابو جعفر بن عمر انجمی الحنفی۔ ”الدر المنظم فی مولد النبی الکریم“ میں
فرماتے ہیں۔ ”ویروی انه لما خلق اللہ تعالیٰ ادم الہمہ ان قال یا رب لم کنیتی ابا محمد؟ قال اللہ تعالیٰ یا
ادم ارفع راسک فرفع راسہ فرأی نور محمد فی سرادق العرش فقال یا رب ما هذا النور؟ قال نسی من
ذریکت، اسمہ فی السماء احمد وفي الارض محمد۔ لولاه ما خلقتک ولا خلقت السماء ولا ارضا۔“
”یعنی جب کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، ان کو الہام کیا کہ سوال کریں کہ اے اللہ میری کنیت ابو محمد
کیوں رکھی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم اپنا سر اٹھا۔ پس سر اٹھایا تو حضور کا نور عرش کے پردوں میں دیکھا۔ عرض کی یا اللہ
ایہ کس کا نور ہے؟ فرمایا تیری ذریت میں سے ایک نبی ہے۔ اس کا نام آسمان پر احمد ہے اور زمین میں محمد ہے۔ اگر وہ نہ
ہوتا تو میں نہ تجھے پیدا کرتا نہ آسمان، نہ زمین کو۔“

(قول ثانی) سیدی ابوالحسنین حمدونی شاذلی اپنے قصیدہ والیہ میں فرماتے ہیں۔

روح الوجود حیاة من هو واحد لولاه ما تم الوجود لمن وجد
”نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام ہستی عالم کی جان ہیں، حیات جملہ موجودین کے سبب ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے، کبھی شی کا
وجود نہ ہوتا۔“

(قول ثالث) علامہ شرف الدین ابو عبد اللہ محمد یوسری قدس سرہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

وکیف ندعو الی الدنیا ضرورة من لولاه لم تخرج الدنیا من العدم
”اور کیوں کر بلائے گی دنیا کی طرف ایسے کو ضرورت کہ اگر وہ نہ ہوتا تو دنیا نیستی سے نہ نکلتی یعنی پیدائش کی جاتی۔“
(قول رابع) علامہ شیخ ابراہیم بیجوری اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ”ای لولا وجودہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم لاستمرت الدنیا علی عدمہا ولم توجد فوجودہ صلی اللہ علیہ وسلم علة فی وجودہا والاصل
ان قال اللہ تعالیٰ لادم ولولاه ما خلقتک فوجود آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام متوقف علی وجودہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کانت الدنیا انما خلقت لاجلہ فیکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم هو السبب فی
وجود کل شیء۔“

”یعنی اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معدوم رہتے تو دنیا کبھی موجود نہ ہوتی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ
والسلام کو فرمایا: اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔ آدم علیہ السلام تمامی بشر کے باپ ہیں۔ اور زمین میں جو کچھ ہے،
سب بشر کے لئے بنا ہے۔ اور جب آدم علیہ السلام حضور کے سبب مخلوق ہوئے تو بلاشبہ تمامی دنیا حضور ہی کی وجہ سے بنائی
گئی۔ تو حضور سب علت تمامی اشیاء کے وجود کی ہیں۔“

(قول خامس) علامہ خالد ازہری اس بیت کے نیچے فرماتے ہیں: ”فان الدنیا ما اخرجت من العدم الی“

الوجود الا لاجله۔" یعنی دنیا حضور ہی کی وجہ سے نمستی سے ہستی کی طرف لائی گئی۔"

(قول سادس) علامہ ملا علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "لولا وجوده وفضله وجوده لم تظهر

الدنيا من العدم الى الوجود وجود في العالم غير الموجد موجود۔"

"یعنی اگر حضور کا فضل اور حضور کی عطا نہ ہوتی تو دنیا عدم سے وجود میں نہ آتی۔ اور عالم میں سوا موجد جل جلالہ کے کوئی نہ ہوتا۔" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(قول سابع) علامہ معقول و منقول، بحر العلوم والفروع والاصول، مولانا ابوالعیاش عبدالحی لکھنوی، فوارح الرحمت شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں: "لولا له لما ظهر من الله الوجود باقاضة الوجود على الحقائق۔" "یعنی اگر حضور نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا فضل، حقائق کو وجود سے سرفراز نہ فرماتا۔"

اس حدیث کی صحت معنی پر انکار نہ کرے گا مگر سنیہ جاہل یا دہائی لا یعقل۔ رہا ملا علی قاری کا تذکرۃ الموضوعات میں موضوع فرماتا، وہ اس لفظ مخصوص کی نسبت ہے کہ یہ حدیث ان افظول کے ساتھ وارد نہیں کہ خود فرماتے ہیں: "لكن ههنا صحيح۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب راہپوری نے خاص اسی حدیث کی بحث میں ایک مبسوط رسالہ تحریر فرمایا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جا حاضر و ناظر ہیں یا نہیں؟
وآنجانب کو علم غیب تھا یا نہیں؟ مفصل طور پر لکھیں۔ آمین و اتوجروا۔

الـجـواب

بیشک رب العزۃ جل و علا نے اپنے حبیب و محبوب، طالب و مطلوب، عالم غیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا۔ شرق تا غرب، عرش تا فرش سب انہیں دکھایا، اشیاء ماکان وما یکون سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا، ملکوت السموات والارض سے ہر صغیر و کبیر، ہر رطب و یابس، سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا بلکہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے ایک چھوٹا حصہ ہے۔ دریائے علم سے ایک نہر اور سطور علم سے ایک سطر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "ان الله رفع لى الدنيا فانا انظر اليها والى ما هو كائن فيها الى يوم القيامة كما نمتا انظر الى كفى هذه۔" "بیشک اللہ عز وجل نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمادیا تو اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب کو ایسا دیکھتا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو۔" رواہ الطبرانی فی الکبیر و نعیم بن حماد فی کتاب الفتن و ابو نعیم فی الحلیۃ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ رب العزۃ جل جلالہ نے شرق تا غرب، تمام دنیا اور جو کچھ قیامت تک اس میں ہونے والا ہے، سب اپنے محبوب کے پیش نظر فرمادیا کہ آن واحد میں یکساں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اور یہی معنی حاضر

و ناظر کے ہیں کہ سب کچھ ان کے پیش نظر ہے۔ ہر شئی ان کے حضور حاضر ہے۔

علامہ بیضاوی شرح جامع صغیر میں ارقام فرماتے ہیں: "ان النفوس الزكية اذا تجردت عن العلائق البدنية عرجت و اتصلت بالعلم الا لا لى فلم يبق لها حجاب فترى الكل كالمشاهد۔" "پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے مجرد ہوتی ہیں، عروج فرما کر عالم بالا سے متصل ہو جاتی ہیں۔ ان کے آگے کوئی حجاب نہیں رہتا۔ وہ سب کچھ ایسا دیکھتی ہیں جیسے سامنے موجود ہے۔ اسی طرح ملا علی قاری قدس سرہ نے مرقاة شرح مشکوٰۃ میں امام قاضی سے نقل کیا۔

رہا امر وہابیہ کا تقویۃ الایمان مطبوعہ فخر الطابع لکھنؤ کے ص ۸۵ میں اور اس کے اتباع میں سائر وہابیہ کا یوں کہنا کہ "ہر جگہ حاضر و ناظر رہنا یہ اللہ ہی کی شان ہے" اہ ملخصاً۔ سو یہ محض جہالت و گمراہی و گمراہ گری ہے۔ حاضر و ناظر سرے سے صفات الہیہ سے نہیں اور نہ ان کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز، یہاں تک کہ اس کے اطلاق پر علماء کو حاجت ہوئی کہ اس میں تاویل کر کے نفی کفر کریں۔

در مختار میں ہے: "و یا حاضر و یا ناظر لیس بکفر۔"

رد المحتار میں ہے: "فان الحضور بمعنى العلم شائع والنظر بمعنى الروية فالمعنى يا عالم يا من

یرى۔" بزازیہ

البتہ اس کی صفتیں شہید و بصیر ہیں، جو اعطاء الہی خود رب العزۃ نے اپنے عباد کے لئے ثابت فرمائیں۔ قال تعالیٰ: "يَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔" وقال تعالى: "فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا۔" اور جو صفات عطائے الہی مل سکتی ہیں، اس کا اثبات شرک نہیں ہو سکتا ہے۔ ورنہ لازم کہ مولیٰ تعالیٰ اپنا شریک پیدا کرنے پر قادر ہو۔ اور یہ صریح کفر ہے بلکہ علماء کرام نے خاص اسی لفظ کی تصریح فرمائی۔

ملا علی قاری شرح شفا میں ذیل "قول ان لم يكن في البيت احد فقل السلام عليكم على النبي ورحمة الله وبركاته" لکھتے ہیں: "لان روحه عليه السلام حاضر في بيوت اهل الاسلام۔"

شیخ محقق مولانا عبدالحق دہلوی "جامع البرکات" میں فرماتے ہیں: "و نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم براحوال و اعمال امت مطلع ہست و بزرگان و مقربان و خاصان و درگاہ خود مد و مستفیض و حاضر و ناظر است۔"

رہا مطلق علم غیب جو متعدد آیات قرآنیہ سے ثابت بلکہ سائر مومنین کو بعض قاطع قرآن شریف حاصل، جس کا انکار نہ کرے گا مگر بخون و جاہل۔

قال تعالى: "يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ" (البقرة: ۲) "بے دیکھے ایمان لائیں۔" (کنز الایمان) ومن الظاهر ان الايمان العلم بالغيب ومعرفته ولو بوجه فان المجهول المطلق مما لا يميل الى تصديقه واقراءه وقد فصلت هذه المسئلة بعون الله يكاذ ان يبلغ مائتين جزء و صلى الله على رسوله محمد ورحمة الكونين۔ والله تعالى اعلم۔

مسئلہ از شہر مدلی مرسلہ محمد طالب میلاد خواں ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب قرآن شریف سے ثابت ہے یا نہیں؟ آیات صریح ہوں۔ بینوا تو جرو۔

الجواب

بیشک عطائی علم غیب (یعنی ان اشیاء کا علم کہ جو اس ظاہری و باطنی سے پوشیدہ ہوں اور اس کے اسباب و علامات بھی عقل میں نہ آئیں کہ عقل اسے بدلہ نہ یا استدلالاً جان سکے کما فی البیحاوی) نصوص قطعیہ، متعدد آیات قرآنیہ سے ثابت ہے۔ جن کا منکر نہ صرف گمراہ، بدوین بلکہ کافر، منکر منصوص بالیقین ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک کا منقص ہے اور منقص شان سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق کافر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "ان الذین یؤذون اللہ ورسوله لسنعم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد لہم عذابا مہینا"۔ (الأحزاب: ۵۷) "بیشک جو لوگ کہ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، پھر کارویا ان کو اللہ تعالیٰ نے دونوں جہان میں اور ان کے لئے رسوائی کا عذاب مہیا کر دیا۔

امام قاضی عیاض مالکی تحفہ ص ۱۰۲ اپنی کتاب مستطاب "الشفافی تعریف حقوق المصطفیٰ" قسم رابع باب اول ص ۳۲۰ میں فرماتے ہیں: "اعلم وفقنا اللہ وایاک ان جمیع من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم او عاہہ فهو سائب لہ والحکم فیہ حکم السائب یقتل وهذا اجماع من العلماء وائمة الفتوی من لدن الصحابة رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین الی ہلم جراً۔"

(نص اول) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ذَٰلِكَ مِنْ اَنْبِیَاءِ الْغَيْبِ تَوْجِیْهِ اِلَیْكَ" (آل عمران: ۴۴) / یوسف: ۱۰۲ "یہ غیب کا بتلانا ہے جو ہم وحی کرتے ہیں طرف آپ کے"

(نص دوم) مولیٰ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: "مَا كُنَّا لِنُظْلِعَکُمْ عَلٰی الْغَيْبِ وَلٰكِنْ اللّٰهُ یَخْتِیْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ یَّشَاءُ۔" (آل عمران: ۱۷۹)

مخدود نہیں ہے جو تمہیں اسے عام لوگوں کے غیب پر مطلع کرے لیکن اللہ چاہے اس کے لئے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کما فی التفسیر لمینی۔

(نص سوم) رب العزۃ جل جلالہ فرماتا ہے: "وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا۔" (النساء: ۱۱۳) "اللہ نے انہیں سکھایا جو کچھ غیب و شہادت کی باتیں نہ جانتے تھے اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے۔"

(نص چہارم) حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنْ ارْتَضٰی مِنْ رُّسُوْلٍ۔" (الجن: ۲۶) "غیب کا جاننے والا تو خدا ہے۔ مظلوم نہیں فرماتا مگر جسے چاہے اپنی رسالت کے لئے، اسے مسلط فرما دیتا ہے۔"

(نفس بیجم) باری تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٌ“۔ (التکویر: ۲۷) ”اور نہیں ہے وہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب پر بخیل“۔

تو جب علم غیب ہے ہی نہیں تو پھر کمال و سخا کے کیا معنی ہیں۔ وغیرہا من الآیات الكثيرة التي ذكرت حلها في رسالة مستقلة في هذا الباب۔ والله اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆

مسئلہ از مراد آباد مدرسہ امدادیہ مدرسہ مولوی نعیم الدین صاحب ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ

فخر العلماء، وارث الانبیاء، ناصر دین متین، جناب مولانا صاحب ادام اللہ ظلہ العالی!

بعد از ادائے سلام مسنون عرض یہ ہے کہ علم نبی کریم کو ازلی وابدی کہنا، درست ہے یا نہیں؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا یا نہیں؟ بینہ اتوجروا۔

الـجـواب

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ! علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، بلکہ کسی صفت کو کسی مخلوق کی ازلی کہنا ممنوع ہے۔ ابدی کہنا البتہ حق و درست ہے کہ تفریح علمائے دین، تمامی صفات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی علیٰ حالہا بلکہ ترقی پذیر ہیں۔ قال تعالیٰ: ”وَلِلَّآخِرَةِ خَيْرٌ لِّكَ مِنَ الْآوَلَىٰ“۔ (الضحیٰ: ۴) ”اور بے شک کچھ بھلی تمہاری پہلی سے بہتر ہے“ (کنز الایمان) اسی طرح ازلی کہنا بھی اگرچہ ایک معنی کر درست ہے کہ ازلی زمانہ مدیدہ مستد فی سبیل الماضی کو بھی کہتے ہیں۔ تاہم اس سے احتراز لازم ہما فیہ من ابطال التوحید۔ اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ذات الہی اور اس کی صفات کا ہے، جو ہر آن ترقی پر ہے، نہ اس معنی پر کہ اللہ تعالیٰ کو باحاطہ تامہ جان لیا، یہ محال ہے۔ کما ہو المشہور وفي الكتب مسطور صرح به الاکابر الصدور۔ والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆

تمامی مسلمانان اہلسنت کا اعتقاد ہے کہ حضرت رب العزت جل جلالہ نے جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی اولین و آخرین یعنی بدء خلق سے الٰہی یوم القیامہ جو کچھ ہوگا، سب بتلادیا۔ اور وہابیہ اس کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں اور اپنے دعویٰ کے لئے اسی حدیث سوال جبرئیل سے استدلال لاتے ہیں۔ اگر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو آپ نے جس طرح اور سوالوں کا جواب دیا، اس کا بھی جواب دیدیتے اور اگرچہ آپ نے صراحتہ لا اعلم نہ فرمایا، لیکن اسے ٹال دیا اور ایک آیت شریفہ پڑھی، جس سے مطابقت معلوم ہوتا ہے کہ پانچ چیزوں کو اللہ ہی جانتا ہے۔ جس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا۔

الـجـواب

اولاً ”متنی الساعة“ کے جواب میں ”ماالمسئول عنها اعلم من السائل“ فرمانے کا یہ مطلب نہیں کہ میں

نہیں جانتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ”لا اعلم“ فرماتے۔ پس جاننا چاہئے کہ کسی سوال کا جواب نہ دینا اس بات کو مستلزم نہیں کہ مسئول عنہ جانتا نہیں ہے۔ دیکھو کہ جس وقت رب العزۃ جل جلالہ سے سوال اہلۃ ”کا ہوا تو اس کا جواب ”قُلْ هِيَ مَوَاقِئُ لِلنَّاسِ“ (البقرہ: ۱۸۹) ”وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لیے“ (کنز الایمان) ارشاد ہوا۔ حالانکہ یہ اس سوال کا ہرگز جواب نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ سوال ان کا شخص بے کار تھا، اس لئے جواب وہ عنایت ہوا جس سے ان کو فائدہ پہنچے۔ علیٰ ہذا القیاس یہاں پر بھی وہی ہے جیسا کہ مضمون حدیث الحدیث بعضہا بیان لے بعض۔ دوسرے واقعہ سے ظاہر ہے کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اگر اس کے لئے سامان مہیا کیا ہے تو تمہیں کیا غم؟ جب چاہے، ہو اور اگر تم نے سامان نہیں مہیا کیا تو اس کے بارے میں پوچھنے کا کیا فائدہ؟ پوچھنا عبث ہے۔

ثانیاً آپ کا نہ بتانا میرے دعویٰ کو ضرر رساں نہیں۔ کیونکہ میں نے کب دعویٰ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا انہی علم غیب ہے، جو کسی وقت کے عدم جواب دہی سے میرا قول ٹوٹ جائے۔ بلکہ حسب مضمون ”نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ بَيِّنَاتٍ لِّكُلِّ شَيْءٍ“ (النحل: ۸۹) ”اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے“ (کنز الایمان) آپ کا علم روز بروز ترقی قبول کرتے کرتے جس وقت کہ نزول، قرآن پاک کا پورا ہوا تو آپ کا علم بھی پورا ہو گیا۔ لیکن یہ معنی نہیں کہ آپ کے علم میں ترقی نہیں ہوئی بلکہ غایت کو پہنچ گئی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جمیع مکتوبات لوح محفوظ ہر صغیر و کبیر، ہر مطلب و یا بس کو آپ نے ذرہ ذرہ جان لیا۔ پس اگر کوئی شخص اعتراض کرے لا بعلمہن صیغہ مضارع کا ہے، جس کے معنی حال و استقبال کے آتے ہیں۔ قد لا بعلمہن نہ کہا، جس سے صرف زمانہ حال مراد لے کر تعارض و تقاض دفع کیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس سے زمانہ استقبال مراد لیا جائے اور معنی یہ ہوں کہ ان چیزوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، تو سخت خرابی لازم آئے گی۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ تو اعظم و ارفع ہے، ان کے صحابہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت منجملہ وصایا کے حضرت عائشہ سے یہ فرمایا کہ یہ مال تمہارے دو بھائی اور دو بہنوں کے لئے ہے، وہ متحیر ہوئیں کہ دو بھائی تو البتہ ہیں، لیکن دو بہنیں کون ہیں؟ انہوں نے اپنی بیوی کا نام لے کر فرمایا کہ اس کے حمل ہے، جس سے لڑکی پیدا ہوگی۔ حالانکہ یہ خلاف تخصیص ”وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْْحَامِ“ (لقمان: ۳۴) اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے۔“ (کنز الایمان) کے ہے۔ دیکھئے وہ صدیق تھے، نہ جادوگر، نہ سحر یزیم جاننے والے، یا لاف گو، یا نجومی تو جب حضرت ابوبکر نے جان لیا تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاننے میں کیا استحالہ ہے؟ تو اب معنی حال ہی کے کہیں گے ورنہ کذب باری تعالیٰ لازم آئے گا۔ حالانکہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ جمیع آیات کلام مجید راست و حق ہے۔ ہم کو سب پر ایمان لانا فرض ہے۔ اسی قاعدہ کلیہ کی وجہ سے اہلسنت مسئلہ حق پر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(سوال دستیاب نہ ہو سکا - ۱۲ سائل)

- ۱- حضرت سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن ہلکا کر دیا گیا تو اپنے گھوڑے کے کسے کے متعلق حکم فرماتے اور یہ قرآن شریف (زبور) پڑھنا شروع کرتے تھے اور قبل اس کے کہ سواری کس کرتا رہو آپ ختم فرما لیتے۔ رواہ الامام احمد و البخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
- ۲- حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی سواری کس کر آتی۔ آپ بایں قدم رکاب میں رکھتے اور قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور صاف صاف، درستی الفاظ و فہم معنی کے ساتھ قرآن پڑھتے اور داہنا قدم رکاب تک پہنچنے بھی نہیں پاتا کہ پورا ختم فرما چکے۔ ذکرہ القاری فی المرقاة۔
- ۳- حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ ملتزم کے قریب سے قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور باب کعبہ تک نہ پہنچتے کہ پورا ختم فرما دیتے ذکرہ الشیخ المحقق الدہلوی فی اشعة الساعات۔
- ۴- امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں مجھے زیادہ سے زیادہ خبر اس کی ملی ہے جس نے رات دن میں آٹھ ختم کئے چار دن میں چار رات میں۔
- ۵- امام نووی کا یہ قول نقل کر کے امام بیہقی فرماتے ہیں کہ میں نے خود ایک حافظ کو دیکھا جس نے شب قدر کی وتر کی ہر رکعت میں ایک ایک ختم کر کے تین ختم کیا۔ ذکرہ فی عملۃ القاری۔
- ۶- امام قسطلانی نووی کا یہ قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میں نے ۸۶ھ میں بیت المقدس میں ابوطاہر کو دیکھا اور ان سے سنا کہ وہ رات دن میں دس ختم سے زیادہ کرتے ہیں۔ ذکرہ فی ارشاد الساری۔
- ۷- یہی علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام برہان بن ابی شریف رات دن میں پندرہ ختم کرتے تھے۔ ذکرہ عبد الغنی النابلسی فی الحدیقة الندیة۔
- ۸- ارشاد میں ہے کہ نجم الدین اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یمنی شخص کو دیکھا کہ اس نے ایک ختم قرآن ایک چکر اور سات ختم سات میں کیا۔ ذکرہ ایضاً النابلسی قدسنا بصرہ القدسی۔
- ۹- مجھے بعض ثقہ لوگوں سے معلوم ہوا کہ ہمارے شیخ عارف باللہ حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مغرب و عشاء کے درمیان دو ختم قرآن شریف کیا۔ ذکرہ ایضاً فی الحدیقة۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از مقام پونی ضلع جھنڈا رہنما ملک متوسطہ مدرسہ حافظ عبدالکیم وغیرہ محرم ۱۳۲۴ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب سلمہ تعالیٰ!
 بعد آداب قدسوسی کے واضح ہو کہ عرض خدمت میں یہ ہے کہ ہم لوگ حضرت پیر مولانا عبداللہ مسولی کے مرید ہوئے ہیں۔
 انہوں نے لا الہ الا اللہ تین مرتبہ فرض نماز کے بعد بتلایا ہے۔ ہم لوگ ضرب لگایا کرتے تھے اور ہیں۔ تو یہاں پر اچھی

بخش صاحب مولوی تشریف لائے۔ تو انہوں نے بھی اپنے مرید کئے اور فرماتے ہیں کہ ضرب مارنا منع ہے۔ اور ہم لوگوں کو نصیحت کر کے مسجد میں ذکر بند کرا دیئے ہیں اور اپنے مریدوں کو سکھا دیئے ہیں کہ یہ لوگ وہابی ہیں۔ فقط ضرب مارنے کے سبب سے ہم لوگ وہابی کہلاتے ہیں۔ ہم اگر ذرا بولیں تو وہ لوگ مارتے ہیں۔ ہم لوگوں کا بازار وغیرہ جانا مشکل ہے۔ اس لئے ہم لوگ آپ کو وسیلہ جان کر برائے خدا ہم لوگوں پر رحم کرے اور اس آفت سے بچائے۔ آپ حضرات عالم دین ہو، حق ناحق جانتے ہو، سچ جان کر لا الہ الا اللہ ضرب مارنا جائز ہے یا نہیں؟ ہم لوگوں کو لکھتے اور بڑی بڑی آفتوں میں ہم لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ اب ہم لوگ آپ کے بھروسہ پر ہیں۔ ہم لوگوں کو بتائیے ضرب لگانا بعد نماز فرض کے تین مرتبہ قرآن شریف و حدیث شریف میں کوئی آیت ہے کہ نہیں۔ اس کو تار سمجھ کر بہت جلد ہم کو فتویٰ روانہ فرمائیں اور قرآن شریف میں کون سی آیت ہے، وہ بھی ہم کو لکھتے۔ لوگ بولتے ہیں کہ ذکر جلی کے واسطے قرآن شریف میں کوئی آیت نہیں ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں؟

ال جواب

ذکر رب العزۃ جل جلالہ ہر حال و ہر وقت، موجب نزول رحمت رب الغلیمین و باعث اطمینان قلوب مسلمین ہے۔ خود ارشاد فرماتا ہے: ”اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ“ (الرعد: ۲۸) ”سن لو! اللہ کی یاد میں دلوں کا چین ہے۔“ رہا ذکر خفی یا جلی۔ احادیث کثیرہ دونوں کی موید اور فقہاء کا ذکر جلی کو مکروہ لکھنا خلاف مصلحت ہے یا لزوم مضرت کے ساتھ مقید اور یہی وجہ تطبیق، تبیین الاحادیث ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں تحریر فرمایا ہے: ”حاء فی الحدیث ما اقتضی طلب الجہر و ہناک احادیث اقتضت طلب الاسرار و الجمع بینہما ان ذلک یختلف باختلاف الاقوال والاشخاصی کما جمع بین الاحادیث الدالۃ علی طلب الجہر بالفقرۃ والدالۃ علی الاسرار فحیث خیف الریاء او تاذی المصلین او النیام فالاخفاء افضل و علیہ یحمل خیر الذکر الخفی والجہر افضل حیث خلعا عما ذکر لآتہ اکثر عملا و تنادی فائدتہ للمسامعین و یوحدہ قلب الذاکر۔“

علاوہ احادیث قولیہ ذکر جلی، خود فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت۔ صحیح مسلم شریف میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی: ”قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من صلاتہ یقول بصوتہ الاعلیٰ: ”لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ المملک ولہ الحمد و هو علیٰ کل شیء قلیر“ ذکرہ فی مشکوٰۃ۔ شیخ محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: ”اس حدیث صریح است در جہر ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باواز بلند می خوانند۔ اما بعضی گفتند کہ بلند خواندن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برائے تعلیم اصحاب بود، اما افضل اخفا است۔ (القولہ) حق آنست کہ اوقات مختلف است۔ گاہے ذوق حضور در اخفاء دست دہد و گاہے در جہر شوق افزاید۔ اما جہر بذکر شروع است بلاشبہ۔“

فاضل نامی علامہ شامی رد المحتار میں فرماتے ہیں: فی حاشیة الحموی عن الامام الشعرانی "اجمع لعلماء سلفا وخلفا استحباب الجہر جماعة فی المساجد وغیرہا من غیر نکیر الا ان یشوش جہرہم علی نائم او مصل او قاری کما هو مقرر فی الکتب الفقہیۃ او۔"

پس جب معلوم ہوا ذکر بالجہر مثل ذکر خفی مشروع اور سلفا وخلفا اس کے استحباب پر اجماع منقول۔ تو اس سے منع کرنا ہرگز ناجائز ہے۔ نہ کہ معاذ اللہ وہ جبروتی حکم و ہایت لگانا، مسائل اختلافیہ میں حکم بحرمۃ قطعہ کا بھی محل نہیں، چہ جائے کہ ضلالت و وہابیت بقرض باطل، اگر ذکر علی مکروہ ہی ہوتا، تاہم ایسے احکام باطلہ کی شاعت اس سے ہزار درجہ نخت و بدتر ہے۔ یہ وقائق تدلیس و تلبیس ابلیس لعین سے ہے کہ آدمی کو نبی عن المنکر کے پردہ میں اشعر و انکر کا مرتکب کر دیتا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ السلام واحکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از جالندھر المستفتی محمد احمد خاں محلہ راستہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شوہر نے اپنی عاقبت کی بہبودی، حصول محبت الہیہ، تزکیہ نفس اور منازل سلوک کے طے کرنے کے واسطے ایک شیخ کامل و مکمل عامل شریعت و واقف طریقت سے بیعت کر لی ہے اور اسی بیعت پر اسے کچھ عرصہ گزر گیا ہے۔ یہ شخص دن بھر اپنے معاش کا کام کرتا ہے اور رات کے وقت صرف دو گھنٹے حسب طریق نقشبندیہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقے میں شامل ہوتا ہے اور فیضان باطنی حاصل کرتا ہے۔ یہ شخص نہایت پرہیزگار و تہجد خواں وغیرہ نسبت سابقہ ہو گیا ہے، نیز اس عرصہ میں اس کے دو مقام بھی ذکر سے جاری ہو گئے ہیں۔ مگر اس کا باب جس پر حرص دنیاوی، جہالت اور ضد غالب ہے، اس لڑکے کو اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکتا ہے۔ اس شخص کے باپ نے اس کو کئی دفعہ زور و کوب بھی کیا ہے کہ میں تم کو مرشد کے پاس ہر گز نہ جانے دوں گا اور میری اس میں سخت ناراضگی ہوگی۔ چونکہ اس شخص پر محبت الہیہ کا اثر جو دامن گیر ہو رہا تھا اور مرشد کی تعلیم ظاہری و باطنی گھر کر گئی تھی، اس نے باپ کے سامنے کبھی اف تک نہیں کی۔ بڑے استقلال اور بردباری سے مار کھا رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ میں مرشد کے پاس جانا کبھی نہیں چھوڑ دوں گا، اس لئے کہ وہاں جانے سے محبت الہیہ بڑھتی ہے۔ اگر نہیں جاتا تو محبت الہیہ کی پرہوتی نظر آتی ہے۔ صوم و صلوة و دیگر احکامات شرعیہ میں سستی وارد ہوتی ہے۔

(۱) اس حدیث سے محبت الہیہ کا حاصل کرنا، والدین کی خدمت سے بڑھ کر فرض ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ وہ حدیث یہ ہے: "عن انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: "لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ و الناس اجمعین"

(۲) حقوق اللہ، حقوق عباد پر غالب ہیں یا نہیں؟

(۳) یہ شخص جو باپ کو ناراض کر کے واسطے حصول محبت الہیہ اور طے کرنے منازل سلوک کے، مرشد کے پاس

جاتا ہے۔ آیا یہ شخص گنہگار ہے یا نہیں؟

(۴) اس طرح عبادت کرنے سے اس کی عبادت قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

(۵) محبت الہی کے حاصل کرنے کے لئے اس طرح باپ کی ناراضگی میں مرشد کے پاس جانا، والدین کی

خدمت سے بڑھ کر ہے یا نہیں؟

(۶) اس کا باپ اس طرف سے روکنے میں خطا پر ہے یا نہیں؟ اور ایک نقل مکتوب مقدس حضرت مجدد علیہ الرحمہ اس مسئلے کے متعلق استفتاء کے ساتھ علیحدہ شامل کی جاتی ہے۔ آپ ملاحظہ فرمائیے۔ اس کا جواب مدلل طور پر بحوالہ کتب معتبرہ مع عبارت ارقام فرما کر بہت جلد ارسال فرمادیں۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ پندرہ روز کو ایک علمائے کرام کے جلسہ میں پیش ہوتا ہے اور اس میں جس قدر علمائے کرام کے دستخط و مواہیر ثبت ہوں گی، بندہ آپ کا دل سے شکر گزار ہوگا۔ فقط

الاجاب

(۱) اللہ و رسول جل و جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاد پر ابوین کے اس قدر حقوق رکھے ہیں کہ حد تحریر و احاطہ تقریر سے باہر ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا (الاحقاف: ۱۵)" اور ہم نے تقیید کی آدمی کو ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کی" وقال تعالیٰ: "وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِضْلُهُ فَبَيْنَ عَامَتَيْنِ أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ (لقمان: ۱۴)" تاکید کی ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے حق میں، پیٹ میں رکھا اسے اس کی ماں نے سختی پر سختی اٹھا کر اور اس کا دودھ چھٹنا دوبرس میں ہے، یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ وقال تعالیٰ: "وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (الاسراء: ۲۳)" حکم فرمایا تیرے رب نے سوا اس کے کسی کو نہ پوجو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔

وقال تعالیٰ: "فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٌ وَلَا تُنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَأَخْفِصْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا (الاسراء: ۲۳، ۳۴)" اور والدین کو "ہوں" نہ کہو اور نہ ان کو جھڑک اور ان سے عزت کی بات کہہ اور ان کے لئے نرم دلی سے ذلت کا بازو بچھا اور یوں عرض کر کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے چھپپن میں پالا۔

آیہ شریفہ میں اگرچہ اف کرنے کی ممانعت ہے۔ مگر دلالت النص سے ان تمام باتوں سے، جو ان کو ناگوار اور ان کے مزاج کے خلاف ہوں، ممانعت ثابت ہے۔ فقد اخرج ابن ابی حاتم عن السدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الآیۃ قال: "لا تغفل لهما آف مما سواہ" و اخرج الدیلمی عن انس بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعاً: "لو علم اللہ شیئاً من الحقوق ادنی من آف لحرمة۔

تفسیر ابوالسعود میں ہے: "وبهذا النهی یفہم النهی عن سائر ما یؤذیہما بدلالة النص۔"

وابن ابی شیبہ عن ابن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
 دوسری حدیث میں ہے: ”ایک صحابی یمنی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب جہاد کا ارادہ کیا۔
 ارشاد ہوا، تیرے ماں باپ نے اجازت دی؟ عرض کی نہیں! فرمایا: ”فارجع الی ابویک فاستأذنیہما فان فعلتا
 فحاهد والا خبرہما فان ذلک افضل مما تلقی اللہ بہ بعد التوحید“۔ ”لوٹ اپنے ماں باپ کی طرف اور ان
 سے اجازت مانگ۔ اگر اجازت دیں تو جہاد کرو ورنہ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کر۔ یہ بعد توحید و ایمان سب اعمال سے
 افضل ہے۔ رواہ الامام احمد و ابن حبان عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تیسری حدیث میں ہے: ”ایک صاحب حاضر خدمت اقدس ہوئے اور ہجرت پر بیعت چاہی اور کہا کہ ماں
 باپ کو رولا کر آیا ہوں۔ فقال: ”ارجع واضحکھما کما ایکتمھا“۔ ”لوٹ جا ان کے پاس اور انہیں ہشادے جیسا
 کہ رولا یا ہے“۔ رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ وعبد الرزاق فی المصنف والبخاری فی الادب المفرد
 والبیہقی فی شعب الایمان والحاکم عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وقال صحیح الاستاد۔

چوتھی حدیث میں ہے: ”حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد میں جانے کے بارے میں رائے اقدس
 دریافت کرنے کو حاضر ہوئے۔ فرمایا: کیا تیری ماں ہے؟ عرض کی ہاں! فرمایا: ”فالسزمہا فان الجنة عند رجلہا“۔
 اسی کی خدمت میں لگا رہ کہ یقینی جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ رواہ النسائی وابن ماجہ والحاکم من
 حدیث معاویہ بن جاحمہ وقال صحیح الاستاد۔

پانچویں حدیث میں: ”بر الوالدین یجزی عن الجہاد“ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا جہاد سے کفایت کرتا
 ہے۔ رواہ ابن ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

پس جب بے اجازت والدین جہاد کی اجازت نہ ہوئی، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”فَضَّلَ
 اللّٰهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَنْحَرَأَعْظِيمًا ذَرْجَاتٍ لَهُمْ مِّنْهُ مَغْفِرَةٌ وَرَحْمَةٌ“۔ ”اور بزرگی دی اللہ تعالیٰ نے جہاد
 کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے ثواب سے اپنے پاس کے درجوں اور بخشش اور مہربانی میں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”لِغَزْوَةٍ فَلَی سَبِيلُ اللّٰهِ أَحَبُّ إِلَیَّ مِنْ أَرْبَعِیْنَ
 حِجَّةً“۔ ”البتہ ایک مرتبہ جہاد کرنا مجھے محبوب ہے چالیس حج سے“ رواہ عبد الجبار الحولانی فی تاریخ راویا
 عن مکحول مرسلہ۔

باپ کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہونے کی کیونکر اجازت دیجائے گی؟ اس شخص کو چاہئے کہ شیطان کے
 دھوکے سے باز آئے، والد کی فرمانبرداری کرے، ان کو ایذا نہ دے، عاق نہ بنے، والدین کی رضا بہت بڑی نعمت ہے،
 اس کی قدر کرے۔ حدیث میں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: ”مَنْ أَصْبَحَ مَرْغَبًا لِأَبَوَيْهِ أَصْبَحَ لَهُ بِأَبَانٍ مَغْتَوَّحًا
 إِلَى الْجَنَّةِ وَكَذَلِكَ مِنْ أُمِّئِیْ مِثْلُ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدًا وَإِنْ ظَلَمُوا وَإِنْ ظَلَمْنَا“۔

”جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ اپنے ماں باپ کی رضا چاہتا ہے، اس کے واسطے دو دروازے جنت کے کھلے ہوئے ہیں۔ اور ایسا ہی جو شخص شام کرے اور اگر ماں باپ میں سے ایک ہے تو ایک دروازہ جنت کا کھلا ہے۔ اگر چہ ماں باپ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں۔ اور جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ ماں باپ کو ناراض کرنے والا ہے، اس کے لئے دو دروازے جہنم کے کھلے ہیں۔ اور اگر ایک ناراض کیا تو ایک اور ایسا ہی جو شام کرے۔ اگر چہ ماں باپ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں۔“ رواہ ابن شیبہ والبیہقی فی شعب الایمان وابن عساکر فی التاریخ والدیلمی فی الافراد ونحوہ للبخاری فی الادب المفرد وابن النجار عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وللدارقطنی من حدیث زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دوسری حدیث میں ہے: ”لایدخل الجنة منان ولا عاق ولا مدمن خمر۔“ ”جنت میں نہ جائے گا احسان جتانے والا اور ماں باپ کو ایذا دینے والا اور شرابی۔“ رواہ النسائی والدارمی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعاً۔

تیسری حدیث میں ہے: ”لایدخل عاق ولا ولد زنا ولا مدمن خمر ولا منان۔“ ”جنت میں والدین کو ستانے والا نہ جائے گا اور نہ حرامی اور نہ شرابی، نہ دے کر احسان جتانے والا۔“ رواہ ابن ابی شیبہ والبخاری والحاکم والبیہقی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً۔

چوتھی حدیث میں ہے: ”لایدخل الجنة عاق والذیہ ولا منان ولا ولد زنیہ ولا مدمن خمر ولا قاطع رحم ولا من اتی ذات رحم۔“ ”جنت میں نہ جائیگا ماں باپ کو ایذا پہنچانے والا، نہ احسان جتانے والا، نہ ولد الحرام، نہ شراب نوش، نہ تفرقہ ڈالنے والا اور نہ خاندانی محرمات سے زنا کرنے والا۔“ رواہ ابن ابی شیبہ وعبد الرزاق والنسائی والبیہقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

پانچویں حدیث میں ہے: ”ان الجنة یوحد ریحها من مسيرة خمس مائة عام ولا یحد ریحها عاق۔“ ”یعنی جنت کی ہوا پانچ سو برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے اور اس کی یونہی پائے گا والدین کو ناراض کرنے والا۔“ رواہ الطبرانی فی المعجم من حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفی الاوسط من حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفیہ من مسيرة الف۔“

”یعنی جنت کی خوشبو ہزار برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے۔“

اور محرومی کو یہی کیا کم ہے، پانچ سو برس کی راہ جنت سے دور ہے۔ سو معصیت کے تمامی باتوں میں والدین کی فرمانبرداری فرض ہے۔ جس بات سے ایذا ہو اس کا کرنا حرام۔

امام خاتمہ المجتہدین علامہ تقی الدین مکی پھر علامہ بدر الدین عینی عمدة القاری میں فرماتے ہیں: ”عقوق والدین کی ایذا رسانی ہے، جس قسم سے ہو تھوڑی ہو یا بہت، وہ منع کریں یا نہ، اور ان کے اوامر و نواہی کی مخالفت ہے

بشرطیکہ وہ معصیت نہ ہو۔ العقوق ایذاً لہما ہاں، نوع کان من انواع الاذنی قل او کثر نہیاً عنہ او لم ینہیما او یخالفہما فیما یامران او ینہیان بشرط انتفاء المعصیۃ فی الكل۔ بلکہ انہیں علامہ نے امام ابو بکر طوسیؒ کی ماکلی سے نقل فرمایا کہ ایک یا دو مرتبہ سنت مؤکدہ کے ترک کا حکم کریں تو ان کی فرمانبرداری چاہئے۔ واخرج عبد الرزاق فی المصنف عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ سئل ما یرى الوالدین؟ فقال: "تبدل لہما ما ملکک وان تطیعہما فیما امراک بہ الا ان یکون معصیۃ۔" حسن البصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا، بروالدین کیا ہے؟ فرمایا: اپنی سب ملک کا انہیں مالک جان اور سوا معصیت جس کام کے لئے حکم کریں، بجالا۔

نبیؐ کی روایت میں ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے: "وان امراک ان تخرج من کل شئ فاجرح۔" اور اگر وہ تجھے حکم کریں کہ اپنی سب چیزیں چھوڑ کر نکل جا تو تو نکل جا۔

صرف استقلال و بردباری سے مار کھا لینا اور زبان سے اف تک نہ کرنا، اسے باز (فرمانبردار) نہیں کر سکتا۔ جب صاف صاف باپ کے قول کے خلاف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ باپ کہتا ہے کہ میں تم کو مرشد کے پاس ہرگز نہ جانے دوں گا اور میری اس میں سخت ناراضگی ہوگی۔ اور یہ شخص کہتا ہے کہ میں مرشد کے پاس جانا کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ روزانہ دو گھنٹے کے لئے چل دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "ما یرى اباه من حدّ الیہ الطرف۔" جو شخص اپنے باپ کی طرف تیز نگاہ سے دیکھے، اس نے بر نہیں کیا۔ رواہ ابن مردويه والبیہقی فی شعب الایمان عن ام المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

یہ حدیث قدسی نہیں بلکہ حدیث میں محبت محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے کہ محبت محمدی جب تک سب سے غالب نہ ہو ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتا۔ چاہے باپ ہو یا اولاد یا کوئی، جس سے محبت الہیہ کا حاصل کرنا والدین کی رضا سے ثابت ہو۔ اگرچہ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کی فریضیت، رسول اللہ حبیب اللہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ مگر جس محبت کا حدیث میں ذکر ہے، وہ باپ کو ناراض کر کے رات کو دو گھنٹے حسب طریقہ نقشبندیہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقے میں شامل ہونے سے نہیں ہوتی۔ وہ تو ایک نور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے مسلمان کے قلب میں ڈال دیتا ہے جس کی وجہ تمام کائنات ایک پلہ میں اور دامن اقدس ایک پلہ میں رکھ کر تولا جائے تو یہی پلہ غالب ہو۔ اس کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ والدین کو ہرگز ناراض نہ کرے کہ وہ اس محبت جلیلہ کی کمی پر وال ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے، اس کو کسی کی حاجت نہیں اور عباد محتاج ہیں۔ اس لئے علماء نے تصریح فرمائی کہ حق اللہ اور حق العباد میں حق العباد مقدم ہے۔ ورمشی پھر در مختار میں ہے: "دین العباد یقدم لو اجتمع مع دین اللہ لانہ تعالیٰ هو الغنی ونحن الفقراء۔" اگر جمع ہوں حق اللہ اور حق العباد تو بوجہ فقر عباد کے بندوں کا حق مقدم ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: "اذا اجتمع الحقان قدم حق العبد لا حتاجہ علی حق اللہ تعالیٰ لغنائہ۔"

غیر العیون والبصائر میں ہے فتاویٰ دوا البیہ اور اس میں فتاویٰ صدر الشہید سے ہے: "اذا اجتمع الحقان قدم حق العبد و ذلك كما لو وجد صيدا و مال الانسان يذبح الصيد ولا يأخذ مال المسلم لانهما استويا في الحرمة الا ان الصيد حرام حق الله تعالى و مال المسلم حرام حق العبد فكان الترحيح لحق العبد لحاجة اليه۔"

(۳-۴) یہ شخص ضرور گنہگار ہے۔ اسے ہرگز روا نہیں کہ رضائے والد واجب کو چھوڑ کر شغل و اشتغال ایک مستحب کام میں مشغول ہو۔

(۵) کسی کی عبادت قبول کرنا یا اس کے منہ پر مار دینا، اللہ کی مرضی ہے۔ اس کا ہمارے پاس ٹھیکہ نہیں کہ قبولیت یا مردودیت عبادت کا پروانہ دیا جائے۔ مجھے اپنا ہی حال معلوم نہیں کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یا معاذ اللہ نہیں۔ ہاں اس کے فضل سے امید کی جاتی ہے کہ جو اس کی مرضی کے موافق ہو، اپنی رحمت سے قبول فرمائے۔ مگر والدین کی ناراضی میں ہرگز اس کی رضا نہیں۔

(۶) محبت الہی فرض الہم ایمان بلکہ رکن ایمان بلکہ عین ایمان ہے۔ بغیر ایمان کے نہ رضائے والدین کام دے، نہ کوئی دوسرا عمل۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَكَانَ ظُهُورُهُمْ لَوَجْهِهِ يَخْرُجُونَ" اور جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے، ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا۔ (کنز الایمان)

وقال تعالیٰ: "أُولَئِكَ الَّذِينَ خَاطَبْتَ أَغْمَاسَهُمْ" (آل عمران: ۲۲) "یہ ہیں وہ جن کے اعمال اکارت گئے۔" (کنز الایمان)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "لا يقبل عمل بلا ایمان"۔ "اللہ تعالیٰ کوئی عمل بے ایمان کے قبول نہیں فرماتا" رواہ الطبرانی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وامتداد حسن اس لئے اس شخص کو سلوک کی تحصیل کے لئے باپ کو ایذا دے کر مرشد کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ کما قدمنا

(۷) اگر اس کا باپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہے یا اسے اپنی ایذا کا خیال ہے کہ اسے تنہا چھوڑ کر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا، تو کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کا کوئی حرج نہیں تو ذکر و فکر، شغل و اذکار سے وہ اپنے بیٹے کو نہ روکے۔ کیونکہ اس کو اجازت نہیں کہ وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو۔ حضرت مجدد کے مکتوب کا بھی خلاصہ یہی سمجھنا چاہئے۔ ورنہ آیات و احادیث اس سے پہلے ذکر ہو چکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسئلہ مرسلہ حافظ محمد بخش صاحب جنوب پنج پیر بھی ۲۲ صفر ۱۳۲۳ھ
علمائے دین کیا ارشاد فرماتے ہیں، ایک شخص ہندو بنظر ہے مگر عقائد بہت اچھے ہیں۔ یعنی نماز مثل مسلمانوں کے

ادا کرتا ہے۔ اب اس کو قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ ہوا ہے۔ اس حالت میں روزہ اس کا کیسا ہے؟ اور نیت اس کی مسلمان ہونے کے لئے ہے مگر ابھی مسلمان نہیں ہوا ہے اور کلام مجید پڑھانے والے کے لئے باعث ثواب ہے یا معصیت یا کیا؟ ہندوؤں کی جتنی بدعت ہوتی ہیں، وہ سب ترک ہے۔ محرم میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ کرانا اور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دینا اور کلام مجید میں ہاتھ لگانا کیسا ہے؟ بیٹا او تو جروا۔

الـجـواب

ہندو کہ بلا اکراہ مذہب اسلام ظاہر نہ کرے، اسی کفر پر بنا رہے، اگرچہ ہندوؤں کی بدعتیں چھوڑ دے، فاتحہ امام حسین وغوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کرے، قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ رکھے بلکہ پڑھے، لیکن جب تک علی الاعلان اپنا اسلام ظاہر نہ کرے، ہرگز مسلمان نہیں۔ لیکن اگر کسی سخت مجبوری والا کراہ شرعی کے سبب ظاہر نہ کرے اور دل اس کا ایمان پر مستقیم ہو تو مضاقت نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: ”إِلَّا مَنْ أَكْرَاهُ وَقُلُّهُ مِطْمَئِنَّةً يَأْتِيَانِ“ (النحل: ۶۰) ”سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو“۔ (کنز الایمان)

مگر مال کا جانا یا باپ، ماں، عورت، اولاد کا چھوٹنا، اپنی قوم سے، برادری سے نکالا جانا، کوئی وجہ شرعی نہیں۔ اسے قرآن مجید پڑھانا گناہ نہیں بلکہ امید ثواب ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ اسے اس کے طفیل میں ہدایت عطا فرمائے۔

قاضی خان میں ہے: ”الحریری او الذمی اذا طلب تعلیم القرآن یعلم و کذا اذا طلب تعلیم الفقہ رجاء ان یتبدی الی الحق لکنہ یمنع عن المصحف مالم یغتسل ھکذا فی الصغیری۔“

خزانة المفتیین میں ہے: ”واذا قال الکافر لمسلم علّمنی القرآن فلا بأس بان یعلمہ لکن لا یمسّ المصحف وان اغتسل او متہ لا بأس بہ۔“

”یعنی اگر کوئی کافر عربی یا ذمی مسلمان سے قرآن شریف یا فقہ سیکھنا چاہے تو سکھانے میں حرج نہیں۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کر دے لیکن بغیر غسل قرآن شریف کو ہاتھ نہ لگائے اور اگر نہایت پاک صاف ہو کر مصحف شریف کو چھوئے تو کوئی حرج نہیں۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اصحاب من احباب کتبہ فقیر غلام محمد بہاری۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد، پتھو شریف ضلع گیا ڈاک خانہ چاکند ۶ صفر ۱۳۲۳ھ

علم میں لفظ محمد اور احمد دونوں شرعی حیثیت سے جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً ظہور احمد، محمد عنایت احمد کیسا ہے؟

الـجـواب

بلاشبہ جائز ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے نام پر نام رکھا اس کی شفاعت کروں گا۔

علامہ محمد بوسیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

فان لی ذمۃ منہ بتسمیۃ منی محمدا وهو لوفی الخلق بالذم
اور محمد اور احمد دونوں نام پاک ہیں اور دونوں کا جمع بھی جائز ہے کہ مجموعہ حسن اور حسین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد از پتہ شریف ضلع گیارہ اکٹوبر ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عالم رویاء میں بیعت ہونا کیسا ہے؟ بینا و نو جو را۔

الجواب

جائز و صحیح و مقبول ہے۔ حضرت شاہ ابوبکر بن ہوار رضی اللہ عنہ کا سلسلہ منامیہ صدیقیہ عالم رویاء ہی میں بیعت سے ہے۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیارت سے شرف ہوئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! خرقہ عنایت ہو؟ فرمایا: ”اے ابن ہوار! میں تیرا نبی ہوں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ تیرے شیخ ہیں۔“ پھر فرمایا: ”اے ابوبکر! اپنے ہمنام ابوبکر بن ہوار کو خرقہ عنایت کرو۔“ صدیق اکبر نے خرقہ و کلاہ عنایت فرمایا۔ جب بیدار ہوئے کلاہ مبارک سر پر رکھی دیکھی اور خرقہ پہنے پایا۔

شیخ نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر نجفی شافعی اپنی کتاب بیچہ الاسرار شریف میں ارقام فرماتے ہیں: ”اعبرنا قاضی القضاۃ، شیخ الشیوخ، شمس الدین، ابو محمد عبد اللہ محمد المقدسی قال سمعت الاشیاع السلفۃ الشیخ العارف ابی الحسن علی بن سلیمان البغدادی المعروف بالجبار والشیخ الصالح ابی زکریا یحییٰ بن یوسف ابن یحییٰ الصرصری والشیخ العالم کمال الدین ابی الحسن علی بن محمد بن محمد بن وضاح الشهرستانی قالوا سمعنا الشیخ الجلیل ابی محمد علی بن اذریس البغوی یقول سمعت شیخنا الشیخ علی ابن الہیثمی رضی اللہ عنہ یقول سمعت شیخنا تاج العارفین ابی الوفا رضی اللہ عنہ یقول سمعت شیخنا الشیخ ابی محمد الشیبکی یقول سمعت شیخنا کان الشیخ ابی بکر بن ہوار رضی اللہ عنہ شاعرا یقطع الطریق بالبطائح ومعہ رفقاء وکان مقدمہم وکانوا یجلسون علی تلك المعابر یقتسمون اموال الناس فسمع لیلۃ امرءۃ تقول لزوجه: ”انزل ہننا لئلا یأخذنا ابن ہوار واصحابہ“ فاتعظ وبکی وقال: ”الناس یخافوننی وانا لا احاف اللہ تعالیٰ“ وتاب فی وفته ذلك وتاب معہ اصحابہ وانقطع مکانہ متوجہا الی ربہ عزوجل علی قدم الصدق والاحلاص فی ارادته ووقع عنده ان یسلم نفسه الی من یوصلہ الی ربہ تعالیٰ ولم یکن بالعراق یومئذ شیخ مشہور من اهل الطریق فرأی فی منامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابا بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فقال لہ یا رسول اللہ الیسنی خرقۃ فقال لہ یا ابن ہوار! انا تبیک وهذا شیخک و اشار الی الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم قال یا ابی بکر الیس معیک ابن ہوار کما امرت فالیسہ الصدیق رضی اللہ عنہ ثوبا وطافیۃ و مرییدہ علی راسہ ومسح علی ناصیئہ وقال

بارک اللہ فیک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا بکر! بک تحییٰ سنن اهل الطريق من امنی بالعراق بعد موتہا و یقوم مناد ازباب الحقائق مع احباب اللہ تعالیٰ بعد دروسہا و فیک تكون المشیخة بالعراق النیوم القيامة وقد هبت نسائم اللہ بظہورک و ارسلت نفحات اللہ بقیامک ثم استیقف فوجد الثوب والطاقيہ بعبیتہما علیہ و کانت علی راسہ ثوالیل فلم یرہا اذ (بہجۃ الاسوار و معدن الاسرار ص ۱۳۳ مطبوعہ مصر)

و علیٰ ہذا منجملہ سائر سلاسل رضویہ عزیزہ علویہ منامیہ بھی اسم بامسمیٰ ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مشرف بزیارت خاتم الخلق امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ ہوئے۔ عرض کیا: بیعت لیجئے۔ امیر المؤمنین نے دست اقدس بڑھا کر بیعت سے شرف فرمایا۔ واللہ الحمد واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ از بنگال ضلع نواکھلی ڈاکخانہ حاج شیخ محمد رگورام پور بدرسا نور العلوم از مولوی محمد البیاد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) پیر و مرشد سے توجہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض مولوی وہابیہ کہتا ہے کہ حرام ہے اور توجہ لینے والا اور دینے والا کافر ہیں۔

(۲) اولیاء اللہ کو رکھنا حرام ہے یا نہیں؟ وہ شخص اس کا بھی منکر ہے اور کہتا ہے جو شخص مکافہ کا قائل ہو، وہ کافر ہے۔

(۳) پیر بزرگ کے ہاتھ یا قدم چومنا جائز ہے یا نہیں؟ وہ شخص کہتا ہے کہ حرام ہے اور قدم بوسی کرنے والا شرک ہوگا۔

(۴) اجرت پر وعظ کہنا مثلاً ۴۰ روپے دینا ہوگا، نہیں تو میں وعظ نہیں کہوں گا۔

(۵) مولود شریف و قیام جائز ہے یا نہیں؟ وہ شخص قیام مولود شریف کو حرام اور اس کے کرنے والا کو بدعتی کہتا ہے۔ جواب مسئلہ کا بحوالہ کتب مع صفحہ ارشاد فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے اجر پاویں۔

الـجـواب

توجہ لینا اپنے پیر و مرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔

کتاب الترغیب والترہیب حافظہ کی الدین عبد العظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۳۰۱ پر ہے: "وعن یعلیٰ ابن شداد قال حدثنی ابی شداد ابن اویس وعبادة بن الصامت حاضرا یصدقہ قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط فقال هل فیکم غریب یعنی اهل الکتاب قلنا لا یا رسول اللہ! فامر بعلق الباب و قال ارفعوا ایدیکم و قولوا لا اله الا اللہ۔ فرفعنا ایدینا ساعة ثم قال الحمد لله اللہم انک بعثتہ بہذہ

الكلمة ووعدتني عليها الجنة وانت لا تعلم الميعاد ثم قال ابشروا فان الله قد غفر لكم۔
 ”یعنی مروی ہے یحییٰ بن شداد سے، کہا مجھ سے، بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن ادیس نے اور حضرت
 عبادہ بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ!
 صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا الہ الا اللہ کہو تو
 ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعا فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ الہی! تو نے
 مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عزوجل نے
 تم کو بخش دیا۔“ رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرہما۔

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزئیہ ہے ورنہ لا الہ الا اللہ کی تعلیم کو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام
 جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ اہل فیکم غریب تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے سے
 پرہیز نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا الہ الا اللہ تھی جس میں
 خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے۔ اور یہ یعنی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ ولله الحمد واللہ
 تعالیٰ اعلم۔

(۲) اولیائے کرام کا مکلف بلاشبہ حق ہے۔ کتب تصوف اس سے مملو و مشون ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے
 ہیں: ”اتقوا فرياسة الحومن فانه ينظر بنور الله۔“ ”تم مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔“
 رواہ البخاری فی التاريخ والترمذی عن ابی سعید الحکیم والطبرانی فی الکبیر وابن عدی فی الکامل
 عن ابی امامة وابن جریر عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ذکرہ الامام الجلیل الحلل السیوطی فی
 الجامع الصغير ص ۷

حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

نظرت الی بلاد اللہ جمعا کبیرة علی حکم اتصال

”میں نے خدا کے تمام شہروں کو حکم اتصال رائی کے دانہ کی طرح دیکھا۔“

نیز فرماتے ہیں: ”وان بقو عینی فی اللوح المحفوظ۔“ ”اور یقیناً میری آنکھ کی پتلی لوح محفوظ میں لگی
 ہوئی ہے۔ یعنی میں تمام مکتوبات لوح محفوظ کو مشاہدہ کر رہا ہوں۔“ (ہجۃ الاسرار شریف)
 ”نجات الانس فی حضرات القدس“ کے ص ۴۹ میں عارف نامی مولانا جامی قدس سرہ السامی تحریر فرماتے ہیں:
 حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ می فرمود کہ حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ والرضوان می گفتہ اند کہ زمین در نظر این
 طاقتہ چوں سفرۃ ایست کہ مای گوئیم کہ چوں روی ناخن است۔ بیچ چیز از نظر ایشان غائب نیست۔“

یعنی سب چیزوں کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کے سوا اور مکاشفہ نام کس کا ہے؟ ذلک من فضل اللہ علی الناس ولكن الوہابیہ قوم لا یفقهون۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) بیشک بزرگان دین، مرشدان عظام و اساتذہ کرام و آبائے کرام و پادشاہان اسلام و دیگر معززان واجب الاحترام کے دست و پا کا بنظر محبت اسلامی و تکریم میں چومنا جائز و درست ہے۔

مشکوٰۃ شریف مطبوعہ اصح الطابع باب المصائب والمعانفہ ص ۳۰۳ میں ہے: "وعن زارع وکان فی وفد عبد القیس قال: لما قدمنا المدینة فجعلنا نتباز من رواحلنا فنقبل ید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورجلہ۔" یعنی مروی ہے زارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (اور تھے وہ عبد القیس کی جماعت میں) کہا جب ہم حاضر ہوئے مدینہ میں۔ جلدی کی اپنی سوار یوں سے اترنے میں پس چومادست و پار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

شیخ محقق محدث دہلوی لمعات میں فرماتے ہیں: "وفی الحدیث دلیل علی حوازی تقبیل الرجل و جاء فی غیر هذا الحدیث ایضاً۔"

اشعۃ اللمعات ترجمہ فارسی مشکوٰۃ جلد رابع مطبع تولکشر ص ۲۷ س ۱۱: "دریں جا تجویز پائے بوس معلوم شد۔ چنانچہ سابقہ برآں اشارت کردیم۔"

رد المحتار جلد ۵ کتاب الفکر والابادۃ ص ۵۸ س ۵ میں رسالہ علامہ شرنبلالی سے حدیث نقل کی: "قال ثم اذن له فقبل راسه ورجليه۔ طحطاوی جلد ۴: قال الشرنبلالی فعلہ مجموع ما ذکرنا اباحۃ تقبیل الید والرجل والرأس والکشح کما علم من الاحادیث المتقدمۃ اباحتها علی الجبۃ و بین العینین و علی الشفتین اذا کان علی المبرۃ والاکرام۔"

رہا حضرات وہابیہ کا ان سب باتوں کو کفر یا شرک کہنا، ان سے ان کی کیا شکایت؟ مثل مشہور ہے الاناء یشرشع بما فیہ ان بزرگوں کو آبائی ترکہ سلسلہ عن الکتوبی عن الدہلوی عن النجدی عن مجتہد الفلک السادس، اسی شرک و کفر کا ملا ہے۔ اب اس کے سوا لوگوں کو کیا دیں اور کہاں سے دیں؟ بات بات میں شرک و کفر نہ ہو تو پھر مولویت کیسی؟ جس کو ان کے کفریات کی بہار دیکھنا ہو، ان کی ایمانی کتاب تقویۃ الایمان اٹھا کر دیکھے۔ ہر ورق کیا، ہر صفحہ میں کفریات بھری ہیں اور وہ کسی ایک دو کی تکفیر نہیں، عامہ تامہ شاملہ کاملہ جس سے کوئی انسان کیا کوئی مخلوق بلکہ خالق تک مبرا نہیں۔

اعلیٰ حضرت ختام المتقین، مجدد ملت حاضرہ، سیدی و سندی، جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب مدظلہم الاقدس نے اپنی کتاب مستطاب "الامن والعلیٰ لناعنی المصطفیٰ بدافع البلا" میں ساٹھ آیتوں اور تین سو حدیثوں سے ثابت فرمایا کہ مذہب وہابیہ حق ہے تو آدمیوں سے لے کر فرشتوں اور امتوں سے لے کر رسولوں، بندوں سے لے کر خدا تک کوئی شرک سے محفوظ نہیں۔ سب مشرک و مشرک گر ہیں۔ وہ قرآن شریف جو شرک کو بیخ برکنہ کرنے کے لئے آیا، معاذ اللہ ان کے طور پر شرک سے مملو ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کہ تو حید سکھانے کو مبعوث فرمائے گئے، عیاذ باللہ ان کے

مذہب پر سب خود مشرک و مشرک گر تھے۔ نعوذ باللہ من شرور الشیطان والایالسمۃ والدجاجلة اجمعین۔
اشراک نجدین کہ ناحق برسد مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم
”قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ“ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (التوبة: ۳۰ / المنافقون: ۴) ”اللہ انہیں مارے
کہا اور مڑھے جاتے ہیں۔“ (کنز الایمان)۔

(۳) اجرت پر وعظ کہنے کی نسبت در مختار میں تصریح فرمائی کہ خلافت و گمراہی و سنت یہود و نصاریٰ ہے۔
در مختار نو لکھنوی ص ۳۳۳ س ۱۴ پر ہے: ”التذکیر علی المناسبات لوطعظ والاتعاظ سنة الاتبياء
والمرسلین ولریاسة ومال وقبول عامة من ضلالة اليهود والنصارى۔“

یہاں اس سے قطع نظر کر کے حضرات وہابیہ اگر بغیر کسی اجرت کے مفت ہی وعظ کہیں بلکہ سامعین کے لئے اپنے
پاس سے اجرت مقرر کر کے وعظ سنائیں تو بھی ان کا وعظ مستحرام ہے کہ وہ عقائد باطلہ زائیدہ کو بیان کریں گے۔ اور ان کا
ضرر کفار کے ضرر سے اشد ہے۔ اور بالفرض کوئی وہابی صاحب خالی نماز، روزے ہی کا وعظ کریں جب بھی انہیں وعظ کے
لئے بیٹھنا حرام ہے کہ منبر پر بٹھانا اور وعظ مسلمانوں بنانے میں ان کی تعظیم ہے اور ہم کو ان کی توہین کا حکم دیا گیا ہے۔ اس
لئے علماء نے تصریح فرمائی کہ ان کو امام بنانا ان کے پیچھے نماز پڑھنا، گناہ اور جو نماز ان کے پیچھے پڑھنی گئی واجب الاعادہ
ہے۔ رد المحتار ج ۱ باب الامامة ص ۵۸۵ س ۱۴ المبتدع تکبر امامتہ بکل حال۔ طحطاوی ج ۱
ص ۲۴۴ س ۱۱: الکراهة فيه تحريمية علی ما سبق صغری۔ ص ۲۷۰ س ۱: وبکرة تقديم الفاسق
کراهة تحريم۔ غنیہ مطبوعہ فسطاطیہ ص ۵۱۳: له قدموا قاسقا یا ثمود۔ مبتدع اور فاسق کے پیچھے نماز
مکروہ تحریمی ہے اور اگر امام بنائیں گے، گنہگار ہوں گے۔ در مختار و کل حلیۃ ادب مع کراهة التحريم تحب
اعادتها۔ ان کی تعظیم کو دین کا ڈھانا فرمایا۔

مشکوٰۃ شریف ص ۲۳: ”وعن ابراهيم بن مسيرة قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من وقر
صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام۔“ جس نے کسی بد مذہب کی تعظیم کی، اس نے دین کے ڈھانے میں مدد دی۔
شرح مقاصد ج ۳ ص ۲۷۰ س ۸: ”حكم المبتدع البغض والعداوة والاعراض عنه والاهانة والطعن
واللعن۔“

رہا ان کا فاسق اور مبتدع ہونا، وہ کوئی چھپی بات نہیں، عالم آشکار و کاشف میں فی رائدہ النصار ہے۔ علمائے عرب
و عجم نے بے شمار رسائل اور فتاویٰ ان کی تحلیل و تفسیق میں تحریر فرمائے اور وہ چھپے اور شائع ہوئے۔ اور یہ تحلیل و تفسیق
نہی اسی حالت تک ہے کہ ضروریات دین کے منکر نہ ہوں اور اگر منکر ضروریات دین ہیں، معاذ اللہ! رب العزت
اصدق الصادقین جل وعلا کو کاذب بالفعل کہیں یا ختم نبوت کا انکار کریں، اعلم الخلق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے
ابلیس لعین کے علم کو زیادہ تائیں یا حضور جیسا علم غیب ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو جانیں جیسا کہ ان کے کبراء

میاں رشید احمد گنگوہی وقاسم نانوتوی وخیل انیسویں واشرف علی تھانوی وغیرہم خذہم اللہ نے اپنے فتاویٰ ورسائل میں لکھے یا ان کے اقوال پر مطلع ہو کر ان کو علمائے دینی یا اقل درجہ ان کو مسلمان ہی جانیں یا لا اقل ان کے کفر میں شک کریں تو کافر مرتد ہیں۔ ان کا وعظ سنتا تو درکنار، ان کے پاس جانا، ان سے کسی طرح کا معاملہ کرنا، سب سخت حرام واشد کبیرہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق وبہ الهدایة فی البدایة والنهاية۔ اللهم طهر عنهم حوزة الدین بحاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم آمین! واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) مجلس میلاد فیض بنیاد، حضور پر نور سیدالاسیاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگرچہ خیر القرون میں ہیئت کذائی نہ تھا، بعد کو حادث ہوا۔ مگر بلاشبہ مستحسن و مندوب ہے۔ روزِ عید مولود سے آج تک اس عمل مقدس کا عرب و عجم، روم و شام و دیگر بلاد اسلام خصوصاً حرمین محترمین میں شیوخ عام و رواج تام پایا اور قرنا فقرنا طہیۃ فطیۃ ہزار ہا اکابر دین متین و سواد اعظم مسلمین و جمہیر ائمہ ملت و مشاہیر اجل امت کا یکمال عقیدت و رسوخ ارادت اس کا کرنا، اس میں شریک ہونا، اس کے احتیاب و احتسان پر شاہد عدل ہیں۔

”اذاقة الانام لمانعی عمل المولد والقیام“ طبع بریلی ص ۸۱ میں حافظ الدین عماد الدین کثیر سے نقل: ”قد انسیٰ علیہ الائمة منهم الحافظ ابو شامہ شیع النوی فی کتاب ”البیاع علی انکار البدع والحوادث“ وقال ومثل هذا لحسن یندب الیہ ویشکر قاعلہ ویثنی علیہ۔“ اسی کے ص ۸۳ پر ہے: امام علامہ صدر الدین بن عمر شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ویناب الانسان بحسب قصده فی اظہار السرور والفرح بمولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔“ انسان اپنی نیت کے موافق اظہار سرور و فرحت مولد میں ثواب دیا جاتا ہے۔“

امام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”یستحب لنا ایضاً اظہار الشکر بمولده صلی اللہ علیہ وسلم بالاجتماع واطعام الطعام ونحو ذلك من وجوه القربان و اظہار المسرات۔“ یہ بھی ہمارے حق میں مستحب ہے کہ ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شکر جمع کر کے کھانا کھلانے اور اس کے مثل اور اعمال قربت و اظہار سرور و فرحت سے بجا لائیں۔

الکوکب الانور علی عقل المجوہر ص ۹۰ س ۱۸: ”(قد استحسن القیام) ای عذہ حسنا وحکم باستحبابہ و ندبہ شرعا (عند) ای لدی وصول القاری للمولد ای (ذکر مولده الشریف ائمة ذور روایة) یکسر الراي ای نقل من یقتدی بہ کالصحابۃ والتابعین والمجتہدین“ (وذور روایة)۔

”القول المنجی علی مولد البرزنجی“ المطبوع علی ہامش الکوکب ص ۹۰ س ۵: ”فی مولد المدابغی جرت العادة بقیام الناس اذا انتهی المداح الی ذکر مولده صلی اللہ علیہ وسلم وہی بدعة مستحبة لما فیہا من اظہار الفرح والسرور والتعظیم“ الی غیر ذلك من نصوص العلماء وان اردت تفصیل

المقام وتنقيح المرام وازاحة الشكوك والاهام فعليك "بذاقة الآثام" لتاج العلماء المحققين راس الكسلاء المصدقين مولانا المولوي محمد تقی علی خان امطر الله عليه شایب الرضوان و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة على رسوله محمد وآله اجمعين۔

☆☆☆☆

۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے: حضرت سیدنا بدیع الدین، قطب المدار، مکن پور شریف کا سلسلہ بیعت سوخت ہے یعنی سلسلہ مدار یہ میں پیری مریدی ناجائز ہے اور عمر و کہتا ہے کہ جائز ہے اور آپ کا سلسلہ سوخت نہیں ہے۔ اور بکر کہتا ہے کہ آپ کا سلسلہ تو سوخت ہے مگر تبرکاً بیعت جائز ہے۔ ان میں سے کون حق پر ہے؟

- ۲- سلاسل مشہورہ چشتی قادری سہروردی نقشبندی کو برا کہنے والا کافر ہے یا نہیں؟
 - ۳- مکن پور کا ہر شخص پیری مریدی سلسلہ مدار یہ میں کرتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟
 - ۴- حضرت سیدنا بدیع الدین مدار کی نسل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس جگہ؟ آپ کس قوم سے تھے؟
 - ۵- آپ سے قبل و بعد بیعت کا سلسلہ متصل ہے یا نہیں؟
 - ۶- منقطع سلسلہ میں بیعت جائز ہے یا نہیں۔
 - ۷- جس میں تعین اوساط مشائخ کا یقین نہ ہو، بلکہ مختلف ہوا ایسے سلسلہ میں بیعت جائز ہے یا نہیں؟
 - ۸- پیری مریدی کا سلسلہ، خلافت پر منحصر ہے یا نہیں؟ مدار صاحب نے کسی کو خلیفہ بنایا یا نہیں؟
 - ۹- سلسلہ مدار یہ میں ابتدائی بیعت جائز ہے یا نہیں؟
 - ۱۰- جو لوگ سلسلہ مدار یہ میں بیعت کر چکے ہیں، وہ اسی پر قائم رہیں یا نہیں؟
 - ۱۱- اگر قائم نہ رہیں تو کون سے خاندان میں بیعت ہوں؟
 - ۱۲- بیعت مروجہ کے لئے کیا شرائط ضروری ہیں۔ جاہل سے بیعت جائز ہے یا نہیں؟ سید سے بیعت ہونا بہت قابلہ غیر سید افضل ہے یا نہیں؟ المستفتی محمد ارشاد حسین شیش گندھ ضلع بریلی یوپی
- (نوٹ) چند مقامات سے استفتاء کا جواب طلب کیا مگر کہیں نہ ملا، یہاں تک کہ ٹکٹ بھی ہضم کر لئے گئے۔ یہاں یہ مسئلہ معرکہ آرا بنا ہوا ہے۔ اب جو فتویٰ کا جواب آپ عنایت فرمائیں گے، طرفین اُسی پر عمل کریں گے۔ مفصل واقعہ لکھنے کی گنجائش نہیں۔ جواب جلد از جلد مرحمت ہو، مدلل ہو، جواباً لافافہ حاضر ہے۔

الـجـواب

زید کا خیال صحیح ہے۔ واقعی طریقہ بیعت حضرت سیدنا بدیع الدین مدار قدس سرہ العزیز کا سوخت ہے۔ حضرت نے چند آدمیوں کے سوا کسی کو بیعت نہ کیا اور جن لوگوں کو مرید کیا ان میں سے کسی کو خلیفہ نہ بنایا۔

سبع سنابل شریف میں ص ۸۶ پر ہے: ”شیخ مدار گفتند: من چند کس را مرید کرده ام۔ بعد ازیں تاریخ پنج کس را مرید نخواہم گرفت و خلافت یکے ندادہ ام۔“

آخر وقت میں حضرت نے اپنے دست مبارک سے بہت سے خطوط لکھ کر اطراف و جوانب میں بھیج دیا کہ میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا ہے۔

اسی میں ہے ص ۸۷: ”چون حضرت شاہ مدار وقت رحلت قریب رسید، بغراست باطن دانستند کہ مریدان من گمراہ کردہ عالمے مستند۔ از ایشان البتہ بے فرمانی و بے دینائی صادر خواہد شد۔ رتعات فراوان بخط خود بنشتہ در اطراف و جوانب فرستادند کہ ما کسے را خلافت ندادہ ام۔“

ان کاغذات و خطوط سے ایک خط حضرت شیخ محمد دوم سعد قدس سرہ کو بھی ملا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ اسی میں ہے ص ۸۷: ”چنانچہ کاغذ سے از دست خط حضرت شاہ مدار بدست محمد دوم شیخ سعد افتادہ بود و شاہ مدار بنشتہ بودند کہ من کسے را خلافت ندادہ ام۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۔ سلاسل مشہورہ چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی کو برا کہنے والا برا ہے۔ البتہ جو بیعت کو کفر کہے، وہ کافر ہوگا۔ کسماروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”فقد باء یہ احدہما“ اور ظاہر ہے کہ ان سلاسل میں سیکڑوں کیا، ہزاروں، لاکھوں اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔ تو ان کو کافر کہنے والا ضرور کافر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۔ بغیر شرائط پیری بیعت لینا جائز نہیں۔

”سبع سنابل شریف ص ۸۳ میں ہے: ”اے برادر! از پیری و مریدی رسے واسے پیش نمائندہ است و آن رسم واسم نیز بنی بر چند شرائط میدان کہ بے آن شرائط اصلاً پیری و مریدی درست نیست“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۔ حضرت شاہ بدیع الدین مدار کے والد ماجد کا نام ابو اسحاق اور بقولے علی، والدہ ماجدہ کا نام بی بی ہاجرہ ہے۔ اصل وطن آپ کا حلب ملک شام ہے اور آپ اولاد امجاد سے حضرت ہارون علیہ السلام کے تھے۔ آپ ۱۲ برس تک عالم حمدیت میں رہے، کچھ کھایا پیا نہیں۔ اس عرصہ میں جو آپ نے ایک بار کپڑا پہنا، نہ کبھی میلا ہوا، نہ پھٹا۔ کتابوں میں آپ کے غرائب احوال اور عجائب انوار لکھے ہیں۔ مگر کسی جگہ آپ کے اولاد کا تذکرہ نظر سے نہ گذرا۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ آپ عالم تجرید و تفرید میں تھے۔ آپ نے نہ شادی کی، نہ کوئی اولاد ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۔ آپ سے قبل سلسلہ متصل و مسلسل ہے اور آپ کے بعد وہ اتصال و تسلسل باقی نہ رہا کہ خود حضور نے اس سلسلہ کو ختم کر دیا اور کسی کو اپنا خلیفہ نہ بنایا۔ واللہ اعلم

۶۔ منقطع سلسلہ میں بیعت جائز نہیں۔ اس لئے کہ اصل مبداء فیض حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے اور یہ مشارع کرام کی ذات بمنزلہ جد اول شہر ہے۔ تو اگر نہر سے نالیاں ملی ہوں گی، پانی پہنچتا رہے گا۔ اور جو جد اول نہر سے منقطع ہو، اس سے سیرانی ممکن نہیں۔

کتاب جامع الاصول فی الاولیاء میں ہے: "والتعلیم من شیخ ماذون اجازة صحیحة مستدة الی شیخ صاحب طریق وهو الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔" یعنی تعلیم ایسے شیخ ماذون سے چاہئے جس کی اجازت مستند ہو شیخ صاحب طریق تک اور ان کا طریقہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل ہو۔"

سبع سنابل شریف میں ہے: "اے پسر! شرط صحت بیعت در طریقت اجازت سلف است۔" اسی میں ہے: "اما نخست از شرائط بیری کے آنت کہ پیر مسلک صحیح داشته باشد۔ دوم از شرائط بیری آنت کہ پیر در اداء حق شریعت قاصر و متہاؤن نہ باشد۔ سوم از شرائط بیری آنت کہ پیر را اعتقاد درست بود موافق مذہب سنت و جماعت۔" واللہ تعالیٰ اعلم

۷۔ نہیں کما مر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸۔ خلافت پر منحصر ہے۔ حضرت شاہ بدیع الدین صاحب نے کسی کو خلیفہ بنایا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۹۔ نہیں واللہ اعلم

۱۰۔ اس بیعت پر قائم رہنا جائز نہیں۔ وہ بیعت بیکار ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ پھر سے کسی طریقہ میں بیعت کریں۔
"کاغذ سے از دست خط حضرت شاہ مدارید دست مخدوم شیخ سعد افتادہ بود و شاہ مدارید نشہ بود کہ من کسے را خلافت ندادہ ام۔"

سبع سنابل میں ہے: "بدان سبب شیخ مخدوم سعد مریدان شاہ مدارید را بازمی گردانیدند از روئے ویاتت نہ از روئے ابانت۔ وخلفاء حضرت مخدوم سعد نیز مردم را از بیعت رجوع میفرمودند۔ چنانکہ مخدوم شیخ صفی را این چشم خود دیدہ است و مخدوم شیخ محمد مسکین کہ در مقام ملاوہ آسودہ لاند و بندگی شیخ نظام الدین کہ در مقام انعی آسودہ اند نیز مردم را از بیعت و ابانت باز میگردانیدہ اند۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱۔ ان لوگوں کو اختیار ہے کہ جس سلسلہ میں چاہیں مرید ہوں۔ مگر بہتر ہے کہ سلسلہ علیہ عالیہ قادر یہ شریفہ میں داخل ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲۔ بیعت مروجہ کے شرائط جواب نمبر ۶ میں گزرے کہ پیر میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

اول یہ کہ وہ صاحب اجازت، خلیفہ اپنے شیخ کا ہو اور وہ اپنے شیخ کا علیٰ حد القیاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اس کا مسلسل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسائل شرعیہ ضروریہ سے واقف اور اس کا عامل ہو اور ادائے حقوق شرع میں قاصر و متہاؤن نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقیدہ اہل سنت و جماعت ہو، بد مذہب نہ ہو۔ جاہل سے بیعت درست نہیں کہ ع
بے علم نتوان خدا را شناخت۔ جو شخص خود خدا کو نہیں پہچانتا دوسرے کو کیا پہچوائے گا ع
او خود شتم گم ست کرار ہیری کند۔ مشہور مقولہ ہے "جاہل پیر شیطان کا ٹٹو ہے"

ابریز میں ہے: ”اذا لم یکن علم لدیہ بظاہر ولا باطن فاضرب به لحج البحر قال الشیخ رضی اللہ عنہ مرادہ بعلم الظاہر علم الفقہ والتوحید ای القدر الواجب منہما علی المکلف ومرادہ بعلم الباطن معرفة اللہ تعالیٰ۔“
مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی مدرسہ سے دستار فضیلت پائے ہوئے ہو بلکہ اس کو علم باللہ اور علم باحکام اللہ ہو۔ مسائل اعتقادیہ و عملیہ فقہ و کلیہ تصوف سے بے بہرہ و بے علم نہ ہو۔ حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے سر اور آنکھوں پر ہے۔ مگر یہاں نسبی بزرگی کی ضرورت نہیں بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے تربیت مرید کے لئے اعلیٰ و افضل ہے، ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہئے۔

ابریز فی علم سیدنا عبد العزیز میں ہے: ”لا تقدم من قبل اعتقادك انه مربوب ولا اولی بها منه فی العصر (ای) ولا تقدم من علی شیخ بقصد الدخول فی صحبته حتی تعتقد انه من اهل التربية وانه لا احق منه بها فی زمانه۔“

”یعنی مرید ہونے کے لئے کسی کی خدمت میں اقدام نہ کرو اور اس کی صحبت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو۔ جب تک یہ اعتقاد نہ کر لو کہ یہ شخص تربیت کا اہل ہے اور اس زمانہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے قابل نہیں۔“
تو اگر کسی غیر سید کے ساتھ اس کو اس طرح وابستگی ہے تو اسی کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہئے۔ اور سید صاحب کے ساتھ ہے تو اس کے ہاتھ پر ہو۔ غرض یہ معاملہ معشوق بنائے گا ہے۔ کسی عاشق سے پوچھئے کہ سید پر عاشق ہونا چاہئے یا غیر سید پر؟ جو جواب اس کا ہے، وہی جواب اس کا سمجھئے۔

ہمہ شہر پر زخوبان، منم و خیال ما ہے
چہ کنم کہ چشم بدخود کند بکس نگا ہے

احب الصالحین و لست منهم
لعل اللہ ہو زقنی صلاحاً

آمین آمین اللہ الحق آمین! وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

نصرة الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۵۱۳۵۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیہ و سلم

مسئلہ مرحلہ مولوی سید محمد الدین صاحب تہذیبی و تعلیمی پھولپور دیوبند کے توسط پر نیشنل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ۔ علمائے ملت اسلامیہ مندرجہ ذیل سوالات کے مفصل جوابات مرحمت فرمائیں۔

- ۱- مردوں کے لئے ایصالِ ثواب کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے نہیں؟ اگر بتایا گیا ہے تو وہ کیا ہے؟ مع نقل آیات، جواب مرحمت ہو۔
- ۲- رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں مردوں کے لئے ایصالِ ثواب کا کوئی معمول بہ دستور تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو وہ کیا تھا؟ مع نقل روایات و حوالہ کتب و تعیین صفحہ و نام جواب ارشاد ہو۔
- ۳- رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اہل بیت و اصحاب میں سے جو لوگ وفات پاتے گئے، مثلاً حضرت خدیجہ الکبریٰ زوج النبی ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ و رضی اللہ عنہا و حضرت غیب و حضرت حمزہ و حضرت جعفر طیار و دیگر شہدائے جنگ بدر و خیبر و احد و حنین و تبوک و غیر ہا رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے خود یا آپ کے حکم مبارک سے اور صحابہ یا اہل بیت نے کبھی ایصالِ ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے؟ اور ایک بار کیا یا برابر کرتے رہے؟ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خاص آنحضرت ﷺ کے لئے یا پہلے یا اپنے وقت کے اموات و شہدائے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی ایصالِ ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے کیا؟ اور ایک بار یا برابر کرتے تھے؟ جواب یا صواب مع نقل روایات و حوالہ کتب و تعیین صفحہ و نام مطبوع مرحمت ہو۔
- ۴- فقہ حنفی میں کوئی طریقہ ایصالِ ثواب کا لکھا ہے یا نہیں؟ اگر لکھا تو وہ کیا ہے اور خود حضرت امام اعظم و صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی روایت اس کی منقول ہے یا نہیں مع حوالہ کتاب و عدد صفحہ پوری عبارت لکھئے۔
- امید ہے کہ ان سوالوں کے مفصل جوابات جلد سے جلد مرحمت ہوں گے۔ اخئی الاعظم مولانا عبید اللہ صاحب المجرى مدظلہ جی الاکرم مولانا ظفر الدین صاحب، جی الاکرم مولانا اصغر حسین صاحب، جی الاکرم مولانا عبدالسیحان صاحب، جی الاکرم مولانا دیانت حسین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خصوصیت کے ساتھ ان سوالوں کی طرف توجہ فرمائیں اور ان کے علاوہ ہر ہر مدرس مدرسہ سے بادیب استدعا ہے۔ بسمواتو بحروا و اجروکم علی من یدہ ازمۃ التوفیق و هو نعم المولیٰ و نعم الرقیق
- المستدعی تمنا العمدادی المحیی القلوازی پھلوازی شریف ضلع پٹنہ۔ ۲۰ اگست ۱۹۳۵ء
- الجواب اللہم ہدایۃ الحق والصواب
- سکری! اکرمکم اللہ تعالیٰ۔ ویکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سوالات پہنچے، دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا کہ جناب کو نفس مسئلہ ایصالِ ثواب میں کلام نہیں۔ ہاں اس کے طریقے کے متعلق سوال ہے کہ کس طریقے سے ہونا چاہئے۔ قرآن و

حدیث سے کیا ثابت ہے، حضور اقدس ﷺ و صحابہ کرام کا معمول یہ دستور کیا تھا؟ بعض بلند پایہ حضرات تو نفس ایصالِ ثواب ہی میں کلام کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مردوں کو ثواب پہنچتا ہی نہیں۔ میرے ملنے والوں میں ایک صاحب اسی خیال کے ہیں۔ ایک دن کہنے لگے کہ لوگ جو قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر مردوں کو بخشتے ہیں۔ اس کا ثواب ان کو نہیں پہنچتا۔ میں نے کہا کہ جناب کو یہ کس نے کہہ دیا خود جا کر عالم برزخ میں دیکھ آئے ہیں کہ مسلمانوں کا کیا دھرا اکارت جاتا ہے۔ جن کو بھیجا جاتا ہے، انہیں نہیں پہنچتا۔ کیا راستہ میں رہزن رہتے ہیں کہ راہی میں لوٹ لیتے ہیں، وہاں نہیں پہنچتے دیتے؟ بولے کیا آپ کے پاس یہو بچے کا کوئی ثبوت ہے؟ میں نے کہا بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات، علمائے کرام کی تصریحات جن لوگوں نے بھیجا ان کا مشاہدہ، جن کے لئے بھیجا گیا ان کی تصدیق۔

”عن انس ان رجلا سال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله اننا نتصدق عن موتنا ناوليهم فهل يصل اليهم ذالك فقال نعم انه يصل اليهم و يقرحون كما يفرح احدكم بالطبق اذا اهدى اليه“۔ رواه ابو حفص الكبير۔ ”امام ابو حفص کبیر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم میت کی طرف سے صدقہ دیتے، حج کرتے، دعا کرتے ہیں تو کیا یہ سب چیزیں ان کو پہنچتی ہیں؟ فرمایا ہاں۔ وہ ان کو ضرور پہنچتی ہیں اور اس سے وہ خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے ایک آدمی خوش ہوتا ہے، جب اس کے پاس طباق پدید دیا جاتا ہے۔“ (یعنی شرح ہدایہ ج ۲ کشوری ص ۶۱۲)

ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲ مصری ص ۲۸۶ میں فرماتے ہیں:

”اخرج القاضی ابو بکر بن عبد الباقي الانصاري رحمه الله في مشيخته عن سلمة بن عبيد قال قال حماد المكي عرجت ليلة النى مقابر مكة فوضعت راسي على قبر فسمعت قرايت اهل المقابر حلقة حلقة فقلت قامت القيامة؟ قالوا الا ولكن رجل من اخواننا قرء قل هو الله احد و جعل ثوابها لنا نحن نقسمه منذ سنة“۔ ”قاضی ابو بکر بن عبد الباقي انصاری رحمہ اللہ اپنے مشائخ میں سلمہ بن عابد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: حماد مکی نے فرمایا کہ میں ایک شب مکہ کے قبرستان میں گیا۔ ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا تو قبرستان والوں کو دیکھا کہ حلقہ کئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا: قیامت قائم ہوگئی؟ ان لوگوں نے کہا کہ نہیں، لیکن تمہارے بھائیوں سے ایک شخص نے قل هو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب ہم لوگوں کو بخشا ہے تو اس کو ایک سال سے ہم لوگ بانٹ رہے ہیں۔“ اگر ثواب پہنچا ہی نہیں تو کس چیز کو تقسیم کرتے تھے؟

اسی میں ہے ص ۲۸۱: ”قال السووي في الاذكار“ قال محمد بن احمد البروزي سمعت

احمد بن حنبل بقول اذا دخلتم المقابر فاقرؤا فاتحة الكتاب والمعوذتين وقل هو الله احد و اجعلوا ابواب ذلك لاهل المقابر فانه يصل اليهم۔ امام نووی شافعی کتاب الاذکار میں تحریر فرماتے ہیں: محمد بن احمد مروزی تلمیذ فریری متوفی ۳۷۱ھ نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا، فرماتے ہیں کہ جب تم قبرستان جاؤ تو سورۃ فاتحہ اور قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس، قل هو الله احد پڑھو اور اس کا ثواب اس قبرستان والوں کو بخشو کہ وہ ان کو پہنچتا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی مکتوبات جلد دوم ص ۵۹ مکتوب ۳۶ میں ہے: ”پیش ازین چند سال داب فقیر آں بودہ کہ اگر طعام می پخت، مخصوص بہ روحانیت مطہرہ آل عبا می ساخت و بآں سرور، حضرت امیر و حضرت فاطمہ و حضرات امامین راضم می کرد و علیہم الصلوٰت والتسلیمات۔ شبے در خواب می بیند کہ آن سرور حاضرست طبع و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ فقیر برایشاں عرض سلام می کند، متوجہ فقیر نمی شوند و بجانب دیگر دارند۔ دریں اثنا فقیر فرمودند کہ من طعام در خانہ عائشہ می خورم ہر کہ مرا طعام فرستد بخانہ عائشہ فرستد۔ ایں زمان فقیر دریافت کہ سبب عدم توجہ شریف ایشاں آں بودہ کہ فقیر حضرت صدیقہ را در آں طعام شریک نمی ساخت۔ بعد ازاں حضرت صدیقہ را بلکہ سائر ازواج مطہرات را کہ ہمہ اہلبیت اند، شریک می ساخت و جمیع اہلبیت تو سلم می نمود۔“

”اس سے چند سال پہلے فقیر کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کھانا پکا تا تھا تو ارواح مطہرہ آل عبا کے ساتھ مخصوص کرتا تھا اور آں حضور کے ساتھ، حضرت امیر المومنین علی اور حضرت فاطمہ اور حضرات امامین کو شامل کرتا تھا علیہم الصلوٰت والتسلیمات۔ ایک رات بندہ خواب میں دیکھتا ہے کہ آن سرور تشریف فرما ہیں علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ فقیر ان پر سلام عرض کرتا ہے۔ متوجہ فقیر کی طرف نہیں ہوتے ہیں اور چہرہ اقدس دوسری طرف پھیرے ہوئے ہیں۔ اسی درمیان میں فقیر سے فرماتے ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہ میں کھانا عائشہ کے گھر میں کھاتا ہوں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ جو مجھے کھانا بھیجے عائشہ کے گھر میں بھیجے۔ اسی وقت فقیر نے سمجھا کہ حضور کے عدم توجہ کا سبب یہ تھا کہ فقیر حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کھانے میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد حضرت صدیقہ کو بلکہ تمامی ازواج مطہرات کو رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کہ سب کی سب اہل بیت ہیں، شریک کرتا تھا اور تمامی اہلبیت کے ساتھ تو سلم کرتا تھا۔“

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی جن کی جلالت شان ہر کہ و مد پر ظاہر ہے الدور الشمس فی مبشرات البیسی الامین ص ۸ میں تحریر فرماتے ہیں: ”الحديث الثاني والعشرون أخبرني السيد الوالد قال كنت اصنع طعاما صلة بالنبي ﷺ فلم يفتح لي سنة من السنين شيء اصنع به طعاما فلم احد الا حصصا مقليا فقسمته بين الناس فراء يته ﷺ و بين يدي هذا الحصص متبجحا بشاشا۔“ ”يا كسوين حديث

مجھے میرے سردار والد ماجد نے خبر دی کہ میں ہر سال نبی ﷺ کی ایصالِ ثواب کے لئے کھانا پکوا یا کرتا تھا۔ ایک سال کچھ فتوح نہ ہوا جس سے میں کھانا پکواسکوں تو میں نے بھنا چنا منگوا یا اور اسی کو لوگوں میں تقسیم کیا تو میں زیارت حضور اقدس ﷺ سے مشرف ہوا۔ دیکھا کہ حضور کے سامنے وہ بھنا ہوا چنار کھا رہا ہے اور آپ بہت خوش اور بٹاش ہیں۔

معلوم ہوا کہ ثواب بدنی ہو جیسا کہ پہلے دو واقعہ میں یا مالی ہو جیسا کہ حضرت شیخ مجدد اور شاہ عبدالرحیم صاحب کے واقعہ میں یا دونوں کا مجموعہ جیسا کہ حدیث شریف کی مثال سے واضح، سب مردہ کو پہنچتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز ایصالِ ثواب کے لئے پکا کی جاتی اور تقسیم کی جاتی ہے وہ عینہ پہنچتی ہے۔ خیر یہ تو ایک غمنی بات تھی۔ قتل تحریر جواب اگر لفظ ثواب اور ایصال کی تحقیق کر لی جائے تو بہتر ہے۔ ثواب وہ عمل نہیں جس کی مقدار معین ہو اور ہر کام کرنے والے کو ملے۔ بہترے کام کرنے والے ہیں۔ جن کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ ظُلُمَاتٍ إِلَى نُورٍ وَكَرَّمَهُمْ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ“۔ اور قصہ کیا ہم نے طرف اس کے جو انہوں نے عمل کیا تو اس کو ہم نے تیار و برباد کر دیا۔ ”عمل کرنے والی مشقت اٹھانے والی داخل ہوں گی بھڑکتی آگ میں۔“

بلکہ وہ اجر اس عمل مقبول کا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے، اسی لئے اس کے لئے کوئی حد نہیں۔ حسن نیت اور اخلاص عمل پر دس سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ جس کے لئے خدا چاہے، ملتا ہے۔

قال تعالى: يَمْثِلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَتَتْ سَنَفًا فَلْيَبْلُغْ شَعِيرًا أَمْ يَكُنْ لَهُمْ بَاطِلٌ فَلا يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ“۔ ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو صرف کرتے ہیں، مثل اس ایک دانہ کے ہے جس سے سات بالیں اگیں۔ ہر بال میں سو دانے ہیں (تو مجموعہ سات سو ہوں) اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اور زیادہ فرمائے۔

آیت کریمہ اگرچہ مال کے متعلق وارد ہے مگر یہ مخصوص اسی کے ساتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس عمل پر جس کو چاہے اجر عطا فرمائے۔ کسی کو کسی عمل پر اجر بے پایاں دے تو خدا کو کوئی روکنے والا نہیں۔ اب رہا ایصال، یہ خدا کو وکیل کرنا نہیں کہ اس امر کا ثواب میرے نامہ اعمال میں نہ لکھا جائے بلکہ فلاں شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے، اس کو دیا جائے۔ اس لئے کہ توکیل اس میں صحیح ہے جو کام انسان خود کر سکتا ہے۔

ہدایہ جلد ۳ ص ۷۱ میں ہے: ”کُلُّ عَقْدٍ جَازٍ اِنْ يَعْقِدُ الْاِنْسَانُ بِنَفْسِهِ جَازٍ اِنْ يُوَكِّلُ غَيْرَهُ“۔ ”جس کام کو انسان خود کر سکتا ہے اس میں دوسرے کو وکیل کرنا جائز ہے۔“

اور ظاہر ہے کہ ثواب یہ شخص نہ خود لے سکتا ہے، نہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے تو اس میں کسی دوسرے کو وکیل بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ ایصال ثواب خداوند عالم سے دعا ہے کہ خداوند امین نے جو یہ نیک کام تیرے لئے کیا ہے، اس کا ثواب مجھ کو اور میرے ساتھ فلاں فلاں اشخاص کو بھی اپنے فضل و کرم سے عطا فرما۔

مولوی اسماعیل صاحب دیوبند صراطِ مستقیم ص ۵۵ میں لکھتے ہیں: ”ہر عبادت کہ از مسلمان ادا شود، ثواب آں بروح کسی از گزشتگان رسانند۔ طریق رسانیدن آن دعائے خیر بجناب الہی است پس این خود البتہ بہتر و مستحسن است و اگر آن کس کہ ثواب بروح کسی رساند از اہل حقوق است، بہ مقدار حق و لے خوبی رسانیدن این ثواب زیادہ تر خواہد شد۔ پس در خوبی این قدر امر از امور مہر و سوسہ فاتحہ و اعراں و نذر و نیاز کہ اموات شک و شبہ نیست۔“ ”جو عبادت مسلمان سے ادا ہو، اس کا ثواب اپنے گزرے ہوؤں میں سے کسی کی روح کو پہنچائے اور اس دعائے خیر کے پہنچانے کا طریقہ جناب الہی کے ذریعہ ہے تو یہ خود البتہ بہتر اور مستحسن ہے۔ اور اگر وہ شخص کہ جس کی روح کو ثواب پہنچاتا ہے، اس کے اہل حقوق سے ہے تو اس کے حق کے مقدار کے موافق اس ثواب کے پہنچانے کی خوبی بہت زیادہ ہوگی۔ پس وہ امور جو میت کے لئے مروج ہیں مثلاً فاتحہ اور اعراں اور نذر و نیاز کے، ان سب کی خوبی میں شک و شبہ نہیں۔“

اسی کے ص ۶۳ میں ہے: ”ہر گاہ ایصال نفع بہ میت منظور دارد، موقوف بر اطعام نہ گذارد۔ اگر میسر یا شد بہتر است والا صرف ثواب سورۃ فاتحہ و اخلاص بہترین ثواب است۔“ ”جس وقت کسی کو میت کو نفع پہنچانا منظور ہو تو چاہئے کہ وہ اسی نفع کو کھانا کھلانے پر موقوف نہ رکھے۔ اگر بروقت کھانا میسر ہو جائے تو بہتر ورنہ صرف سورۃ فاتحہ، اخلاص کا ثواب ہی بہترین ثواب ہے۔“

اسی لئے علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایک آیت یا ایک سورہ پڑھ کر مثلاً دس آدمی کو اس کا ثواب بخشے تو دسوں کو پورا پورا ثواب اس آیت یا سورہ کا ملے گا۔

علامہ شامی جلد اول رد المحتار ص ۸۳۵ میں فرماتے ہیں: ”مسئل ابن حجر المکی عمالو قراء لاهل المقبرۃ الفاتحہ، اهل تقسم الثواب بینہم او یصل لكل منهم مثل ثواب ذلک کاملاً؟ اجاب بآقہ اثنی جمع بالناسی و هو اللائق بسعة الفضل۔“ ”علامہ ابن حجر سے سوال ہوا کہ کوئی شخص مقبرہ والوں کو فاتحہ پڑھ کر بخشے تو کیا سورہ فاتحہ کا ثواب انہیں بٹ کر ملے گا یا سب کو پورا پورا ثواب سورہ فاتحہ کا ہوئے گا تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک جماعت کا فتویٰ یہ ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا اور یہی اللہ تعالیٰ کے وسیع فضل کے لائق ہے۔“

مکتوبات امام ربانی جلد سوم مکتوب بست و ششم ص ۵۳ میں ہے: ”اگر بروحانیت یکے تصدق کردہ سائر

قرآن شریف میں مردوں کے لئے ایصالِ ثواب کے متعدد طریقے بتائے گئے ہیں۔ ان میں جس طریقہ کو انجام کرے گا، مردے کو ثواب ملے گا اور اگر کوئی شخص سب طریقے بجالائے تو اور بہتر ہے۔

(اول) مغفرت کی دعا کرنا

”قَالَ تَعَالَى: وَالَّذِينَ خَسِرُوا إِيمَانَهُمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخِيئِنَّا إِلَيْنَا سَبِقُونا بِالْإِيمَانِ“۔ (سورہ حشر) ”اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ لوگ جو ان کے بعد آئے، کہتے ہیں، خداوند! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت کر جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔“

تفسیر کبیر جلد ۸ ص ۱۷۹ میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ہے: ”اعلم ان قوله والذين خاسروا ايمانهم بعد هم عطف ايضا على المهاجرين وهم الذين هاجروا من بعد و قبل التابعون باحسان وهم الذين يحبسون بعد المهاجرين والانتصار الى يوم القيمة وذكر تعالى انهم يدعون لا تقسمهم ولعن سبقهم بالايمان وهو قوله يقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الالية واعلم ان هذه الايات قد استوعبت جميع المؤمنين لانهم اما المهاجرون او الانتصار والذين جاءوا من بعد هم و بين ان شان من جاء بعد المهاجرين والانتصار ان يذكر السابقين وهم المهاجرون والانتصار بالدعاء والرحمة فمن لم يكن كذلك بل ذكرهم بسوء كان خارجا من جملة اقسام المؤمنين بحسب نص هذه الآية۔“

اللہ تعالیٰ کا قول والذين خاسروا ايمانهم عطف ہے المهاجرين پر اور وہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے بعد کو ہجرت کی اور بعضوں نے کہا کہ جو لوگ بھلائی کے ساتھ ان کے تابع ہوئے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان کے بعد قیامت تک آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان کی صفت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے لئے دعا کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان لانے میں ان سے سابق ہوئے اور وہ باری تعالیٰ کا ارشاد يقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الالية ہے۔ اور جان لو کہ ان آیات نے مسلمانوں کی تمام قسموں کا استيعاب کر لیا۔ اس لئے کہ مومنین یا مهاجیرین ہیں یا انصار یا جو لوگ کہ ان کے بعد ہوئے اور بیان فرمایا کہ مهاجیرین و انصار کے بعد جو لوگ ہوئے، ان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اگلے لوگوں یعنی مهاجیرین و انصار کو دعائے خیر اور رحمت کے ساتھ یاد کریں اور جو شخص ایسا نہیں بلکہ انہیں برائی کے ساتھ یاد کرے تو وہ بحکم آیت کریمہ مسلمانوں کے تمام اقسام سے خارج ہے۔“

جمل حاشیہ تفسیر جلالین مصری ج ۳ ص ۱۷۳ میں ہے: ”قوله الذين سبقونا بالايمان كل واحد من القائلين لهذا القول ان يقصد بمن سبقه من اتفق قبله من غير فاضل و ينتهي الى عصر النبي ﷺ فيدخل في اخوانه الذين سبقوه بالايمان جميع من تقدمه من المسلمين ولا يقصد بالذين سبقوه

خصوصاً المهاجرين والانصار لقصوره وان كان اصل مسبب النزول اه شيخنا يعنى الذين سبقونا بالايمان۔ ”الذين سبقونا بالايمان سے مراد یہ ہے کہ ہر کہنے والا اس قول کا من سبقہ سے ان کو مراد لے جو لوگ اس زمانہ سے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ تک انتقال کر چکے ہیں تو اس صورت میں اس کے اخوان سابقین بالايمان میں تمامی وہ سب مسلمان داخل ہوں گے جو اس سے پہلے انتقال کر چکے ہیں اور اس سے فقط مهاجرین وانصار مراد نہ لے کہ اس میں گنگی اور کمی ہے اگرچہ وہی لوگ اس آیت کے اصل سبب نزول ہیں۔“

اسی طرح حواوی حاشیہ تفسیر جلالین ج ۳ ص ۱۹۶ میں ہے: ”وعبارته هكذا الذين سبقونا بالايمان اى بالموت عليه فيبغى لكل واحد من القائلين لهذا القول ان يقصد بمن سبقه من انتقل قبله من زمانه الى عصر النبي ﷺ فيدخل جميع من تقدمه من المسلمين۔“ ”جب مسلمان دعا کرے اور اس میں اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان کہے تو اس سے یہ قصد کرے کہ جو لوگ ہم سے پہلے سابق بالايمان ہوئے ہیں یعنی جو لوگ اس کے زمانہ سے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک تک انتقال کر چکے ہیں تو اس میں تمامی گزشتہ مسلمان داخل ہو جائیں گے۔“

قوی حاشیہ تفسیر بیضاوی مصری جلد ۷ ص ۱۵۶ میں ہے: ”قوله يقولون الآية وفيه ترغيب للتحلف المذعوا للسلف لا سيما العلما الاقدمين فانهم اباة تعليم الذين و ان الدعاء بالمعفرة اهم۔“ ”اس آیت کریمہ میں خلف کو رغبت دینا ہے سلف کے لئے دعا کرنے کی خصوصاً اگلے علما کے لئے کہ وہ دینی تعلیم کے باپ ہیں اور یہ مغفرت کی دعا سب سے اہم ہے۔“

حاشیہ شہاب خفاجی علی البیضاوی مصری جلد ۸ ص ۱۸۰ ہے: ”وجملة يقولون الحالية والمراد بدعاء اللاحق للسابق و التحلف للسلف انهم متبعون لهم او هو تعليم لهم بان يدعوا لمن قبلهم ويدعوا لهم بالخير۔“ ”اس آیت کریمہ میں جملہ يقولون الآية جملہ حالیہ ہے اور سابق کے لئے للاحق اور سلف کے لئے خلف کی دعا کا یا تو یہ مطلب ہے کہ وہ ان کے متبع ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں یا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ تعلیم ہے کہ خلف کو چاہئے کہ سلف کے لئے دعا کیا کریں اور ان کو بھلائی کے ساتھ یاد کیا کریں۔“

تفسیر روح البیان مصری جلد ۵ ص ۲۱۰ میں ہے: ”وفى الآية دليل على ان الشرحم والاستغفار واجب على المؤمنين الآخرين للسابقين منهم لا سيما لآبائهم و معلميهم امور الدين۔“ ”آیت کریمہ ربنا اغفر لنا میں اس امر پر دلیل ہے کہ گزشتہ مسلمانوں کے لئے رحمت کی دعا کرنا اور مغفرت چاہنا پچھلے مسلمانوں پر واجب ہے۔ خصوصاً اپنے آباؤ اجداد اور دینی علوم کے اساتذہ کرام کے لئے۔“

قوت القلوب حضرت ابوطالب کی جلد ۲ ص ۲۲۸ میں ہے: ”قال بعض العلماء لو لم یکن فی اتحاد الاخوان الا ان احدهم یبلغه موت اخیه فیرحم علیہ و یدعو له فلعلمه یغفر له بحسن نیتہ و یقال من بلغه موت اخیه فیرحم علیہ و استغفر له کان شہد جنازہ و صلی علیہ و قدر و ینا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل الميت فی قبرہ مثل الغریق یتعلق بكل شیء یتنظر دعوة من ولد او والد او اخ و انه لیدخل علی قبور الاموات من دعاء الاحیاء من الاتوار امثال الجبال و یقال الدعاء للاموات بمنزلة الهدایا للاحیاء فی الدنیا قال فیدخل الملک علی الميت معه طبق من نور علیہ مسدیل من نور فیقول خذ ہ ہدیة من عند احبک فلان من عند قرینک فلان قال یفرح بذلك کما یفرح الحی بالہدیة“۔

”بعض علما کہتے ہیں کہ اگر اخوان بنانے میں اور کوئی فائدہ نہ ہو تو یہ کیا کم ہے کہ کسی شخص کو اس کے دینی بھائی کے مرنے کی خبر پہنچتی ہے، وہ اس پر رحم کرتا، اس کے لئے دعا کرتا ہے تو شاید دعا کرنے والے کی نیک نیتی سے اس میت کی مغفرت کر دی جائے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جس شخص کو اس کے بھائی کے مرنے کی خبر پہنچی پس اس نے اس پر رحم کیا اور مغفرت کی دعا کی تو گویا اس کے جنازہ میں حاضر ہوا اور جنازہ کی نماز پڑھی اور ہمیں رسول اللہ ﷺ سے روایت پہنچی ہے کہ میت کی مثال قبر میں ایسی ہے جیسے کوئی ڈوبتا ہر چیز کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ وہ دعا کے انتظار میں ہے کہ لڑکا دعا کرے یا باپ یا بھائی اور بیشک زندوں کی دعا کی برکت سے مردوں کی قبور میں پہاڑ ایسے انوار داخل ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ مردوں کے لئے دعا کرنا ایسا ہے جیسے دنیا میں زندوں کو ہدیہ دینا۔ کہا کہ فرشتہ میت کے پاس جاتا ہے۔ اس کے ساتھ نور کا طباق ہوتا ہے جو نور کے رومال سے چھپا ہے اور کہتا ہے: یہ تحفہ تیرے فلاں بھائی کا ہے جو فلاں جگہ کارہنے والا ہے تو وہ مردہ یہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے جس طرح زندہ ہدیہ پا کر خوش رہتا ہے۔“

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم مصری جلد ۱ ص ۳۶۷ میں فرماتے ہیں: ”عن ابن عباس عن النبی ﷺ ما للمیت فی قبرہ الا شبه الغریق المتغوث تنتظر دعوة من اب او ام او صلیق ثقة فاذ الحقتہ کان احب الیہ من الدنیا و ما فیہا لان اللہ عزوجل لیدخل علی اهل القبور من دعاء اهل الدنیا امثال الجبال و ان ہدیة الاحیاء للاموات الاستغفار لہم و الصدقة عنہم“ (رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس و رواہ الیہی فی شعب الایمان)

”دیلمی مسند الفردوس اور تہذیبی شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً راوی کہ نہیں ہے مردہ اپنی قبر میں مگر مثل ڈوبتے ہوئے کے، طالب، قریب درج ہے انتظار کر رہا ہے باپ یا ماں یا معتمد و دست

کی دعا کا، تو جب دعا سے پہونچتی ہے اس کی دنیا و ما فیہا سے بڑھ کر محبوب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں کی دعا سے اہل قبور پر پہاڑ جیسے خیر و برکات و انوار داخل کرتا ہے اور بیشک مردوں کے لئے زندوں کا تحفہ ان کی مغفرت چاہنا اور ان کی طرف سے صدقہ دینا ہے۔“

حضرت شیخ مجدد اکثر تعزیتی خطوط میں اسی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے دعا و صدقہ کی ہدایت فرماتے ہیں۔
مکتوبات جلد اول ص ۱۰ اکتوب ہشتاد و نہم میں ہے: ”مرحومہ شادریں او اں بے مقتم بودند۔ الحال بر شما یاں لازم است کہ مکافات احسان یا احسان بکشد و بدعا و صدقہ ساعت بساعت مدد نما کند فان الميت کمال غریق یتظر دعویٰ تلحقہ من اب او ام او اخی او صلیق“۔ ”تمہارے (میت) مرحومہ بڑے احسان کرنے والے تھے۔ اب تم پر یہ لازم ہے کہ احسان کا بدلہ احسان سے دو اور دعا و صدقہ سے ہر وقت ان کی مدد کرو۔ اس لئے کہ میت مثل غریق کے ہے۔ انتظار کرتا ہے اپنے رشتہ داروں یا پ یا ماں یا بھائی یا دوست کی دعاؤں کا جو اسے پہونچتی ہے۔“

نیز مکتوب جلد اول ص ۲۱ مکتوبات صد و چہارم میں ہے: ”مصیبت بر رفتن نیست بر حال رونده الی الحییب ست تا با و چہ معاملہ کنند۔ بدعا و استغفار و تصدق امداد باید نمود قال رسول اللہ ﷺ ما الميت فی القبر الا کالغریق المنغور یتظر دعویٰ تلحقہ من اب او ام او صلیق الی قوله وان ہدیثہ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لہم“۔ ”مصیبت جانے پر نہیں ہے (بلکہ) دوست کی طرف جانے والے کے حال پر ہے یہاں تک کہ مردہ منتظر رہتا ہے کہ دیکھیں لوگ کس طرح (میرے دوست) معاملہ کرتے ہیں (لہذا) دعا اور استغفار اور تصدق کے ذریعہ مدد کرنی چاہئے۔ (جیسا کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میت قبر میں مثل ڈوبنے والے، فریاد کرنے والے کے ہے۔ انتظار کرتا ہے ان دعاؤں کا جو پہونچتی ہیں اس کو یا پ یا ماں یا دوست کی طرف سے۔ الی قولہ۔ بیشک زندوں کے تحفے مردوں کے لئے ان کے (مردوں) لئے استغفار کرنا ہے۔“

قرآن شریف کی آیت، تفاسیر کی عبارت، علمائے کرام کی صراحت، احادیث کی دلالت نے مردوں کے لئے ایصالِ ثواب کے طریقہ کو بہت صاف طور پر واضح کر دیا کہ مسلمانوں پر نہ صرف مستحب بلکہ بقول علامہ حق واجب ہے کہ گزشتہ مسلمانوں خصوصاً اپنے آباؤ اجداد و علمائے کرام و مشائخ عظام کے ایصالِ ثواب کے لئے ان کی مغفرت کی دعا کیا کریں ورنہ حسب تصریح امام رازی مسلمانوں کی قیصری قسم بھی شامل ہونا معلوم۔

(دوم) ماں باپ کے لئے خدائے تعالیٰ سے رحم و کرم چاہنا

قال تعالیٰ اَوْقُلْ رَبِّ اَرْحَمْہُمَا کَمَا رَہْبَانِی صَغِيرًا (بنی اسرائیل رکوع ۳۰) ”ماں باپ کے لئے دعا کرو اور کہو کہ خداوند ان دونوں پر رحم فرما جس طرح ان دونوں نے بچپن میں مجھے پالا۔“

تفسیر روح المعانی مصری جلد ۳ ص ۵۰۸ میں ہے: ”و الظاہر ان الامر للموجب فیجب علی الولدان بدعوتہم بالرحمة“۔ ”اس آیت سے ظاہر یہ بات ہے کہ اولاد پر واجب ہے کہ والدین کے لئے رحمت کی دعا کیا کریں۔“ اس لئے کہ امر وجوب کے لئے آتا ہے۔

حمل مصری حاشیہ تفسیر جلالین جلد ۲ ص ۶۲۲ میں ہے: ”وقل رب ارحمہما ای ادع لہما ولو خمس مرات فی الیوم واللیلۃ“ (کذا فی الصلوی جلد ۲ ص ۲۶۱) ”آیت کریمہ و قل رب ارحمہما کے یہ معنی ہیں کہ ماں باپ کے لئے رحمت کی دعا کیا کرے اگر زیادہ نہیں تو کم از کم دن رات میں صرف پانچ ہی دفعہ کہی۔“

تفسیر روح البیان جلد ۵ ص ۱۴۸ میں ہے: ”وقل رب ارحمہما و ادع اللہ ان یرحمہما یرحمہ الباقیۃ ولا تکتف برحمتک الفانیۃ۔“ ”اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اپنی رحمت باقی کے ساتھ ان پر رحم کرے۔ تم فقط اپنی رحمت فانی پر اکتفا نہ کرو کہ جہاں تک ہو سکے ان کے ساتھ سلوک کرو۔“

اسی میں ہے: ”سئل ابن عیینہ عن الصدقة عن المیت فقال کل ذلک و اصل الیہ و لا شیئ انفع لہ من الاستغفار ولو کان شیئ افضل منه لامرت بہ فی الابویں و بعضہ قولہ علیہ السلام ان اللہ لیرفع درجۃ العبد فی الجنة فیقول باستغفار ولدک و فی الحدیث من سار قبر ابوہ او احدہما فی کل جمعة کان باراً۔“ ابن عیینہ سے سوال ہوا کہ مردہ کی طرف سے صدقہ کرنا کیسا ہے اور یہ بہو نچتا ہے کہ نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ اس کے لئے کیا جائے گا، سب اس کو بہو نچے گا اور کوئی چیز استغفار سے بڑھ کر نہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی چیز استغفار سے افضل ہوتی تو والدین کے حق میں اسی کا حکم ہوتا اور اس کی تائید حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے بندہ کا درجہ بلند فرمائے گا۔ وہ بندہ کہے گا میرے مولیٰ یہ رتبہ مجھ کو کس طرح ملا؟ ارشاد ہوگا کہ تیرے لڑکے کے استغفار کی وجہ سے اور حدیث شریف میں کہ جو شخص جمعہ کے دن ماں باپ یا ان میں کسی ایک کی قبر کی زیارت کیا کرے، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بار یعنی نیکو کار گنا جائے گا۔“

تفسیر ابی مسعود علی ہامش تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۵۷۲ میں ہے: ”ولا تکتف برحمتک الفانیۃ بل ادع اللہ لہما یرحمہ الباقیۃ و قل رب ارحمہما برحمتک الدنیویۃ والاخریۃ التی من حملتہما الہدایۃ الی الاسلام فلا یتاقی ذلک کفرہما۔“ ”والدین کے حق میں فقط اپنی فانی رحمت پر اکتفا نہ کر بلکہ ان دونوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس کی وسیع باقی رحمت کے لئے دعا کرو اور یوں کہہ کہ خداوند! ان دونوں پر اپنی دنیوی و اخروی رحمت کے ساتھ رحم فرما اور منجملہ اخروی رحمت کے اسلام کی طرف رہبری بھی ہے تو اگر کسی کے ماں باپ کا فر

ہوں، جب بھی اس دعا میں مضا کفہ نہیں۔ اس لئے کہ کفر اس دعا کے منافی نہیں۔“
(سوم) میت کے لئے نماز جنازہ پڑھنا:

قال تعالى: وَصَلْ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ (سورہ برآة رکوع ۱۳)
”اور ان کے مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھے اس لئے کہ آپ کا ان پر نماز جنازہ پڑھنا ان کے لئے سکون و وقار ہے۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں دونوں ہیں۔ اول دعا مغفرت کرنا۔ اس معنی کر یہ پہلے طریقہ کی دلیل ہوگی اور بعض علما نے اس آیت کی تفسیر نماز جنازہ سے کی ہے۔ تب یہ آیت تیسری صورت کی دلیل ہوگی۔
تفسیر البحر المحیط جلد ۵ ص ۹۵ میں ہے: ”قال في الكافي الصلوة على الميت مشروعة لقوله تعالى وصل عليهم ان صلواتك سكن لهم“۔ ”کافی میں ہے کہ جنازہ کی نماز مشروع ہے اور اس کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد وصل عليهم ان صلواتك سكن لهم ہے۔“

تفسیر روح المعانی جلد ۳ ص ۳۲۵ میں ہے: ”والحاصل على صلاة الميت، بيد وان روى عن ابن عباس رضي الله عنهما“۔ ”آیہ کریمہ وصل عليهم سے نماز جنازہ مراد لینا بعید ہے۔ اگرچہ یہ تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔“

اس عبارت نے اتنا پتہ دیا کہ صل عليهم سے نماز جنازہ مراد لینا نہ صرف صاحب البحر المحیط اور صاحب کافی کی ذاتی رائے ہے بلکہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ تفسیر مروی و منقول ہے۔ رہا علامہ آلوسی بغدادی مولف روح المعانی کا باوجود روایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کو بعید بتانا، عقل و علم سے بعید ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جلالت شان علمی اور وہ بھی خاص فن تفسیر میں اس سے ظاہر کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعاء اللهم علمه الكتاب فرمائی۔ وہ اس آیت کی یہ تفسیر فرماتے ہیں اور الفاظ قرآن اس کو متنعی۔ علامہ کرام نماز جنازہ کے ثبوت و استدلال میں اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔ روح البیان والے اس کو نقل کر کے مقرر رکھتے ہیں۔ باوجود ان سب باتوں کے علامہ آلوسی اس کو بعید کہتے ہیں۔ ثابت بالمحدث اور صحابی کے قول کو تفسیر قرآن میں بعید بتانا، سخت جرأت اور شان علم و عقل سے بہت ہی بعید ہے۔

امام جلال الدین سیوطی تفسیر الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۷۵ میں اس آیت کی تفسیر میں منجملہ اود احادیث کے ایک یہ حدیث لکھتے ہیں: ”واخرج ابن ابي شيبة عن عمارة بن زيد عن عمه يزيد بن ثابت و كان اكبر من زيد قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما وردنا البقيع اذ هو يقبر جدي فسال عنه

فقالوا افلا نفع فيها قال افلا اذ نتموني بها فقالوا اكنث قائلا ففكر هنا ان نود يك فقال لا تفعلوا امامات منكم ميت مادمت بين اظهركم الا اذ نتموني فان صلاتي عليه رحمة۔۔۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت یزید بن ثابت سے روایت کیا کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے۔ جب جنت البقیع پہنچے تو حضور نے ایک نئی قبر ملاحظہ فرمائی۔ آپ نے پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ فلاں عورت کی قبر ہے تو آپ نے اس کو پہچان لیا۔ ارشاد ہوا کہ تم لوگوں نے مجھے کیوں نہ خبر دی؟ لوگوں نے کہا حضور قیلولہ فرما رہے تھے، اس لئے ہم نے ناپسند کیا کہ حضور کو تکلیف دیں۔ ارشاد ہوا کہ ایسا نہ کیا کرو۔ جب تک میں تم میں ہوں تو نہ انتقال کرے تم میں کوئی شخص مگر مجھے ضرور خبر دیا کرو۔ اس لئے کہ میرا نماز پڑھنا میت کے لئے رحمت ہے۔۔۔ والحدیث رواہ ابن ماجہ فی سننہ و ابن حبان فی صحیحہ والحاکم فی المستدرک فی الفضائل وسکت عنہ وروی نحوه البخاری و مسلم ص ۳۱۰ و ابوداؤد الطیالسی ص ۳۲۱۔

اس مسئلہ کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا: لا تصل علی احد منہم مات ابدا (سورہ براءۃ) یعنی منافقین میں جو شخص مر جائے اس کی جنازہ کی نماز آپ نہ پڑھیں۔

تفسیر بیضاوی شریف میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ہے: ”والمراہ من الصلاۃ الدعاء للمیت والاستغفار لہ وهو ممنوع فی حق الکافر“۔ ”صلاۃ سے مراد میت کے لئے دعا اور اس کے لئے مغفرت چاہنا ہے اور کافر کے لئے یہ منع ہے۔“

حاشیہ نقاشی علی البیضاوی جلد ۲ ص ۳۵۲ میں ہے: ”ان المراد بالصلاۃ علیہ صلاۃ المیت المعروفۃ واتمنا منع منها علیہ لان صلاۃ المیت دعاء واستغفار واستغفار لہ وقد منع من الدعاء لمیتہم فیما تقدم فی هذه السورة لقوله تعالى سواء علیہم استغفرت لہم اولم تستغفر لہم لن یغفر اللہ لہم وقوله تعالى ان تستغفر لہم سبعین مرة قلن یغفر اللہ لہم“۔ ”اس آیت میں صلاۃ سے مراد نماز جنازہ معروفہ ہے اور منافقین کے لئے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ میت پر نماز پڑھنا، دعا و استغفار اور شفاعت کرتا ہے اور منافق مردوں کے لئے دعا کرنا پہلے غیر مفید و ممنوع ہو چکا ہے۔ ان پر ایک سہا ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو۔ اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہرگز انہیں بخشے گا۔“

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب منافقین کے لئے استغفار، دعا، نماز جنازہ ممنوع ہے تو ضروری ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ سب باتیں نہ فقط جائز بلکہ مامور و مشروع ہوں ورنہ ان کی تکلیف و تذلیل کیا ہوگی؟

امام رازی تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۷۰۹ میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ارشاد فرماتے ہیں: "اعلم انه تعالى امر رسوله بان يسمي في تحذيلهم و اهانتهم و اذلالهم قالذي سبق ذكره في الآية الاولى وهو منعهم من الخروج معه الي الغزوات سبب قوي من اسباب اذلالهم و اهانتهم و هذا الذي ذكره في هذه الآية وهو منع الرسول من ان يصلي على من مات منهم سبب اخر قوي في اذلالهم و تحذيلهم"۔ "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ منافقین کے رسوا کرنے، اہانت کرنے، ذلیل کرنے کی کوشش کریں تو آیت گزشتہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں جانے کی ممانعت کرنا، ایک قوی سبب ان کے ذلت و اہانت کا ہے اور جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی نبی ﷺ کو ان کی نماز جنازہ سے روک دینا ان کی تذلیل و رسوائی کا دوسرا قوی سبب ہے۔"

(چہارم) مسلمان میت کی قبر کی زیارت کرنا اور اس جگہ ٹھہرنا

قال تعالى: وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ (سورہ براءہ رکوع ۱۱)

تفسیر بیضاوی میں ہے: "وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ لِلدَّفْنِ أَوِّ لِلزِّيَارَةِ"۔

حاشیہ قوی علی البیضاوی جلد ۳ ص ۱۷ میں ہے: "أى انتهى عن القيام نهى عن الوقوف مطلقا كناية او محاذ او كان عليه يقوم على قبور المنافقين ويدعولهم ثم نهى عن ذلك حين مات رئيس المنافقين"۔ "قیام سے ممانعت مطلقاً ٹھہرنے سے کنا یا مجازاً ممانعت ہے اور حضور اقدس ﷺ پہلے منافقین کی قبروں پر بھی ٹھہرتے اور ان کے لئے دعا کرتے تھے۔ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مرثد اس سے ممانعت ہو گئی۔"

تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۱۷۰ میں ہے: "ثم قال ولا تقم على قبره وفيه وجهان۔ الاول قال الزجاج كان رسول الله ﷺ اذا دفن الميت وقف على قبره ودعاه فممنع ههنا منه الثانى قال الكلبي لا تقم باصلاح مهمات قبره"۔ "آیت کریمہ ولا تقم على قبره کی دو تفسیریں ہیں۔ اول زجاج نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب کسی میت کو دفن کرتے، اس کی قبر پر ٹھہرتے اس کے لئے دعا کرتے تو اس سے منع کر دیے گئے کہ مهمات قبر کی اصلاح کے لئے آپ منافقوں کی قبر پر نہ ٹھہریں۔"

تفسیر ابوسعود جلد ۳ ص ۷۰۲ میں ہے: "أى لا تقف عليه للدفن او للزيارة او للدعاء"۔ "مناقب کی قبر پر آپ کھڑے نہ ہوں، نہ دفن کے لئے، نہ زیارت کے لئے، نہ دعا کے واسطے۔"

تفسیر روح البیان جلد ۳ ص ۵۵۹ میں ہے: "ولا تقم على قبره أى لا تقف عند قبره للدفن او للزيارة او للدعاء وكان النبي ﷺ اذا دفن الميت وقف على قبره ودعاه انهم كفروا بالله ورسوله تعليل

لننهي علي ان الاستغفار للميت والوقوف على قبره انما يكون لا مستصلاحه و ذلك مستحيل في حقهم لانهم استمر واعلى الكفر بالله و برسوله مدة حياتهم قال الحافظ۔

پہ آب کو ٹروڑ مزم سفید توال کر دو غلیم بخت کے را کہ باہند سیاہ

آیت کریمہ ولا تنقم علی قبرہ کے یہ معنی ہیں کہ آپ متافق کی قبر پر نہ ٹھہریں دفن یا زیارت اور دعا کے لئے اور حضور اقدس ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ جب مردہ دفن کیا جاتا تو اس کی قبر پر ٹھہرتے اور اس کے لئے دعا کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد انہم کفروا باللہ و رسولہ اس نہی کی علت ہے۔ اس لئے کہ میت کے لئے استغفار اور اس کی قبر پر ٹھہرنا اس کی اصلاح کے لئے ہوتا ہے اور یہ منافقوں کے حق میں محال ہے، چونکہ وہ مدۃ العمر اللہ و رسول کے ساتھ کفر پر مستمر رہے، جیسا کہ حضرت حافظ شیرازی فرمایا۔

”جس کے نصیب کے غلیم کی بخت ہی سیاہ ہو، اسے کو ٹروڑ مزم کا پانی بھی سفید نہیں کر سکتا۔ ۱۲ ساحل“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ان سید بختان قسمت کے حق میں ان کے کفر کے سبب غیر مفید ہونے کی وجہ سے جب قبر پر ٹھہرنا منع کر دیا گیا تو مسلمانوں کے لئے وہ حکم بدستور باقی رہا چونکہ ان کے لئے مفید ہے۔

بالجملہ قرآن شریف کی ان آیات کریمہ سے ایصال ثواب کے چار طریقے ثابت ہوئے۔ اول دعائے مغفرت، دوم دعائے رحمت، سوم نماز جنازہ چہارم قبر پر ٹھہرنا اور دعا کرنا۔ ان میں نماز جنازہ کی ترکیب تو مفصل طریقے پر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ رہا دعائے مغفرت و دعائے رحمت کرنا اور قبر پر ٹھہرنا تو قرآن شریف میں اس کا مفصل بیان مذکور نہیں کہ کس طرح دعا کرنی چاہئے اور اس کے آداب و شرائط کیا ہیں؟ لیکن اہل علم و فہم پر مخفی نہیں کہ جب یہ دعا ہے تو جو آداب و شرائط دعا کے اپنی جگہ مرقوم و مکتوب ہیں، اس دعا کے لئے بھی ان کا لحاظ ضروری ہے۔ وہ بہت امور ہیں جن کا مفصل بیان اعلیٰ حضرت مولانا مولوی محمد تقی علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز کی مستقل تصنیف ”احسن السوعاء لأداب الدعاء“ اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت شیخ الاسلام والمسلمین (۱۳۲۰ھ) سیدی مرشدی مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ القوی کے حاشیہ مسمی بہ ”ذیل السوعاء لاحسن السوعاء“ میں مذکور ہے۔ اگر ان سب امور کا لحاظ نہ کریں تو کم از کم دو تین بات کا خیال کرنا ضروری ہے تاکہ جو دعا کریں، امید قبولیت قوی ہو۔

اول: کچھ سورتمیں یا آیتیں قرآن شریف کی پڑھیں کہ قرآن شریف پڑھنے کے بعد دعا قبول ہوتی ہے

کنز العمال جلد ۱ ص ۱۲۹ ہے: ”عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان لغاری

القرآن دعوة مستجابة فادعاء صاحبها عجلها فی الدنيا و ان شاء اخرها الی الآخرة“ (رواہ بن

امردویدہ) ”قرآن شریف پڑھنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے تو اگر چاہے دنیا میں جلد لے لے اور اگر چاہے آخرت کے لئے موخر کرے۔“

اسی میں ہے ص ۱۳۲: ”عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ خیر کم من قرء القرآن و اقرأه لحامل القرآن دعوة مستجابة بدعو بها فاستجاب له“ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) ”تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف پڑھے اور قرآن شریف پڑھائے اور حافظ قرآن کی دعا استجاب ہوتی ہے جو دعا کرتا ہے قبول کی جاتی ہے۔“

اسی میں ہے ص ۱۳۳: ”عن عمران ابن حصین قال قال رسول اللہ ﷺ من قرء القرآن فلیسأل اللہ بہ فانه سياتی اقوام یقرؤن القرآن ویسألون بہ الناس“ (رواہ ابن ابی شیبہ والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان) ”جو شخص قرآن شریف پڑھے، اسے چاہئے کہ خداوند عالم سے اس کے وسیلے سے سوال کرے اس لئے کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو قرآن پڑھے گی اور لوگوں سے اس کے ذریعے سوال کرے گی۔“

اب رہی یہ بات کہ کون کون سورہ پڑھے۔ کون کون آیتیں پڑھے؟ اس میں اختیار ہے۔ کوئی خاص سورہ ضروری نہیں۔ ہاں! جن جن سورتوں کا ثواب خصوصیت کے ساتھ مذکور ہے، جیسے سورہ فاتحہ یا اول و آخر بقرہ، آیہ الکرسی، سورہ یسین، انا اعطینا قل یا ایہا الکفرون قل یا اللہ، معوذتین وغیرہ ان کا پڑھنا افضل واعلیٰ ہے۔

کنز العمال جلد ۱ ص ۱۳۹ میں ہے: ”عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما نزل اللہ فی التورۃ والا انجیل مثل ام القرآن وہی السبع المثانی“ (رواہ الترمذی والنسائی) ”توریت و انجیل میں کوئی سورہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کے مثل نہیں نازل کی اور یہ سبع مثانی ہے۔“

اسی میں ہے ص ۱۳۹: ”عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ فاتحة الكتاب تجزى مالا تجزى شیء من القرآن ولو ان فاتحة الكتاب جعلت فی کفة المیزان وجعل القرآن فی الکفة الاخرى لفضلت فاتحة الكتاب علی القرآن سبع مرات“ (رواہ الدیلمی مستند الفردوس) ”سورہ فاتحہ اس کام میں کفایت کرتی ہے کہ کوئی چیز قرآن سے کفایت نہیں کرتی اور اگر سورہ فاتحہ ایک پلہ میں رکھی جائے اور بقیہ قرآن دوسرے پلہ میں تو سورہ فاتحہ اس سے سات گنا زیادہ ہو۔ اس کو دیلمی نے مستند الفروس میں روایت کیا ہے۔“ ”وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ افضل القرآن الحمد لله رب العلمین“ (رواہ الحاکم والبیہقی فی شعب الایمان) ”سورہ فاتحہ قرآن شریف میں سب سے افضل ہے۔“

اسی میں ہے: ”عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اربع انزلت من کتب

تحت العرش ام الكتاب واية الكرسي وحيواتيم البقرة والكوثر“ (رواه الطبرانی فی الکبیر و ابو الشیخ والاضیاء) ”چار سورتیں ہیں جو اس خزانہ سے نازل کی گئیں جو عرش کے نیچے ہے سورہ فاتحہ آیہ الکرسی خواتیم سورہ بقرہ اور سورہ کوثر۔“

اسی میں ہے ص ۱۳۰: ”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم لكل شیء ستام وان ستام القرآن سورة البقرة وفيها اية هي سيده اى القرآن اية الكرسي“ (رواه الترمذی) ”ہر چیز کے لئے چوٹی ہے اور قرآن شریف کی چوٹی سورہ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت ہے جو قرآن کی تمام آیتوں کی سردار ہے یعنی آیہ الکرسی۔“

اسی میں ہے ص ۱۳۱: ”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سورة البقرة فيها اية سيده اى القرآن لا تقرأ فى بيت وفيه شيطان الاخرج منه اية الكرسي“ ”سورہ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن کے تمام آیتوں کی سردار ہے۔ نہیں پڑھی جائے گی یہ آیت کسی ایسے گھر میں جس میں شیطان ہو مگر اس کی برکت سے شیطان دفع ہو جائے گا، وہ آیت الکرسی ہے۔“

اسی میں ہے ص ۱۳۲: ”عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان لكل شیء قلب وقلب القرآن يس۔ من قراء يس كتب له بقرآء ته قراءة القرآن عشر مرات“ ”ہر چیز کے لئے دل ہوتا ہے اور قرآن شریف کا دل سورہ یس ہے جو شخص سورہ یس پڑھے۔ اس کے لئے اس کے پڑھنے کا اجر و ثواب دس مرتبہ قرآن شریف پڑھنے کے برابر لکھا جائے گا۔“

اسی میں ص ۱۳۳ پر ہے: ”من قرء يس ابتغاء وجه الله غفر الله له ماتقدم من ذلہ فاقراء وها عند موتاكم (رواه البيهقي فى شعب الايمان عن معقل بن يسار)“ ”جو شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کو لئے سورہ یس پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے اگلے گناہ بخش دے گا تو اس سورہ کو اپنے مردوں کے پاس پڑھا کرو۔“

اسی میں ہے: ”عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ قل يا ايها الكفرون تعدل ربع القرآن“ (رواه الطبرانی فی الکبیر والحاکم) ”قل يا ايها الكفرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔“

اور قل هو الله احد کا تو کیا کہنا کے اس کے فضائل اظہر من الشمس ہیں۔

کنز العمال جلد اول ص ۱۳۵ میں ہے: ”عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ قل هو الله احد تعدل ثلث القرآن۔ (رواه الامام مالک والامام احمد والبخاری و ابو داؤد الترمذی ورواه مسلم عن ابی الدرداء ورواه الترمذی وابن ماجہ عن ابی ہریرۃ ورواه النسائی

عن ابی ایوب ورواہ الامام احمد وابن ماجہ عن ابی مسعود الانصاری ورواہ الطبرانی عن ابن مسعود ورواہ البزار عن جابر وابی عبیدہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین۔

”ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قل ہو اللہ احد تنہائی قرآن کے برابر ہے۔ اس کو امام مالک اور امام احمد اور بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے ابودرداء سے روایت کیا اور روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ سے اور روایت کیا اس کو نسائی نے ابویوب سے اور روایت کیا اس کو امام احمد اور ابن ماجہ نے ابوسعید انصاری سے اور روایت کیا اس کو طبرانی نے ابن مسعود سے اور روایت کیا اس کو بزار نے جابر اور ابو عبیدہ سے اور انہوں نے ابن عباس سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔“

اسی میں ہے: ”عن عقبہ بن عامر قال قال رسول اللہ ﷺ انزل علی اہل لم یر مثلہن قط قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس (رواہ الامام احمد و الترمذی و النسائی) و فی رواية اقرب المعوذتين فانك لن تقرء مثلها۔“ (رواہ الطبرانی عنہ) و فی رواية یا عقبہ الاعلمك خیر سورتم قرء تاقل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس یا عقبہ اقرب بهما کلما نمت و قصت ما سئل مسائل ولا استعاذ مستعید بمثلہما“ (رواہ الامام احمد و النسائی و الحاکم عن عقبہ بن عامر)۔ ”مجھ پر چند آیتیں نازل ہوئیں کہ ان کے مثل کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔ وہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں۔ معوذتین پڑھا کرو، اس لئے کہ تم ہرگز ان کے مثل نہ پڑھو گے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں بے مثل ہیں۔“ ایک روایت میں ہے: اے عقبہ! کیا میں تمہیں دو بہترین سورتیں نہ بتاؤں قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس۔ اے عقبہ! ان دونوں سورتوں کو پڑھو جب سوؤ اور جب کھڑے ہو۔ نہیں سوال کیا کسی کرنے والے نے اور نہ پناہ پکڑا کسی پناہ پکڑنے والے نے کسی چیز کے ساتھ جو مثل ان دو سورتوں کے ہو یعنی یہ دونوں ہر چیز سے بہتر ہیں۔“

دوم: اول و آخر درود شریف پڑھیں کہ دعا آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک رسول اللہ ﷺ اور ان کی آل پر درود شریف نہ پڑھی جائے۔

کنز العمال جلد اول ص ۱۳۳ میں ہے: ”عن علی کرم اللہ وجہہ کل دعاء محجوب حتی یصلی علی النبی ﷺ۔“ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان ورواہ الدیلمی فی مسند القردوس عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ ”تمہاری شعب الایمان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے راوی۔ ہر دعا اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہونے سے رکی ہوئی ہوتی ہے جب تک رسول اللہ ﷺ و سلم پر درود شریف نہ پڑھے۔“

اسی میں ص ۲۱۳ ہے: ”عن سعید بن المسیب عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما قال ان

الدعاء موقوف بين السماء والارض ولا يصعد منه شيء حتى تصلى على نبيك صلى الله عليه وسلم۔ رواه الترمذی قال الحافظ العراقي في شرحه وهو ان كان موقوفاً عليه فمثله لا يقال من قبل الرائي واتما هو امر توقيفي فحكمه حكم المرفوع كما صرح به جماعة من الائمة اهل الحديث والاصول۔ "حضرت سعید بن مسیب، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دعا آسمان و زمین میں رکی ہوئی رہتی ہے، وہ اوپر بلند نہیں ہوتی جب تک رسول اللہ ﷺ پر درود شریف نہ بھیجا جائے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا، حافظ عراقی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مگر ایسی بات اپنی عقل سے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا ہے۔ یہ تو شارع ہی کی طرف سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس کا حکم حدیث مرفوع کا ہے، جیسا کہ ائمہ حدیث و علمائے اصول نے تصریح فرمائی۔

"عن عمر قال ذكر لي ان الدعاء يكون بين السماء والارض لا يصعد منه شيء حتى يصلى على النبي صلى الله عليه وسلم رواه ابن راهويه بسند صحيح"۔ "محدث ابن راهويه نے صحیح سند سے حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ مجھ سے ذکر کیا گیا کہ دعا آسمان و زمین کے درمیان رہتی ہے، بلند نہیں ہوتی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ بھیجا جائے۔"

"عن عمر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دعا داعي فان الدعاء موقوف بين السماء والارض فاذا صلى على النبي صلى الله عليه واله وسلم رفع رواه الديلمي وعبد القادر الرهاوي في الاربعين وقال وروى عن عمر موقوفاً من قوله وهو اصح من المرفوع"۔ "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو اس کی دعا آسمان و زمین کے درمیان ٹھہرتی رہتی ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہے تب وہ بلند ہوتی ہے۔ اس حدیث کو دیلمی اور عبد القادر رهاوی نے اربعین میں روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حضرت عمر سے موقوفاً بھی مروی ہے اور وہ باعتبار سند، مرفوع سے اصح ہے۔"

اسی میں ص ۲۱۳ ہے: "عن علي رضي الله عنه قال كل دعا محجوب عن السماء حتى يصلى علي محمد وعلي آل محمد رواه عبيد الله بن ابي حفص العيشي في حديثه وعبد القادر الرهاوي في الاربعين والطبراني في الكبير والبيهقي في شعب الایمان"۔ "کوئی دعا آسمان تک نہیں جاتی، جب تک محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل پر درود شریف نہ پڑھا جائے۔" ۱۲ اساطیل۔

اس حدیث میں علی محمد کے بعد علی آل محمد زائد ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ درود شریف کاٹل پڑھے جس

میں آل و اصحاب سب کا ذکر ہو۔

سوم: دعا سے پہلے کوئی عمل صالح کرے کہ خداوند عالم کی رحمت اسکی طرف متوجہ ہو

خصوصاً صدقہ کہ اس باب میں اثر تمام رکھتا ہے: "قَالَ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَخَيَّمُوا الرُّسُولَ فَقَدْ تَزَوَّجْتُمْ بِذُنُوبِكُمْ صَدَقَةٌ" (سورہ مجادلہ رکوع ۲)۔

”مسلمانوں جب تم رسول خدا سے مناجات کرنا چاہو تو قبل مناجات صدقہ دے لو۔“

تفسیر خازن جلد ۴ ص ۲۴۱ میں ہے: ”یعنی اذا اردتم مناجاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فان الانسان اذا وحده الشئ بمشقة استعظمه وان وحده بسهولة استحقه ونفع كثير من الفقراء بتلك الصدقة المقدمة قبل المناجاة ومثله في التفسير الكبير جلد ۸ ص ۱۶۶۔“ یعنی اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات کا ارادہ کرو تو قبل سرگوشی کرنے کے صدقہ دو اور اس صدقہ دینے کا فائدہ رسول سے مناجات کی تعظیم ہے۔ اس لئے کہ آدمی جب کسی چیز کو مشقت اٹھا کر حاصل کرتا ہے تو اس کی قدر ہوتی ہے اور جو چیز بے درد حاصل ہوتی ہے وہ بے قدر ہوتی ہے۔ دوسرا فائدہ اس صدقہ کا بہتیرے فقرا کو نفع پہنچانا ہے۔“

مقام غور ہے کہ جب رسول سے مناجات کی یہ قدر ہے تو خدا سے مناجات و عرض حاجات کی اہمیت کا مستحق اسی سے ظاہر ہے۔ یہ ماننا کہ اب یہ حکم مامور و مفروض نہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ استجاب و مندوبیت میں کلام نہیں اور فقراء کو اس سے نفع پہنچتا تو ہر شخص آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدر کہتا ہے: یہی آیت مسلمانوں کے اس دستور اور معمول بہ کی اصل اصل ہے کہ جب بزرگوں کے مزار پر فاتحہ و زیارت کے لئے جاتے ہیں تو شیرینی وغیرہ کوئی چیز فقراء پر تصدق کرنے کے لئے لے جایا کرتے ہیں۔ اب ان سب آیتوں اور حدیثوں کو عملاً جمع کرنے کے بعد ایصال ثواب کی بہترین صورت یہ ثابت ہوئی کہ جب کسی میت بزرگ یا خرد، استاد یا مشائخ کے لئے ایصال ثواب چاہیں تو قبر پر اس کے جائیں اور شیرینی وغیرہ صدقہ کے لئے لائیں پھر قرآن شریف کی سورتیں یا آیتیں پڑھیں پھر اول آخر درود شریف پڑھ کر اس میت کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید قبولیت کی ہے اور یہی طریقہ ہے جو سلفا خلفا مسلمانوں میں ایصال ثواب کا شائع و مروج ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(جواب سوال دوم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کے متعدد طریقے تھے، جن میں سے غور و تامل کے بعد اس وقت فقیر

کے خیال میں بچپن میں طریقے احادیث قولی و فعلی و اقوال علمائے کرام سے صراحتاً ثابت ہوتے ہیں نیز اس وقت تک علماء و مشائخ کے تعامل و توارث سے ان کی تائید و تقویت ہوتی ہے۔ فاقول وباللہ التوفیق و بہ الوصول الی ذریئہ تحقیق۔

پہلا طریقہ: سورہ یسین شریف پڑھنا ہے جس کا کرنا وقت اختصار ہی سے ثابت ہے
سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۸۹ میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اقرأ وائس علی موتا کم“ (ورواہ ابن ماجہ والنسائی واعلمہ ابن القطان و صححہ ابن حبان)۔ ”اپنے مردوں پر سورہ یسین پڑھو“۔

مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۲۸۲ میں ہے: ”قال القرطبی حدثنا اقرء واعلی موتا کم یس هذا یحتمل ان تكون عند قبره کذا ذکرہ السیوطی فی شرح الصدور“۔ ”علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اقرء واعلی موتا کم یس اس حدیث کا دو مطلب ہے۔ اول یہ کہ مرنے والے کے پاس اس کی حیات میں پڑھی جائے اور دوسرا یہ کہ اس کی قبر پڑھی جائے۔ اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور فی احوال الموتی والقبر میں ذکر کیا ہے۔“

”وعن معقل بن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرء یس ابتغاء وجه اللہ غفر اللہ له ماتقدم من ذنبه فاقروا ہا عند موتا کم“۔

”جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سورہ یس پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دے تو تم اسے مردوں کے پاس پڑھا کرو“۔ (ورواہ البیہقی فی شعب الایمان، کتر العمال جلد اول ص ۱۴۴)

مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۶۰۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ”فما قرؤ ہا عند موتا کم ای مشرقی الموت او عند قبور امواتکم فانہم احوج الی المغفرۃ“۔ ”موتی سے مراد وہ ہیں جو قریب مرگ ہیں یا یہ مطلب ہے کہ مردوں کی قبور کے پاس سورہ یس پڑھو۔ اس لئے کہ وہ لوگ مغفرت کے زیادہ محتاج ہیں۔“

دوسرا طریقہ: میت کو چومنا اور بوسہ دینا

”عن ام المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ عنہا قالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل عثمان بن مظعون وهو میت وهو یبکی حتی سال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی وجہ عثمان“ (رواہ ابو داؤد الترمذی وابن ماجہ ورواہ ابو داؤد الطیالسی السی ص ۲۰۱ قوله وهو میت)۔ ”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا جبکہ وہ مردہ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رورہے تھے، یہاں تک کہ حضور کے آنسو حضرت عثمان کے چہرے پر پڑے۔“

”وعنها قالت اقبل ابو بکر رضی اللہ عنہ علی فرسہ من مسکنہ بالسخ حتی نزل فد خل المسجد فلم یکلم الناس حتی دخل علی عائشہ رضی اللہ عنہا فتیمم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو مسحی ببرد جرة فکشف عن وجهہ ثم اکب علیہ فقبلہ فیکفی الحدیث“۔ (رواہ البخاری وروی الترمذی وابن ماجہ وابو داؤد الطیالسی ص ۲۳۷ و مثله مختصر اولفظ ابی داؤد فقبل جہنہ و عنہا ان ابابکر قبل بین عینی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو میت (رواہ النسائی فی باب تعقیل الميت وابن یقبل منه)

”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر اپنے مکان سے جو خ میں واقع تھا آئے، یہاں تک کہ گھوڑے سے اترے، مسجد میں داخل ہوئے تو کسی سے کلام نہ کیا، یہاں تک کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لائے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد فرمایا اور آپ پر دیمانی اوڑھا دیئے گئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کا چہرہ مبارک کھولا اور آپ کی طرف جھکے پس آپ کو بوسہ دیا اور روئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اس حال میں کہ آپ وصال فرما چکے تھے۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۴ ص ۱۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ”فیہ جواز تعقیل الميت بفعل ایسی بکر رضی اللہ عنہ و کان ابو بکر فی تعقیلہ النبی ﷺ لم یفعلہ الا قدوة بہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لسان وی الترمذی مصححا ان رسول اللہ ﷺ دخل علی عثمان بن مظعون وهو میت فاکب علیہ وقبیلہ ثم بکی حتی رایت الدموع تسیل علی وجنتیہ“۔ ”اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو بوسہ دینا جائز ہے بوجہ فعل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو نہیں کیا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اقتداء سے، جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا اور اس حدیث کو صحیح بتایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن مظعون کے پاس ان کے انتقال کے بعد تشریف لے گئے اور ان پر جھکے اور بوسہ دیا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ حضور کے آنسو دونوں رخساروں پر بہہ رہے ہیں۔

فقیر غفرلہ الموائی القدر کہتا ہے۔ شاید مسلمانوں میں بوسہ قبر کا رواج اسی حدیث کی بنا پر ہوا ہو کہ زائر کی خواہش دلی تو یہ ہوتی ہے کہ صاحب مزار کو بوسہ دے لیکن جب وہ حذر رہے تو اوپر ہی سے بوسہ دے لینا کافی خیال کرتا ہے اور جس طرح قبر کی مٹی مروے کے دیکھنے اور تراڑ کا کلام سننے میں حارج نہیں، اسی طرح بوسہ دینے میں بھی مانع نہیں۔ اس لئے کہ قبر کی مٹی ان لوگوں کے لئے بمنزلہ شیشہ کے ہے۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱ ص ۳۶۷ میں فرماتے ہیں: "قال الحافظ ابن رجب انبانی علی بن عبد الصمد بن احمد البغدادی عن ابيه قال اخبرني قسطنطين بن عبد الله الرومي سمعت اسد بن موسى يقول كان لي صديق فمات فراقبته في المنام وهو يقول سبحان الله حنت الي قبر فلان صديقك فلان قرأت عنده و ترحمت عليه و انا ما حنت الي ولا قربتني قلت له و ما يدريك قال لما حنت الي قبر صديقك فلان رايتك قلت كيف رايتني و التراب عليك قال ما رايت الماء اذا كان في الزجاج ما بين قلت بلى قال فكذلك تحن لرحمن من يزورنا"۔ "حافظ ابن رجب اپنی سند کے ساتھ اسد بن موسیٰ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے تھے کہ میرے ایک دوست کا انتقال ہو گیا۔ اس کو خواب میں دیکھا کہ کہتا ہے سبحان اللہ! تم فلاں دوست کی قبر کے پاس اس کی زیارت کو آئے اور قرآن شریف پڑھا اور رحمت کی دعا کی اور تم میرے پاس آئے اور نہ نزدیک ہوئے؟ میں نے ان سے پوچھا، تمہیں کیا معلوم؟ اس نے کہا کہ جب اپنے فلاں دوست کے پاس آئے تو میں نے تم کو دیکھا۔ میں نے کہا، تم نے مجھ کو کیسے دیکھا تم پر تو مٹی کا انبار تھا؟ کہا کہ تم نے نہیں دیکھا، پانی جب شیشہ میں ہوتا ہے کیا نہیں ظاہر ہوتا؟ میں نے کہا کیوں نہیں کہا کہ اسی طرح ہم اس کو دیکھتے ہیں جو ہماری زیارت کو آئے۔"

اس بوسہ قبر کی مثال دیکھی ہی ہے کہ عام طور پر مسلمان قرآن شریف کو غلاف و جزدان کے ساتھ بوسہ دیتے ہیں۔ یہ بوسہ غلاف و جزدان کے کپڑے کو کوئی نہیں سمجھتا بلکہ قرآن شریف کو بوسہ دینا سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح قبر کے اوپر بوسہ اس بزرگ کو بوسہ دینا خیال کیا جائے ولنعم من قال ۔

اگر بوسہ بر قبر مرداں زنی بمردی کہ پیش آیت روشنی

علاوہ ازیں افعال صحابہ کرام سے بھی بوسہ قبر کی اصلیت معلوم ہوتی ہے۔

ابن عمر اکبر بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ من فتح بیت المقدس فصارا لی جابیة سألہ بلال ان یقرہ بالشام ففعل و ذکر قصة نزوله بد اریا قال ثم ان بلالا راى النبی ﷺ وهو يقول ما هذه الحفوة یا بلال! اما ان لك ان تزورنی یا بلال! فانتبه حزینا و حلا خائفا فركب را حلتہ و قصد المدینة و اتى قبر النبی ﷺ فحعل بیکى عنده و یمرغ وجهه علیه فاقبل الحسن و الحسين رضی اللہ عنہما فحعل یضمہما و یقبلہما الخ"۔ "جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس فتح کر کے واپس ہوئے اور جابیہ پہنچے تو حضرت بلال نے کہا کہ ان کو شام میں مقرر کریں۔ امیر المومنین نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد راوی نے ان کے وہاں پہنچنے اور دریا میں اترنے کا واقعہ بیان کیا

اور کہا کہ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اے بلال یہ کیا ظلم ہے؟ تیرے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ تو میری زیارت کو آئے؟ اس خواب کو دیکھ کر وہ بہت پریشان، خوفزدہ ہو کر بیدار ہوئے اور راحلہ پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ کا قصد کیا۔ جب مدینہ پہنچے تو روضہ مطہرہ پر حاضر ہوئے۔ قبر شریف کے پاس پہنچ کر رونے اور اپنا چہرہ قبر انور پر ملنے لگے۔ اتنے میں حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ پس حضرت بلال ان دونوں کو لپٹا لے کر چلے گئے۔ (وفاء الوفا بخیار دار المصطفیٰ جلد ۲ ص ۴۰۸)۔

اگر بوسہ قبر مطلقاً ناجائز ہوتا تو حضرت بلال کے بصرغ و جہہ علیہ کے کیا معنی ہوں گے کہ یہ تو اس سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

اسی میں ہے: "قال العزفی کتاب العلل والسوالات لعبد اللہ بن احمد بن حنبل عن ابیہ رواۃ علی بن الصوف عنہ قال عبد اللہ سألت ابی عن الرجل یحس منبر رسول اللہ ﷺ ویتبرک بہ ویقبلہ ویفعل بالقبر مثل ذلک رجاء ثواب اللہ تعالیٰ قال لا یاس بہ۔" "عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت امام احمد بن حنبل سے پوچھا اس شخص کے بارے میں جو رسول اللہ ﷺ کے منبر کو مس کرتا اور اس کو بوسہ دیتا ہے اور قبر مبارک کے ساتھ بھی یہی کرتا یعنی بوسہ دیتا اور اس میں خداوند عالم سے ثواب کی امید رکھتا ہے (اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟)۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں حرج نہیں۔

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۴۴۳ میں ہے: ابو الحسن یحییٰ بن حسین اخبار مدینہ میں تحریر فرماتے ہیں: "اقبل مروان بن الحکم فاذا رجل ملتزم القبر فاحذ مروان برقبته ثم قال هل تدری ماتصنع؟ فاقبل علیہ فقالہ نعم انی لم ات الحجر ولم آت اللبن انما جئت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتبکوا علی الدین اذا ولیہ اہلہ ولکن ابکوا علیہ اذا ولیہ غیر اہلہ قال الحنطب وذلک الرجل ابو ایوب الانصاری۔" "مروان بن الحکم روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔ دیکھا کہ ایک شخص قبر مبارک کو لپٹا ہوا ہے۔ مروان نے ان کی گردن پکڑی اور پوچھا تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو؟ وہ شخص اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہاں میں پتھر کے پاس نہیں آیا اور نہ اینٹ کے پاس آیا ہوں۔ میں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں۔ مت روؤ دین پر جب اہل اس کے والی ہوں، البتہ اس وقت روؤ جب نااہل والی ہوں۔ مطلب بن عبد اللہ بن خطب راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص جو قبر مبارک کو لپٹے ہوئے تھے، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔"

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۴۴۳ میں ہے: حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی: "لما مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاءت فاعلمتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوقف علی قبرہ صلی

اللہ علیہ وسلم واخذت قبضة من تراب القبر و وضعت علی عینہا و بکت و انشاءت تقول "۔

ماذا علی من شتم تریة احمد ان لا یثم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائب لو انها صبت علی الا یام صرن لیا لیا

"جب حضور اقدس صلی اللہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں۔ قبر مبارک کے پاس کھڑی ہوئیں اور تھوڑی سی خاک پاک قبر مبارک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لے کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور رونے لگیں اور یہ دو شعر پڑھے۔ جس شخص نے روضہ اقدس کی خاک پاک سونگھنے کا شرف حاصل کیا ہو، اگر زمانہ تک کوئی خوشبو نہ سونگھے تو کوئی مضافہ نہیں۔ مجھ پر ایسی مصیبتیں گزریں کہ اگر دنوں پر وہ مصیبتیں پڑتیں تو مارے غم کے دن رات ہو جاتے۔"

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۱۳۳۳ میں ہے: "و ذکر الخطیب ابن حملة ان ابن عمر رضی اللہ عنہما کما ان یضع یدہ الیمنی علی القبر الشریف و ان بلالا رضی اللہ عنہ وضع یدہ علیہ ایضا۔" "خطیب ابن حملة نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر اپنا دایاں ہاتھ قبر شریف پر رکھتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما نے اپنے دونوں رخساروں کو بھی قبر مبارک پر رکھا۔"

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۱۳۳۳ میں ہے: "قال الحافظ ابن حجر استنبط بعضهم من مشر و عیة تقبیل الحجر الاسود جواز تقبیل کل من یتستحق التعظیم من آدمی و غیرہ فاما تقبیل ید آدمی فمقبول فی الادب و اما غیرہ فنقل عن احمد انه مثل عن تقبیل منبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قبرہ فلم یرہہ بأساً و امتنع بعض اتباعہ صحته عنه و نقل عن ابن ابی الصیف الیمانی احد علماء مکة من انشاء فعیة جواز تقبیل الصحف و اجزاء الحدیث و قبور الصالحین و انشد "۔

امر علی الدیار د یار لیلی اقبل ذالحدار و ذالحدار

وما حب الدیار شغفن قلبی ولكن حب من سکن الدیار

و نعم من قال ۔

چوں بگوری اے باد بھراے مدینہ یاد آرازیں عاشق شیداے مدینہ

کن عرض علام بہ نیاز یکہ تو داری بر کوچہ و بازار و مکانہائے مدینہ

"حافظ ابن حجر نے تقبیل حجر اسود کے مشروع ہونے سے ہر اس چیز کے بوسہ کا جواز ثابت کیا ہے جو مستحق تعظیم ہے، خواہ آدمی ہو یا غیر آدمی لیکن آدمی کے ہاتھ کا چومنا ادب میں گذر۔ لیکن غیر انسان کا بوسہ تو امام احمد سے

منقول ہے کہ ان سے منبر نبوی و قبر مبارک کے بوسہ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مضا کتہ نہیں مگر بعض اتباع امام احمد نے اس کا انکار کیا۔ ابن ابی الصیف یمنانی شافعی عالم سے منقول ہے کہ آپ نے قرآن شریف کا چومنا، اجڑائے حدیث کا چومنا اور صالحین کے قبر کا بوسہ جائز رکھا اور طیب ناشری نے محبت طبری سے نقل کیا کہ قبر کو بوسہ دینا اور اس کو چھونا جائز ہے اور کہا کہ اسی پر علماء صالحین کا عمل ہے اور یہ شعر پڑھا: میں گذرتا ہوں گھروں پر یعنی لیلیٰ کے گھروں پر تو بوسہ دیتا ہوں اس دیوار کو اور اس دیوار کو اور ان گھروں کی محبت میرے دل میں نہیں کبھی لیکن اس کی محبت جو ان گھروں میں رہتا ہے۔“

علامہ یعنی شرح بخاری جلد ۳ ص ۶۰۷ میں فرماتے ہیں: ”واما تقبیل الاماکن الشریفة علی قصد التبرک و كذلك تقبیل ایدی الصالحین و ارجلہم فهو حسن محمود باعتبار القصد والنية وقد سأل ابو هريرة رضي الله عنه ان يكشف له المكان الذي قبله رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو سرته فقبله تبركا باثارة وذريته صلى الله عليه وسلم وقد كان ثابت اليماني لا يدع يدانسه رضي الله عنه حتى يقبلها ويقول: بد مست بدر رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال ايضا اخبرني الحافظ ابو سعيد بن العلاء قال رایت فی کلام احمد بن حنبل فی جزء قديم عليه خط بن ناصر وغيره من الحفاظ ان الامام احمد سئل عن تقبیل قبر النبی صلى الله عليه وسلم و تقبیل منبره قال لا بأس به قال فاريناه للشيخ تقي الدين ابن تيمية فصار يتعجب من ذلك ويقول عجبت احمد عندي جليل يقول هذا كلامه او معنى كلامه وقال وای عجب فی ذلك وقدرونا عن الامام احمد انه غسل قميصا للشافعي و شرب الماء الذي غسله به و اذا كان هذا تعظيمه لا هل العلم فكيف بمقابر الصحابة و كيف باثار الانبياء عليهم الصلوة والسلام۔“

”ہمارے شیخ زین الدین نے فرمایا کہ تبرک مقامات کا بقصد تبرک بوسہ دینا اور اسی طرح بزرگوں کے ہاتھ پاؤں کو چومنا بہتر اور پسندیدہ ہے باعتبار قصد اور نیت کے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اس جگہ کو کھولے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا تھا اور وہ جگہ ناف ہے۔ پس حضرت ابو ہریرہ نے اس جگہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آغا اور ذریت کے ساتھ برکت لینے کے لئے بوسہ دیا اور ثابت بنانی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ اس پر بوسہ دیتے اور کہتے کہ یہ وہ ہاتھ ہے جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مس کیا ہے اور فرمایا کہ مجھے حافظ ابو سعید ابن علائی نے خبر دیا کہ میں امام احمد ابن حنبل کا کلام ایک پرانے جزد میں دیکھا، جس پر علامہ ابن ناصر وغیرہ حفاظ کی تحریر ہے کہ امام احمد ابن حنبل سے کسی

نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور منبر شریف کو بوسہ دینے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں حرج نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کو دکھایا، وہ تعجب کرنے لگے اور کہتے کہ تعجب ہے امام احمد بن حنبل میرے نزدیک بزرگ ہیں۔ وہ ایسی بات کہتے ہیں۔ یہ کہا یا اس کے مثل کہا۔ میرے شیخ نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ہمیں امام احمد بن حنبل سے روایت پہونچی ہے کہ انہوں نے امام شافعی کا کرنا دھویا اور اس کا سالہ پیا تو جب وہ اہل علم کی اس قدر عزت و تعظیم کرتے ہیں تو صحابہ کی تعظیم کی قدر کو کون بتا سکتا ہے پھر آثار انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم کا کیا کہنا۔

تیسرا طریقہ: کسی بزرگ کے پہنے ہوئے تبرک کپڑے میں کفن دینا

”عن ام عطیة الانصارية رضى الله عنها قالت دخل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم حين توفيت ابنته فقال اغسلنها ثلاثا او حسا او اكثر من ذلك ان رايتم ذلك ماء وسدروا جعلن في الآخرة كافور او شيئا من كافور فاذا فرغتن فاذا نسي قلما فرغنا اذناه فاعطا فاحقوه فقال اشعرونها اياد تعسى ازاره“

”حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ جس وقت حضور کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ خالص پانی یا میر کے پتے جوش دے ہوئے پانی سے تین یا پانچ مرتبہ غسل دو اور اگر ضرورت دیکھو تو اس سے زیادہ اور آخر میں کافور لگاؤ اور جب غسل دینے سے فارغ ہو تو مجھ کو خبر دو۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ہم لوگ غسل دے کر فارغ ہوئے تو حضور کو خبر دی۔ حضور نے اپنا تہبند مبارک عنایت فرمایا کہ اسے متصل رکھو۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۳۹ و مسلم و ابوداؤد و الترمذی و النسائی)

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۳ ص ۳۶ میں فرماتے ہیں: ”والحكمة فيه التبرك باشارة الشريعة و انما انحره الى فراغهن من الغسل ولم ينالوا لهن اياد اولاً ليكون قريب العهد من جسده الشريف حتى لا يكون بين انتقاله من جسده الى جسدها فاصل وهو اصل في التبرك باشارة الصالحين“۔ اس میں مصلحت برکت حاصل کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ کے ساتھ ہے اور حضور نے ان عورتوں کے غسل سے فارغ ہونے تک اس کو موخر کیا اور پہلے ہی سے عطا نہ فرمادیا تا کہ قریب العهد آپ کے جسد مبارک سے ہو یہاں تک کہ حضور کے جسد مبارک سے اترنے اور حضرت کی صاحبزادی کی پہننے میں کوئی فاصل نہ رہے اور یہ حدیث آثار صالحین کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کی اصل اور دلیل ہے۔

علامہ قسطلانی شرح بخاری جلد ۲ ص ۲۱۵ میں فرماتے ہیں: ”انما فعل ذلك ليتا لها بركة ثوبه“۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لئے کیا تا کہ آپ کے لباس مبارک کی برکتیں انہیں پہونچے۔

امام نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۰۵ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”والحكمة في اشعار هابه تبريكها به فقيه التبرك بآثار الصالحين ولياسهم“۔ ”حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو تہ بند مبارک پہنانے میں حکمت اس لباس کی سبب برکت دینا ہے۔“ تو اس حدیث میں آثار صالحین اور ان کے لباس سے برکت لینے کی دلیل ہے۔

بخاری شریف جلد اول ص ۱۴۱ میں حضرت ہبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جس میں ایک عورت کے چادر نذر دینے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تن فرمائے پھر ایک صحابی کے مانگنے پر قوم کے اعتراض کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ان صحابی رضی اللہ عنہم کا جواب مذکور ہے: ”قال انى والله ما سئلته لالبسه انما سئلته لتكون كفسى قال سهل فكانت كفنه“۔ ”سائل نے کہا کہ بخدا میں نے زندگی میں پہننے کے لئے اسے نہیں مانگا بلکہ اس لئے کہ یہ تبرک کپڑا حضور کا پہنا ہوا کپڑا میرا کفن ہو“۔ حضرت ہبل فرماتے ہیں کہ واقعی وہ چادر ان کے کفن میں دی گئی۔

علامہ عینی جلد ۴ ص ۱۷۰ میں اس کی شرح میں اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ”وفيه التبرك بآثار الصالحين وفيه بركة ما لبسه مما يلي حسده“۔ ”اس حدیث میں برکت لینا ہے آثار صالحین کے ساتھ اور نیز اس حدیث میں اس کپڑے کا تبرک ہونا ہے جو حضور کے جسد مبارک سے نزدیک ہوا ہے۔“

”وروى ابن عبد البر عن ابن عباس قال لعمامات فاطمة ام علي بن ابي طالب البسها رسول الله صلى الله عليه وسلم قميصه واضطجع معها في قبرها فقالوا امارائناك صنعت ما صنعت بهنذه فقال انه لم يكن احد بعد ابي طالب ابرلى منها انما البستها قميصي لتكسى من حلل الجنة واضطجعت معها ليهون عليها“ وفاء الوفا جلد ۲ ص ۸۸۔

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت علی کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص مبارک ان کو پہنائی اور ان کے ساتھ قبر میں لیئے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حضور نے آج وہ بات کی جو کبھی نہیں کی تھی۔ ارشاد ہوا کہ ابو طالب کے بعد میرے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے والا ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ میں نے ان کو اپنا کرتہ اس لئے پہنایا کہ یہ جنت کا لباس پہنیں اور میں ان کے ساتھ اس لئے لیٹا کہ غطفہ قبر آسان ہو۔“

دوسری روایت میں ہے: ”ثم نزع قميصه فامر ان تكفن فيه ثم صلى عليها عند قبرها فكبر تسعا وقال ما عسى احد من ضغطة القبر الا فاطمة بنت اسد قيل يا رسول الله ولا القاسم قال ولا ابراهيم وکان ابراهيم اصغرهما“۔ ”حضور نے اپنی قمیص مبارک اوتا کر حکم دیا کہ اس میں انہیں کفناؤ پھر ان کی قبر کے پاس ان کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اس میں نو تکبیر فرمائی اور ارشاد ہوا کہ غطفہ قبر سے کوئی نہیں بچا سوائے فاطمہ بنت

اسد کے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حضور کے صاحبزادے حضرت قاسم؟ ارشاد ہوا ابراہیم بھی نہیں اور یہ حضرت قاسم سے چھوٹے تھے۔“ وقاء الوقاج ص ۲ ص ۸۸۔

علامہ ابن عبد البر استیعاب جلد اول ص ۲۶۲ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حالت علامت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”فأفاق معاوية قال يا بنی انی صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم فخرج لحاجته فاتبعته باداوة فكساني احد ثوبيه الذي كان على جسده فحباؤه لهذا اليوم واخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم من اظفاره و شعره ذات يوم فاحذته و حباؤه لهذا اليوم فاذا انما مت فاجعل ذلك القميص دون كفتي مما يلي جلدي و خذ ذلك الشعر و الاظفار فاجعله في قمی و علی عینی و مواضع السجود منی فان نفع شيء فذاك و الا فان الله غفور رحيم“۔

”پس افاقہ پایا حضرت امیر معاویہ نے تو کہا اے میرے بیٹے! میں رسول اللہ کی خدمت میں رہا پس حضور فقائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تو میں حضور کے پیچھے پانی کا برتن لے کر چلا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تو مجھ کو اپنے دو کپڑوں میں سے جو بدن مبارک پر تھا، ایک عطا فرمایا تو اس کو میں نے آج کے دن لئے چھپا رکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن مبارک اور موئے مبارک ترشوا یا تو اس کو بھی میں نے لے لیا اور آج کے دن کے لئے چھپا رکھا ہے تو میں جب مر جاؤں تو اس قمیص کو میرے کفن کے نیچے بدن سے متصل رکھتا اور ناخن اور موئے مبارک کو میرے منہ اور میری آنکھوں اور سجدہ کی جگہوں پر رکھتا تو اگر کوئی چیز نفع بخش ہوگی تو یہ ہوگی، نہیں تو خداوند غفور رحیم ہے۔“

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۷۰۹ میں آیہ کریمہ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَخِيهِمْ إِنَّهُمْ لَا يَفْعَلُونَ شَيْئًا کی شان نزول میں تحریر فرماتے ہیں: ”عن ابن عباس رضي الله عنهما انه لما اشتكى عبد الله ابن ابي ابن سلول عاده رسول الله صلى الله عليه وسلم فطلب منه ان يصلي عليه اذ مات ويقوم على قبره ثم انه ارسل النبي الرسول عليه السلام يطلب منه قميصه ليكفن فيه فارسل اليه القميص فوقاني فردده و طلب الذي يلي جلده ليكفن فيه“۔

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی ابن سلول بیمار پڑا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عیادت کو تشریف لے گئے، اس نے حضور سے خواہش ظاہر کی کہ جب وہ مر جائے تو حضور اس کی جنازہ کی نماز پڑھیں اور اس کی قبر پر ٹھہریں پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قمیص کے لئے آدنی بھیجا تاکہ اسی قمیص میں کفنایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر والی قمیص بھیج دی اس نے واپس کر دی اور جو

قیص مبارک جسداقدس سے متصل ہے، کفن کے لئے اسے طلب کیا۔“

علامہ یعنی شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰ لسانوفی کے تحت میں عبداللہ بن ابی کے سوال میں بیمار ہونے، میں دن بیمار رہنے، ذیقعدہ ۹ھ میں اس کے مرنے کے ضمن میں حضور کا عیادت کے لئے تشریف لے جانا اور اس کو نصیحت کرنے کے واقعہ کو بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں: ”ثم قال يا رسول الله اليس هذا بحين عتاب هو الموت فيان مت فاحضر غسلی و اعطنی قميصك الذی یلی جسدك فکفنی فیہ وصل علی واستغفر لی ففعل ذلك به رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال الحاكم كان علی النبی صلى الله عليه وسلم قميصان فقال عبد الله واعطنی قميصك الذی یلی جسدك فاعطاه اياه۔“

”عبداللہ بن ابی نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ وقت مرنے کا ہے، عتاب کا وقت نہیں۔ جب میں مر جاؤں تو حضور میرے غسل کے وقت تشریف لائیں اور مجھ کو اپنی قیص مبارک جو جسداطہر سے متصل ہے، عنایت فرمائیں اور اسی میں مجھے کفنائیں اور میری جنازہ کی نماز پڑھیں اور میری مغفرت کی دعا کریں تو حضور نے ایسا کیا۔ حاکم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دو قیص پہنے ہوئے تھے تو عبداللہ نے کہا کہ مجھے وہ قیص مبارک عطا فرمائیں جو جسم شریف سے متصل ہے۔“

مقام غور ہے کہ عبداللہ بن ابی جیسا منافق اور نہ صرف منافق بلکہ رئیس المنافقین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قیص مبارک سے برکت چاہتا ہے اور اس میں کفنائے جانے کی آرزو کرتا، اس کو بعد موت وسیلہ اجر و مغفرت بتاتا ہے۔ حسرت و افسوس اس نام نہاد مسلمان پر ہے جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت و عظمت اور ان کے لباس مبارک و آثار شریفہ کی اہمیت و عزت اس منافق کے دل کے اتنی بھی نہ ہو رہی

شرم دار و کفر از اسلام او

یہ مانا اس کا قیص مبارک کفن کے لئے طلب کرنا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمانا، اس میں کفنا یا جانا اس کی نجات کا باعث نہ ہوا۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”ان قمیصی لا یغنی عنہ من اللہ شیئاً مگر یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اس کا یہ عقیدہ اور قیص مبارک طلب کرنا، حضور کا قیص مبارک پہنانا بالکل بے اثر رہا۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ اس کی برکت سے اس کی قوم سے ہزار آدمی کامل الایمان ہو گئے۔“

تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۷۰۹ میں ہے: ”وكان المشافقون لا یغارون عبد الله بن ابي فلما راوه يطلب هذا القميص ويرجو ان ينفعها اسلم منهم يومئذ الف۔“ ”منافقین کبھی عبداللہ بن ابی کو نہیں چھوڑتے تھے جب ان لوگوں نے دیکھا کہ وہ قیص مبارک طلب کرتا ہے، اس کے نفع کا امیدوار ہے تو ان لوگوں سے ہزار آدمی اسی

ون مسلمان ہو گئے۔“

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ فارسی جلد ۱ ص ۱۶۷ میں تحت حدیث ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں: ”در نجاست بلباس صالحین و آثار ایشان بعد از موت و رقبہ چنانکہ قبل موت نیز ہم چنین بودہ۔“

لمعات میں فرماتے ہیں: ”هذا الحديث اصل في الشبرك بآثار الصالحين ولباسهم كما بفعل بعض مریدی المشائخ من ليس اقمصتهم في القبر۔“ یہ حدیث آثار صالحین اور ان کی لباس سے برکت حاصل کرنے کی اصل ہے۔ جس طرح بعض مریدین مشائخ کی قمیصوں کو پہنا کر دفن کئے جاتے ہیں۔“

شیخ اسماعیل حقی تفسیر روح البیان جلد ۲ ص ۵۹۹ میں تحریر فرماتے ہیں: ”قال قس الأسرار المحمدية لو وضع شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم او عصاه او سوطه على قبر عاص لنتجا ذلك العاصي ببركات تلك الذخيرة من العذاب وان كان في دار انسان او بلدة لا يصب سكانها بلاء ببركته وان لم يشعروا به ومن هذا القبيل ماء زمزم والكفن الملبوس به و بطيخة استار الكعبة والتكفن بها وكتابة القرآن على القراطيس والوضع في ابدى الموتى۔“

”امیر محمد یہ میں ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک یا عصا شریف یا حضور کا کوڑا کسی گنہگار کی قبر پر رکھا جائے تو ان تیرکات کی برکت سے وہ عاصی عذاب سے نجات پائے اور اگر کسی آدمی کے گھر یا کسی شہر میں ہو تو وہاں کے رہنے والوں کو اس کی برکت سے کوئی مصیبت نہ پہنچے گی اگرچہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور اسی قسم سے آب زمزم اور اس میں ترکیا ہوا کفن ہے اور خانہ کعبہ کا غلاف شریف اور اس میں کفن دینا ہے اور قرآن شریف کو کاغذ پر لکھنا اور اس کو مردہ کے ہاتھوں پر دینا ہے۔“

چوتھا طریقہ: میت کے کفن پر کوئی آیت کلمہ طیبہ یا عہد نامہ یا کوئی دعا لکھنا

مصنف عبد الرزاق اور ان کے طریق سے عجم طبرانی پھر حلیہ ابو نعیم میں ہے: ”انجبر فامعمر عن عبد الله بن محمد بن عقيل ان فاطمة رضي الله عنها لما حضرتها الوفاة امرت عليا فوضع عليها غملا فاعتمسلت و نظهت ودعت بثياب اكفانها فلبستها ومست من الحنوط ثم امرت عليا ان لا تكشف اذا هي قبضت وان تدرج كما هي في اكفانها فقلت له هل علمت احدا فعل نحو ذلك قال نعم كثيرين عباس و كتب في اطراف اكفانه يشهد كثيرين عباس ان لا اله الا الله۔“

”حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے وصال کا وقت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ان کے نہانے کے

لئے پانی رکھیں پس نہائیں اور کفن منگوا کر پہنا اور حنوط لگایا پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کہا کہ میرے انتقال کے بعد کوئی مجھے نہ کھولے اور اسی کفن میں دفن کر دی جائے۔ میں نے پوچھا کہ کسی نے بھی ایسا کیا؟ کہا ہاں! کثیر بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اور انہوں نے اپنے کفن کے کناروں پر لکھا تھا: کثیر بن عباس گواہی دیتا ہے لا الہ الا اللہ۔

امام ترمذی معاصر امام بخاری نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”من کتب هذا الدعاء وجعله بين صدر الميت وكفنه في رقعة لم ينله عذاب القبر ولا يرى متکبرا او نکبرا او هو هذا“۔ جو شخص یہ دعا کسی پرچہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھے اسے عذاب قبر نہ ہو اور نہ متکبر کی نظر آئے اور وہ دعا یہ ہے: لا الہ الا اللہ واللہ اکبر لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له لا الہ الا اللہ له الملك وله الحمد لا الہ الا اللہ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔“

یہی حکیم ترمذی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھے: ”اللهم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشهادة الرحمن الرحیم انی اعهد البک فی هذه الحیاة الدنیا بانک انت اللہ لا الہ الا انت وحده لا شریک لك وان محمد عبدک ورسولک فلا تکلمنی الی نفسی فانک ان تکلمنی الی نفسی تقرانی من السوء تباعدنی من الخیر وانی لانتق الابرار فاجعل رحمتک لی عهد عندک تؤدیہ الی یوم القيمة انک لاتخلف المعیاد“۔ ”قرشتہ اسے لکھ کر مہر لگا کر قیامت کے لئے اٹھا رہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس بندہ کو قبر سے اٹھائے، قرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاں ہیں؟ انہیں وہ عہد نامہ دیدیا جائے۔“

امام نے اسے روایت کر کے فرمایا: ”و عن طاؤس انه امر بهذه الكلمات فکتبت فی کفنه“۔ ”امام طاؤس کی وصیت سے یہ عہد نامہ ان کے کفن میں لکھا گیا“۔ امام فقیہ بن عقیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا: ”اذا کتب هذا الدعاء وجعل مع الميت فی قبره وقاه الله فتنة القبر وعذاب“۔ ”جب یہ دعا لکھ کر میت کی قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالیٰ اسے سوال تکبیرین و عذاب قبر سے امان دیدے گا“۔“

در مختار ص ۱۲۶ میں ہے: ”کتب علی جبهة الميت او عمامته او کفنه عهد نامه یرحی ان یغفر الله للمیت اوصی بعضهم ان یکتب فی حیثه و صدره بسم الله الرحمن الرحیم ففعل ثم رقی فی“۔ ”نام فاعل فقال لما وضعت فی القبر جاء تنی ملثمة العذاب فلما راوا مکتوبا علی جبهتی بسم الله الرحمن الرحیم قالوا انت من عذاب الله“۔

”مروے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے بخشش کی امید ہے۔ کسی صاحب نے

وصیت کی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دیں، لکھ دی گئی پھر خواب میں نظر آئے۔ حال پوچھنے پر فرمایا جب میں قبر میں رکھا گیا، عذاب کے فرشتے آئے۔ جب میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا دیکھا، کہا تجھے عذاب الہی سے امان ہے۔“

علامہ سید احمد طحاوی حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں: ”قوله كتب علی جبهة الميت اخذ من ذلك جواز الكتابة ولو بالقرآن ولم يعتبروا كون ماله إلى التنجيس بما يسيل من الميت“۔ ”مصنف کے اس قول سے لکھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، اگرچہ قرآن شریف کی آیت ہی ہو اور اس کے مال کا کوئی اعتبار نہ کیا گیا کہ اس لکھے ہوئے مردہ کے بدن سے ریم یا خون بہہ کر نجس کر دے گا۔“

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ بنام تاریخ مسیحی ”الحرف الحسن فی الكتابة علی الکفن“ تحریر فرمایا۔ یہ روایتیں اسی رسالہ سے ماخوذ ہیں۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدر کہتا ہے کہ یہ حدیثیں اور نصوص علمائے کرام اس معمول بد کی اصل ہیں کہ مریدوں کے قبر میں مشائخ کرام کا شجرہ رکھتے ہیں کہ الاسم عین المسمیٰ کما صرح بہ فی کتب العقائد اور ظاہر ہے کہ نام کی مسمیٰ پر دلالت تراشنا ناخن کی دلالت سے افزوں ہے تو خالی اسماء ہی ایک ذریعہ تہرک و توسل ہوتے نہ کہ اسلامی سلاسل علیہ عالیہ کہ اسناد اتصال یہ محبوب ذی الجلال و بہ حضرت عزت و جلال ہیں اور اللہ اور محبوب و اولیاء کے سلسلہ کرم کرامت میں منسلک ہونے کی سند تو شجرہ طیبہ سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ توسل چاہئے۔

اس جگہ ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ اس میں بزرگان دین کے ناموں کی اہانت ہے، اس لئے کہ مردے کے بدن سے خون پیپ وغیرہ سے تلوٹ کا اندیشہ ہے۔ مگر اندیشہ وہم موجب ممانعت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کے چوپایوں پر باوجود احتمال تلوٹ جیسے فی سبیل اللہ لکھوایا تھا۔ علاوہ بریں تلوٹ بہ نجاست کا احتمال بھی مطرد نہیں، اس لئے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ دس شخصوں کے بدن قبر میں سلامت رہتے ہیں: انبیاء، اولیاء، علمائے دین، شہداء، حفاظ، مؤذن کہ للہ اذان کہا کرتا ہو، سرحد اسلام پر حفاظت بلا واسطہ کے لئے قیام رکھنے والا، جو طاعون سے صابر و محتسب مرے، ذکر الہی بکثرت کرنے والا، بے گناہ بندہ تو اگر وہ شخص جس کی قبر میں شجرہ رکھتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک ہے جب تو عدم تلوٹ ظاہر و نہ ممکن کہ شجرہ شریفہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ یہ عزت اسے عنایت فرمائے پھر بھی شجرہ کے لئے کچھ ضرور نہیں کہ کفن ہی میں رکھیں بلکہ قبر میں قبلہ کی طرف خواہ سر ہانے طاق بنا کر رکھیں۔

جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ”شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگاں ست لیکن ایں را دو طریق ست۔ اول اینکه بر سینہ مردہ درون کفن یا بالائے کفن گزارند و ایں طریق را فقہا منع می کنند و می گویند کہ از بدن مردہ خون و ریح سیلان می کند و موجب سوئے ادب پائمانے بزرگاں می شود۔ طریق دوم ایں ست کہ جانب سر مردہ اندرون قبر طاقیہ بگزارند و در اں کا قد شجرہ را نہند۔“

پانچواں طریقہ: جنازہ کو دیکھ کر تعریف کرنا اور میت کی خوبیوں کو بیان کرنا

”عن انس قال مروا صاحبزادہ فائتوا علیہا خیر افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم و حبت ثم مروا باخری فائتوا علیہا شر افعال و حبت فقال عمر ماؤ حبت فقال هذا اثنتین علیہ خیر افو حبت له الجنة و هذا اثنتین علیہ شر افو حبت له النار انتم شهداء اللہ فی الارض“ (رواہ البخاری و مسلم و الترمذی و التستالی و ابن ماجہ و ابو داؤد الطبرانی ص ۲۶۵)۔

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی: ایک جنازہ لے کر لوگ گزرے۔ صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی، پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے۔ لوگوں نے برائی بیان کی حضور نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! کیا واجب ہوگئی؟ ارشاد ہوا پہلے جنازہ والے کی تم لوگوں نے تعریف کی تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور دوسرے کی تم لوگوں نے برائی کی تو اس کے لئے جہنم کی آگ واجب ہوئی تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ و النعم من قال۔“

بھلا کہے جسے خلقت اسے بھلا سمجھو

زبان خلق کو شکار خدا سمجھو

”و عن ابی الاسود قال قدمت المبدیة فجلست الى عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فمررت بهم جنازة فائتوا علی صاحبہا خیر افعال عمر رضی اللہ عنہ و حبت ثم مروا باخری فائتوا علی صاحبہا خیر افعال عمر و حبت ثم بالثالثة فائتوا علی صاحبہا شر افعال عمر و حبت فقال ابو الاسود فقلت و ما و حبت یا امیر المؤمنین! قال قلت کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایما مسلم شہد له اربعة بحیر ارحله اللہ الجنة قلنا و ثلثة قال و ثلثة قلنا و ثلثة قال و انما سمعنا من سئل عن واحد۔“ (رواہ البخاری و التستالی)

”ابو الاسود کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں پہنچا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک جنازہ گزرا۔ لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واجب ہوگیا، پھر دوسرا جنازہ گزرا لوگوں

نے اس کی بھی تعریف کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واجب ہوگئی پھر تیسرا جنازہ گذرا لوگوں نے برائی کی۔ حضرت عمر نے کہا واجب ہوگئی۔ ابو الاسود کہتے ہیں، میں نے کہا: کیا واجب ہوگئی یا امیر المؤمنین! فرمایا میں وہ بات کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے لئے چار مسلمان اچھے ہونے کی گواہی دیں اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ ہم نے کہا اور تین شخص؟ ارشاد ہوا تین آدمی؟ پھر ہم لوگوں نے کہا کہ اور دو آدمی ارشاد ہوا کہ اور دو آدمی پھر ہم نے ایک آدمی کے بارے میں نہیں پوچھا۔“

”وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْوِيهِ عَنْ رِبِّهِ عَزَّوَجَلَّ مَأْمُونٌ عَبْدُ مُسْلِمٍ بِمَوْتٍ فَيُشْهِدُ لَهُ ثَلَاثَةَ آيَاتٍ مِنْ حَبِيرَانِهِ الْإِثْنَيْنِ بِخَيْرِ الْأَقَالِ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ قَدْ قَبِلَتْ شَهَادَةَ عِبَادِي عَلَى مَا عَلِمُوا وَغُفِرَتْ لَهُمْ مَا أَعْلَمَ“ (رواه الامام احمد وروى ابو يعلى وابن حبان في صحيحه - ولفظهما اربعة اهل آيات من حيرانه)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رب اعزت جل جلالہ سے کہ جب کوئی مسلمان بندہ مرے اور اس کے لئے تین قریب گھر والے پڑوسی بھلائی کی گواہی دیں تو اللہ عز وجل فرمائے گا کہ میں نے اپنے بندوں کی گواہی اس بارے میں جو ان کے علم میں ہے، قبول کی اور جو خطا تصور اس کا میں جانتا ہوں، اس کو بخش دیا۔ ابو یعلیٰ اور ابن حبان نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں تین گھر کی جگہ چار گھر کا لفظ ہے۔“

چھٹا طریقہ: نماز جنازہ اور کثرت مصلیان کا فائدہ

نماز جنازہ پڑھنا ہے اور کثیر مصلیان مرغوب و مطلوب ہے۔ اس لئے کہ ہر نمازی اس میت کا سفارش ہے اور کثرت سفارش اہمیت کی دلیل ہے۔

”عَنْ كَرِيبَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ مَنْ أَتَاهُ مَاتٌ لَهُ ابْنٌ يَتِيمٌ أَوْ يَتِيمَتَانِ فَقَالَ يَا كَرِيبُ انْظُرْ مَا اجْتَمَعَ لَهُ مِنَ النَّاسِ قَالَ قَبَّرَ حَتَّى قَامَ أَتَانَسَ قَدْ اجْتَمَعُوا إِلَيْهِ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ يَقُولُ هُمُ أَرْبَعُونَ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَخْبَرْتُهُ قَاتَنِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَأْمُونٌ رَجُلٌ مُسْلِمٌ يَمُوتُ فَيَقُومُ عَلَيْهِ جَنَازَتُهُ أَرْبَعُونَ رَجُلًا لَا يَشْرِكُونَ بِاللَّهِ شَيْئًا إِلَّا شَقَّعَهُمُ اللَّهُ فِيهِ“ (رواه الامام احمد مسلم وابو داؤد ابن ماجة)

”حضرت کریب سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے کا انتقال مقام قدید یا عسفان میں ہوا تو آپ نے فرمایا دیکھو کتنے آدمی جمع ہوئے ہیں؟ کریب کہتے ہیں کہ میں نکلا دیکھا کہ لوگ جمع

ہیں۔ میں نے ان کو خبر دی۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے پوچھا کہ چالیس آدمی ہوں گے؟ کریب نے کہا ہاں! ابن عباس نے کہا کہ اب میت کو باہر لاؤ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے ہیں کہ جو مرد مسلمان انتقال کرے اور اس کی جنازہ کی نماز ایسے چالیس آدمی پڑھیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی شفاعت اس میت کے حق میں قبول فرمائے گا۔“

”و عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من میت یصلی علیہ امة من المسلمین یبلغون مائة کلہم یشفعون الا شفعو فیہ“ (رواہ مسلم ص ۳۰۸ و الترمذی) و قال حدیث حسن صحیح و رواہ النسائی و لفظہ مائة فما فوقہا“ جس مسلمان میت کی نماز جنازہ میں ایک جماعت مسلمانوں کی پڑھے جس کی تعداد ۱۰۰ تک پہنچی ہو اور وہ سب اس کی شفاعت کریں تو ان لوگوں کی شفاعت اس میت کے حق میں قبول ہوگی۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ سو یا زیادہ آدمی اس کی سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔“

”و عن مالک بن حیرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من میت یموت یصلی علیہ ثلاثہ صفوف من المسلمین الا اوجب قال فکان مالک اذا استقل اهل الجنازة حراہم ثلثة صفوف للحدیث (رواہ ابو داؤد جلد ۲ ص ۹۵ و رواہ الترمذی و حسنہ و صححہ الحاکم و فی رواية له الا غفر له)۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مردہ کی نماز جنازہ مسلمانوں کی تین صفیں پڑھیں، اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ کہتے ہیں کہ جب جنازہ میں شریک ہونے والے افراد جمع ہو جاتے تو مالک ابن حیرہ اس حدیث کی وجہ سے انہیں تین صفوں میں تقسیم کر دیتے۔“

ساتواں طریقہ: مقدس جگہ اور صالحین کی پڑوس میں دفن کرنا

”عن ابی ہریرة قال ارسل ملک الموت الی موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام فلما جاءہ صکک فرجع الی ربہ، فقال ارسلنی الی عبد لا یرید الموت فرد اللہ عینہ فقال ارجع فقل لہ یضع یدہ علی من ثور فلہ بكل ما غطت یدہ بكل شعرة سنة قال ای رب ثم ماذا؟ قال ثم الموت قال قالان فقال اللہ تعالیٰ ان یدفینہ من الارض المقدسة رمية بحجر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلو کنت ثم لا یرحمکم فیہ الی جانب الطور عند الکثیر الاحمر“ (رواہ البخاری و مسلم و النسائی)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جب کے پاس بھیجے گئے تو جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے، انہوں نے ایک طمانچہ مارا جس سے ایک آنکھ جاتی رہی۔ پس خدا

دند عالم کے پاس واپس گئے اور کہا کہ خداوند اتنے مجھ کو ایسے بندہ کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ ان کو واپس دی اور فرمایا کہ جاؤ اور موسیٰ سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کے پیٹھ پر رکھیں۔ ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال عمران کو اور وہی جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اس کے بعد پھر کیا ہوگا؟ فرمایا موت۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو پھر ابھی! پھر اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ مجھ کو بیت المقدس کے قریب کر دے ایک پتھر پھینکنے کے فاصلے پر۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو ضرور تمہیں ان کی قبر دکھا دیتا طور کے پاس سرخ ٹیلے کے نزدیک۔“

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۱۶۵ میں فرماتے ہیں: ”اذ سأل الله تعالى الدفن من بيت المقدس ليدفن فيه دنوا لورمي رمي الحجر من ذلك الموضع الذي هو الآن موضع قبره لو صل الي بيت المقدس و استأشال ذلك لفضل من دفن في الارض المقدسة من الانبياء و الصالحين فاستجب محاور تهم في السمات كما في الحيوة ولان الناس يقصدون المواضع الفاضلة و يزورون قبور هاو يدعون لاهلها“۔

”خداوند عالم سے سوال کیا بیت المقدس کی نزدیکی کا تاکہ وہاں دفن ہوں اس قدر نزدیک کہ اگر کوئی پتھر پھینکنے والا اس جگہ سے، جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر کی جگہ ہے، پتھر پھینکنے تو ضرور وہ پتھر بیت المقدس تک پہنچے اور یہ سوال اسی لئے کیا کہ جو لوگ انبیاء و صالحین سے بیت المقدس میں دفن ہیں، ان کی بزرگی کے سبب ان کی مجاورت کو بعد موت پسند کیا، جس طرح اچھے لوگوں کی مجاورت زندگی میں پسند کرتے ہیں اور اس لئے کہ لوگ متبرک مقامات کا قصد کرتے ہیں اور وہاں کی قبور کی زیارت کرتے ہیں اور قبر والوں کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔“

اسی میں ہے: ”وفيه استحب الدفن في المواضع الفاضلة والقرب من مدافن الصالحين“۔ ”اس حدیث سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے کہ متبرک مواضع میں دفن کرنا مستحب ہے اور مدفن صالحین کی نزدیکی بہتر ہے۔“

”عن عمر بن ميمون الازدي قال رايت عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال يا عبيد الله! اذهب الي ام المومنين عائشة رضي الله عنها فقل يقرء عمر بن الخطاب عليك السلام، سئلتها ان ادفن مع صاحبتي قالت اريد نفسي فلا وثرنه اليوم على نفسي فلما اقبل قال له مالديك؟ قال اذنت لك يا امير المومنين! قال ما كان شئ اهم الي من ذلك المضجع“۔

”عمر بن ميمون ازدي سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو، انہوں نے اپنے

صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمر کو فرمایا کہ تم ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں جاؤ اور سوال کرو کہ میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جاؤں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کہ میں نے اس جگہ کو اپنے لئے رکھا تھا لیکن اب میں ترجیح دیتی ہوں حضرت عمر کو اپنے نفس پر۔ پس جب حضرت عبداللہ بن عمر واپس آئے، امیر المومنین نے پوچھا کیا خبر ہے؟ عرض کی حضرت عائشہ نے اجازت دیدی۔ فرمایا کوئی چیز مجھے اس جگہ دفن ہونے سے زیادہ اہم نہ تھی۔

علامہ یحییٰ شریح بخاری جلد ۳ ص ۲۵۵ میں فرماتے ہیں: ”فیہ السحر من علی معاویۃ الصالحین فی القبور فلم یحافی احیاء الرحمة اذا نزلت علیہم و فی دعاء من یزور ہم من اجل الخیر۔“ اس حدیث میں اچھے لوگوں کے جوار میں دفن ہونے پر حرص ہے کہ جب ان پر رحمت نازل ہو تو صاحب قبر کو بھی پہنچے اور جو اہل خیر ان لوگوں کی قبر کی زیارت کریں وہ اس صاحب قبر کے لئے بھی دعا کریں۔

علامہ قاری رحمۃ اللہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۵۷۳ حدیث ردو الغللی الیٰ مضاعفہم کے تحت اس بحث میں کہ مردہ کو ایک شہر سے منتقل کر کے دوسرے شہر میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں، لکھتے ہیں: ”قال صاحب الہدایۃ و ذکر ان من مات فی بلدۃ یکرہ نقلہ الیٰ اخری لانه استغال بعا لا یقید بعا فیہ تاحیر دفعہ و کفیٰ بملک کمرہاۃ قلت فاذا کان یموت علیہ فائدۃ من نقلہ الیٰ احد الحرمین او الیٰ قریب احد من الانبیاء والاولیاء اولیٰ بمرورہ اقدارہ من ذلک البلد وغیرہ ذلک فلا یمکر اھل الامانہ علیہ من شہداء احد او من فی معانہم من مطلق الشہداء۔“

”صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی شہر میں انتقال کرے، اس کو دوسرے شہر میں دفن کے لئے لے جانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ غیر مفید کام میں مشغول ہونا اور اس میں تاخیر دفن بھی ہے جو کراہت کے لئے کافی ہے۔ میں کہتا ہوں تو جب اس پر کوئی فائدہ مرتب ہو جیسے احد الحرمین لے جانا یا کسی نبی یا ولی کے مزار کے پاس دفن کرنا یا تاکہ اس شہر کے اس کے عزیز و قریب اس کی زیارت کیا کریں وغیرہ ذلک تو نقل میں کراہت نہیں۔ ہاں! جہاں ممانعت منصوص ہو جیسے شہداء احد یا دیگر شہداء کے کرام تو ان کو نقل کرنا البتہ مکروہ ہوگا۔“

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں تحریر فرماتے ہیں: ”واخرج ابو نعیم عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادقنوا موتکم و سط قوم صالحین فان الصیث یتا ذی یسحر السموی۔“ راوی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مردوں کو اچھے لوگوں کے درمیان دفن کرو۔ اس لئے کہ مردے بڑے پڑوسی سے اذیت پاتے ہیں۔“

اسی میں ہے: ”واخرج ابن عساکر عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا مات احدكم الميت فاحسنوا كفته وعجلوا انجال وصيته واعملوا له من قبور حنوبه جار الصوء قبل يا رسول الله وهل ينفع العجل الصالح في الآخرة قال هل تنفع في الدنيا قال نعم قال كذلك تنفع في الآخرة“
 ”ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی انتقال کرے تو اس کا کفن اچھا دو اور اس کی وصیت کو جاری کرنے میں جلدی کرو اور اس کی قبر گہری کھودو اور اسے بڑے پڑوسی سے بچاؤ۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا اچھا پڑوسی آخرت میں کچھ نفع پہونچاتا ہے؟ ارشاد ہوا کہ دنیا میں نفع پہونچاتا ہے؟ کہا ہاں! فرمایا اسی طرح آخرت میں بھی فائدہ پہونچاتا ہے۔“

”واخرج ابن ابي الدنيا عن عبد الله بن نافع المزني قال مات رجل بالمدينة فدفن ببيتا فراء رجل كانه من اهل النار فاعتم لذلك ثم اريه بعد سابعة وثلاثة كانه من اهل الجنة فساله قال دفن معنا رجل من الصالحين فشق في اربعين من حبرائه فكنت فيهم“۔

”ابن ابی الدنیا نے عبداللہ بن نافع مزنی سے روایت کیا کہ ایک آدمی مدینہ طیبہ میں مراپس وہیں دفن کیا گیا۔ کسی شخص نے اس کو خواب میں دیکھا کہ گویا وہ دوزخی ہے پھر سات آٹھ رات کے بعد دکھایا گیا کہ وہ اہل جنت ہے۔ پس اس شخص نے پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ ایک شخص صالحین سے ہمارے ساتھ دفن کیا گیا، اپنے پڑوسیوں سے چالیس آدمیوں کی شفاعت کی تو میں بھی انہیں چالیس سے ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میت صالح کے جوار کی برکت سے مجھے جنتی بنایا۔“

آٹھواں طریقہ: جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں

جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں اور کوئی دعا اور قرآن شریف کی کوئی سورہ یا آیت پڑھیں اس کے بعد مردہ کو دفن کریں۔

طبرانی معجم کبیر و اوسط میں اور ابن حبان و حاکم باقادو صحیح انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے راوی: ”قَالَ لَمَّا مَاتَ قَاطِمَةُ بِنْتُ اَسَدٍ دَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَسَ عَنْهُ اَسْمَاءُ فَقَالَ رَحِمَكَ اللَّهُ يَا أُمِّي بَعْدَ أُمِّي وَذَكَرَ ثَنَاءً عَلَيْهَا وَتَكْفِئُهَا بِيرْدَهُ ثُمَّ قَالَ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْمَاءَ بِنْتُ زَيْدٍ وَابَا يُوْبَ الْاَنْصَارِيِّ وَعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَغُلَامًا اسود يحفرون فحفر وافرعا فلما بلغوا اللحد حفره رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده واخرج تراه بيده فلما فرغ دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم فاضطجع فيه ثم قال الله الذي يحيى ويميت وهو حي لا يموت اعقبوا لامي

فاطمۃ بنت اسد ووسع علیہا مدخلہا بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی فانک ارحم الرحمین۔
 ”جب حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور
 سرہانے بیٹھے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اسے مری والدہ کے انتقال کے بعد میری ماں! راوی حدیث حضرت
 انس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی اچھی تعریف کرنا اور اپنے چادر مبارک میں ان کو کھٹانا بیان کر کے پھر کہا
 کہ حضور نے اسامہ بن زید، ابویوب انصاری، حضرت عمر بن الخطاب اور ایک سیاہ غلام کو بلایا کہ یہ لوگ قبر کھودتے
 تھے۔ ان لوگوں نے حضرت فاطمہ بنت اسد کی قبر کھودی۔ جب لحد تک پہنچے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ
 نفس نفیس اپنے دست مبارک سے قبر کھودی اور قبر کی مٹی نکالی۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علی
 وسلم قبر میں لیٹے اور یہ دعا پڑھی: اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ وہ زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا۔ خداوند! میری
 ماں حضرت فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کشادہ کر اپنے نبی اور تمام انبیاء کی برکت سے جو میرے قبل
 ہوئے، تو ارحم الراحمین ہے۔“

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۸۹ میں ہے: ”وفی رواية علی بن ابی طالب فلما فرغ منه نزل فاضطجع فی
 اللحد وقرأ فیہ القرآن۔“ ”جب قبر تیار ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قبر میں اترے اور اس میں قرآن
 شریف پڑھا۔“

”واخرج ابن شیبۃ عن جابر رضی اللہ عنہ قال بینما نحن جلوس مع رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم اذا تاه آت فقال یا رسول اللہ ام علی وحقیر و عقیل قد ماتت فقال رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم قوموا الی امی فقمنا وکان علی رؤس من معه الطیر فلما انتہینا الی الباب نزع
 قمیصہ فقال اذا غسلتموها فاشعروها یاہ تحت اکتفا تھا فلما خرجوا بیہا جعل رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم مرة یحمل و مرة یتقدم و مرة یتأخر حتی انتہینا الی القبر فتعمکت فی اللحد ثم
 خرج فقال ادخلوها باسم اللہ وعلی اسم اللہ فلما ان دفنہا قام قائما فقال جزاک اللہ من ام وور
 بیۃ خیرا فتعم الام و نعم الریبة کنت لی قال قلنا لہ اوقیل لہ یا رسول اللہ! لقد صنعت شیئین
 مارأینا صنعت مثلہما قط قال و ما هو قلنا نزعک قمیصک و نتمعک فی اللحد قال اما قمیصی فارید ان
 لا یمسہا النار ابدا ان شاء اللہ تعالیٰ و اما تمعک فی اللحد فارید ان یوسع اللہ علیہا قبرہا۔“

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا
 اور کہا کہ یا رسول اللہ! علی، جعفر، عقیل کی ماں نے انتقال کیا۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو میری ماں کی تعزیت کرو

تکفین کے لئے تو ہم لوگ کھڑے ہو گئے اور جو لوگ حضور کے ساتھ چلے سب نموش با ادب تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ جب ہم لوگ دروازہ پر پہنچے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیض مبارک اتار کر عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب تم لوگ غسل دے چکو تو اس کو بدن سے متصل کفن کے نیچے رکھنا پس جنازہ لے چلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنازہ اٹھاتے، کبھی آگے آگے چلتے اور کبھی جنازہ کے پیچھے چلتے، یہاں تک کہ ہم لوگ قبر تک پہنچے پس حضور قبر میں لیٹے پھر باہر تشریف لائے پھر فرمایا خدا آپ کو بہتر جزا دے اے میری ماں اور پرورش کرنے والی! کیا اچھی آپ میری ماں اور پرورش کرنے والی تھیں! پس ہم لوگوں نے عرض کیا، حضور! آپ نے دو باتیں ایسی کیں جو کبھی نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کہ وہ کون کون باتیں ہیں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا ایک تو قمیض مبارک کا اتار کر کفن کے لئے دینا اور دوسری بات قبر میں لیٹنا۔ ارشاد ہوا کہ قمیض اتار کر اس لئے دی کہ اس کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ آگ ان کو کبھی نہ چھوئے گی اور قبر میں اس لئے لیٹا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر وسیع و فراخ کر دے۔ (وفا الوفا ص ۸۸ جلد ۲)۔

نواں طریقہ: قبر پر پانی چھڑکنا

”عن جابر قال ورش قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان الذی رش الماء علی قبرہ ہلال بن رباح بقریۃ یدامن قبل راسہ حتی انتہی الی رجلہ رواہ البیہقی فی دلائل النبوة“۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا اور جس نے قبر مبارک پر پانی چھڑکا وہ ہلال بن رباح ہیں، مشک سے پانی چھڑکا۔ سر ہانے کی طرف سے شروع کیا اور پانی کی طرف ختم کیا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۳۹) ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد دوم ص ۲۷۸ میں تحریر فرماتے ہیں: ”قال الطیبی لعل ذلک اشارۃ الی استئصال الرحمة الالہیۃ و العواطف الربانیۃ کما ورد فی الدعاء اللہم اغسل خطایاہ بالماء و الثلج و البرد و قالوا سقی اللہ تراہ و برد مضجعه او الی الدعاء بالطراوة و عدم الدروس قال میرک و لعل الحکمة فیہ ان القبرا دارش بالماء کما اکثر بقاء و ابعد من التناثر والا ندارس قلت ہذا امر ظاہر حمی لا یحتاج الی نقل و هو ما خوذ من العبارة امام ذکرہ الطیبی من الامارة فہو فی غاية اللطافة و نہایۃ الشرافۃ و نظیرہ ان احدا من المریدین بنی بیتا ثم ضیف شیخہ فقال لہ الشیخ لا تنی شتی فتحت الطاقة قال لدخول الهواء وشمول الصباء فقال ہذا امر ظاہر حاصل لا محالۃ لکن کان ینبغی ان تقصد بالاصالة سماع الاذان ویکون الباقي تیعالہ“۔

”علامہ طیبی نے فرمایا کہ پانی چھڑکنا رحمت الہیہ و عواطف ربانیہ کے نزول کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ دعا میں وارد ہے ”خداوند! وجود اس کے گناہوں کو پانی، برف اور ازلے سے اور لوگ دعا کے وقت کہا کرتے ہیں

سقی اللہ ثراہ وبرد مضجعه یا تراوٹ اور نہ مٹنے کی وعاطرف اشارہ ہے۔ علامہ میرک کہتے ہیں کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ قبر پر جب پانی چھڑک دیا جاتا ہے تو اس کی بقا زیادہ ہو جاتی ہے اور انتشار اور مٹنے سے دور ہو جاتی ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں یہ تو ظاہر اور محسوس ہے، اس کی نقل کی ضرورت نہیں اور یہ تو عبارت ہی سے ظاہر ہے اور علامہ طہی نے جو اشارہ ذکر کیا، وہ غایت لطیف اور بہت ہی خوب ہے۔ اس کی مثال وہ واقعہ ہے کہ کسی مرید نے ایک گھر بنایا اور اپنے شیخ کی دعوت کی۔ شیخ نے پوچھا اس میں روشندان کس لئے رکھا ہے، مرید نے کہا کہ ہوا اور روشنی کے لئے۔ شیخ نے کہا یہ تو ظاہر ہے، یقیناً ہونا ہی ہے لیکن مناسب یہ تھا کہ اصل مقصد اذان کی آواز آنا ہوتا، باقی ہوا اور روشنی بالتبع مراد ہوتی، و نعم من قال۔

سرمہ کہ برائے نور چشم ست
زیبا کس چشم اطفال ست

”و عن ابی رافع قال سئل رسول اللہ علیہ وسلم بعد اورش علی قبرہ ماء“ (رواہ ابن مساحہ)۔ ”ابن ماجہ حضرت ابو رافع سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی ضرورت یا بیان جواز کے لئے حضرت سعد لوسرہانے کی طرف سے قبر میں داخل کیا اور ان کے قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا۔“

”و عن جعفر بن محمد عن ابیہ مرسلان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی علی العیت ثلاث حقیقات بیدہ حمیما وانہ رش علی قبر ابنہ ابراہیم ووضع علیہ حصباء (رواہ فی شرح السنۃ وروی الشافعی من قولہ رش)۔“ ”علامہ بغوی شرح السنۃ میں امام جعفر صادق سے وہ اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے مرسل راوی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر دونوں ہاتھوں سے تین لپ مٹی ڈالی اور اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر سنگریزے رکھے۔ اس حدیث کو امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا مگر صرف ورش سے۔“ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۸)

مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۷۷ میں ہے: ”قال ابن الملک ولبس حیت لا مطر رش القبر بماء بارد طاهر مطہور تغاوا لابان اللہ یرد مضجعه“۔ ”ابن مالک نے کہا کہ جب بارش نہ ہو تو قبر پر ٹھنڈا طاهر مطہر پانی چھڑکنا مستحسن ہے، اس بات کی تقاضا کے لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی خواہش کا ٹھنڈی کرے۔“

اسی میں ہے ص ۳۷۸: ”وروی البزازانہ امر بالرش فی قبر عثمان بن مظعون“۔ ”بزاز نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا۔“

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی لمعات حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۳۹ میں تحت حدیث جابر رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: ”وذلك لمصلحة رآها اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم والعلة في رش قبر غير

ہ صلی اللہ علیہ وسلم التفاؤل باستئصال الرحمة و غسل الخطايا و تطهير الذنوب و علل ايضا بان
بمسك تراب القبر عن الانتشار و يمنع عن الدروس۔ ”صحابہ کرام نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر
مبارک پر پانی چھڑکا، وہ کسی مصلحت کی وجہ سے ہوا جو ان لوگوں نے سمجھا ہو۔ رہا حضور کے سوا اوروں کی قبر پر پانی
چھڑکنے کی علت تو نزول رحمت اور خطا دھلنے، گناہوں سے پاک صاف ہونے کی نیک قال ہے اور قبر کی مٹی کو منتشر
ہونے سے بچانا اور قبر کو مٹنے سے محفوظ رکھنا بھی اس کی علت بیان کی گئی ہے۔“

علامہ شامی روایتی جلد ۱ ص ۸۳۸ میں تحریر فرماتے ہیں: ”قول ولا یاس برش السماء علیہ بل یتبعی ان
یسند لافہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلہ بقبر سعد کما رواہ ابن ماجہ وبقبر ولده ابراهیم کما رواہ
ابوداؤد فی مراسیلہ و امریہ فی قبر عثمان بن مظعون کما رواہ البیہقی۔“ ”قبر پر پانی چھڑکنا مندوب ہے۔ اس
لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کی قبر پر پانی چھڑکا جیسا کہ ابن ماجہ میں ہے اور ایسے صاحبزادہ حضرت
ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر جیسا کہ مراسیل ابوداؤد میں ہے اور حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا جیسا کہ
بزار کی روایت میں ہے۔“

دسواں طریقہ: بعد دفن میت کو تلقین کرنا

اتحاد السادة المتقين جلد ۱ ص ۳۶۸ میں ہے: ”قال سعید بن عبد اللہ الاودی شہدت امامۃ
الساہلی و هو فی النزاع فقال یا سعید! اذا مت فاصنعوا بی کما امرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فقال اذا مات احدکم فسریتہ علیہ التراب فلیقم احدکم علی راس قبرہ ثم یقول یا فلان بن فلانہ
فانہ یسمع ولا یحیی ثم لیقل یا فلان بن فلانہ الثانیۃ فانہ یمسح راس قاعدہ ثم لیقل یا فلان بن فلانہ
الثالثۃ فانہ یقول ارشدنا یرحمک اللہ والکن لا تسمعون فیکون لہ اذکر ما خرجت علیہ من الدنیا
شہادۃ ان لا الہ الا الہ وان محمدا رسول اللہ وانک رضیت باللہ ربنا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی
اللہ علیہ وسلم نبیا و بالقرآن اماما فان منکر او تکبیر ایاخر کل واحد منهما فیکون الطلق بنا مقعد
تاعند ہذا و قد تلقین حجتہ و یكون اللہ عز و جل حبیحہ دونہما فقال رجل یا رسول اللہ افان لم
یعرف اسم امہ قال فلینبہ الی حواء۔“

”سعید بن عبد اللہ اودی کہتے ہیں کہ میں ابو امامہ بابلی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا جس وقت وہ حالت نزاع میں
تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے سعید! میں جب مر جاؤں تو میرے ساتھ وہ کام کرو جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم
دیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی مرے اور تم بعد دفن اس پر مٹی برابر کر چکو تو ایک آدمی اس کی قبر کے سر ہاتھ کھڑا ہوا اور

کہے اے فلاں بن فلاں تو وہ سنے گا مگر جواب نہ دے گا پھر دوسری مرتبہ کہے اے فلاں بن فلاں اس کو سن کر وہ بیٹھ جائے گا پھر تیسری مرتبہ کہے اے فلاں بن فلاں تب وہ کہے گا کہہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، لیکن اس کہنے کو تم نہ سنو گے۔ تب وہ شخص کہے یاد کرو اس عقیدہ کو جس پر تم دنیا سے نکلے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور تو راضی ہے اس بات پر کہ خدا تیرا رب ہے، اسلام تیرا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور قرآن شریف تیرا پیشوا ہے۔ یہ سن کر مگر تکبر دونوں پیچھے ہٹیں گے اور ایک دوسرے سے کہے گا کہ چلو کیا نہیں اس کے پاس جس کو حجت تلقین کی گئی اور اللہ تعالیٰ اس شخص اور ان دونوں فرشتوں کے درمیان ہوگا۔ اس پر ایک آدمی نے کہا کہ یا رسول اللہ اگر میت کی ماں کا نام معلوم نہ ہو، تو ارشاد ہوا تو فلاں بن حوا کہنا۔“

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۸ میں فرماتے ہیں: ”رواہ الطبرانی فی الکبیر و فی کتاب الدعاء و ابن مندہ فی کتاب الروح و ابن عساکر و الدیلمی و رواہ ابن مندہ من وجہ اخر عن ابی امامہ قال اذا اناسم فدفنتمونی فلیقم انسان عند راسی فلیقل یا صدی بن عجلان اذکر ما کنت علیہ فی الدنیا شہادۃ ان لا الہ الا اللہ و ان محمد ارسول اللہ رواہ ابن عساکر من وجہ اخر عن ابی امامہ رفعہ اذا مات الرجل منکم فدفنتموہ فلیقم احدکم عند راسہ فلیقل یا فلاں بن فلاں قیامہ بسمع فلیقل یا فلاں بن فلاں فانیہ یستوی قاعد افلیقل یا فلاں بن فلاں فانیہ سیقول لہ ارشدنی یرحمک اللہ فلیقل اذکر ما خرجت علیہ من الدنیا شہادۃ ان لا الہ الا اللہ و ان محمد اعبدہ و رسولہ و ان الساعة آتیہ لا ریب فیہا و ان اللہ ہاعت من فی القبور فان متکرا و نکیرا عند ذلک یا حد کل واحد بید صاحبه ویقول قم ما تصنع عند رجل لقن حجۃ فکیون اللہ حبیبہما دونہ۔“

”روایت کیا اس کو طبرانی نے کبیر میں اور کتاب الدعاء میں اور ابن مندہ نے کتاب الروح میں اور ابن عساکر اور دیلمی نے اور روایت کیا اس کو ابن مندہ نے دوسرے طریقہ سے ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ انہوں نے کہا کہ جب میں مر جاؤں اور تم لوگ مجھ کو دفن کر چکو تو چاہئے کہ کھڑا ہو ایک آدمی میری قبر کے سرہانے اور کہے: ”اے صدی بن عجلان! یاد کرو اس شخص کو جس پر تم دنیا میں تھے یعنی شہادت اس بات کی کہ نہیں ہے کوئی معبود جز اللہ تعالیٰ کے اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں“ روایت کیا اس کو ابن عساکر نے دوسرے طریقے سے ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور مرفوع کیا اس کو ”جب مر جائے کوئی مرد تم لوگوں میں سے اور دفن کر چکو اس کو تو چاہئے کہ کھڑا ہو جائے کوئی تم لوگوں میں کا اس کے سرہانے اور یوں کہے اے فلاں بن فلاں! بیشک وہ مردہ سنتا ہے پھر کہے اے فلاں بن فلاں! بیشک وہ مردہ سنتا ہے پھر کہے اے فلاں بن فلاں! پس وہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے پھر کہے اے فلاں بن

فلا تہ! پس بیشک وہ اسے کہتا ہے کہ رہبری کرو میری رتم کرے گا تم پر اللہ تعالیٰ۔ اس کے بعد اسے کہنا چاہئے کہ ”یاد کرو جس چیز پر تم نکلے ہو دنیا سے (یعنی) اس بات کی شہادت کہ نہیں ہے معبود کوئی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بیشک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ اٹھانے والا ہے ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں پس بیشک اس وقت منکر اور نکیر پکڑتے ہیں ہر ایک اپنے ساتھی کے ہاتھ کو اور کہتے ہیں اٹھو کیا کرو گے ایسے مرد کے پاس جو تلقین کیا جا رہا ہے اپنی حجت کہ ہو جائے اللہ تعالیٰ ان دونوں کی طرف سے بھگڑنے والا اس وقت۔“

اسی میں ص (۳۶۹) میں ہے: ”وروی سعید بن منصور عن راشد بن سعد وضرارة بن حبيب و حکیم بن عمیر قالوا اذا سوي على قبره وانصرف الناس عنه كان يستحب ان يقال للميت عند قبره يا فلان قل لاله الا الله ثلاث مرات يا فلان قل ربی الله و دینی الاسلام و نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔“ سعید بن منصور، راشد بن سعد اور ضرارة بن حبيب اور حکیم بن عمیر سے راوی۔ ان لوگوں نے کہا کہ جب مردے پر مٹی برابر کر دیں اور لوگ اس سے واپس پھریں تو مستحب ہے کہ میت کی قبر کے پاس یہ کہا جاوے اے فلاں کہہ لا الہ الا اللہ۔ تین مرتبہ اس کو کہیں۔ اے فلاں کہہ رب میرا اللہ، دین میرا اسلام، نبی میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔“

علامی شامی رد المحتار جلد اول ص ۶۹۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ”قوله ولا یلقن بعد تلحیدہ ذکر می المعراج انه ظاهر الرواية ثم قال وفي الخبازية والكافي من الشيخ الزاهد الصفار ان هذا قول المعتزلة لان الاحياء بعد الموت عندهم مستحيل اما عند اهل السنة فالحدیث ای لقنوا موتاكم لا اله الا الله محمول على حقیقته لان الله تعالى يحییہ علی ما جاء به الآثار وقد روی عنه علی الصلاة والسلام انه امر بالتلقين بعد الدفن فيقول يا فلان بن فلانة اذ كر دينك الذي كنت عليه من شهادة ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله الخ۔“

”معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ دفن کے بعد تلقین نہ کی جائے۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا ان کے نزدیک محال ہے اور اہل سنت کے نزدیک لقنوا موتاكم لا اله الا الله اپنی حقیقت پر محمول ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مردہ کو زندہ کرے گا اور حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کے بعد تلقین کا حکم دیا ہے تو کہے اے فلاں بن فلاں! یاد کرو اس دین کو جس پر تم دنیا میں تھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔“

گیارہواں طریقہ: دعائے تثبیت کرنا

”عن عثمان بن عفان قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرع من دفن الميت وقف علیہ فقال استغفر والانیکم وامنکم لوالالتئیت فانہ الان یسئال“۔ (رواہ ابو داؤد جلد ۲ ص ۱۰۲)۔“
ابوداؤد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے، قبر کے پاس ٹھہرتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا اور سوال کرو کہ اللہ تعالیٰ اسے قول ثابت پر ثابت و قائم رکھے اس لئے کہ اس وقت وہ سوال کیا جائے گا۔ مگر تکبیر اس سے پوچھنے کو آئیں گے۔“

”وعن ابن مسعود قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقف علی القبر بعد ما یسوی علیہ فیقول اللہم نزل بک صاحبنا واخلف الدنیا حلف ظہرہ اللہم ثبت عند المسئلة منطقة ولا تفتنه فی قبرہ بما لا طاقة لہ بہ“۔ (رواہ سعید بن منصور)۔“ سعید بن منصور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد درستی قبر پر ٹھہرتے اور دعا کرتے خداوند امیر صحابی تیرے پاس اترے اور دنیا کو اپنے پیچھے پیچھے چھوڑا۔ خداوند اسوال کے وقت اس کی بولی ثابت و درست رکھ اور قبر میں اسے جانچ میں مبتلا نہ کر جس کی اسے طاقت نہ ہو۔“

”وروی ابن ماجة والبیہقی فی السنن عن ابن المسیب قال حضرت ابن عمر فی جنازة ابنہ لہ فلما وضعها فی اللحد قال بسم اللہ و فی سبیل اللہ فلما اخذ فی تسویة اللحد قال اللہم احبرها من الشیطان و من عذاب القبر فلما سوی الکتاب علیہا قام بجانب القبر ثم قال اللہم حاف الارض عن حنہا و صعد رو حہا و لقها منک رضوانا ثم قال سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“۔

”ابن ماجہ و بیہقی سنن میں حضرت ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے راوی کہ میں حضرت ابن عمر کی صاحبزادی کے جنازہ میں حاضر ہوا تو جب آپ نے ان کو لحد میں رکھا تو بسم اللہ و فی سبیل اللہ کہا، جب قبر برابر کرنے لگے تو اللہم احبرها من الشیطان و من عذاب القبر کہا یعنی خداوند اس کو شیطان اور قبر کے عذاب سے بچا اور جب مٹی برابر کر چکے تو قبر کی طرف کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے اللہ قبر کو دونوں طرف سے پھیلا دے اور اس کی روح کو بلند فرما اور اس سے رضامندی کے ساتھ ملاقات کر۔ پھر کہا کہ اسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔“

”وروی ابن ابی شیبہ عن قتادہ ان انساً دفن ابنہ فقال اللہم حاف الارض عن حنہ و افتح ابواب السماء لروحہ لہ دار احیرامن دارہ“۔“ ابن ابی شیبہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ کو دفن کیا پس کہا خداوند از میں کو اس کی دونوں جانب سے کشادہ فرما اور اس کی روح

کے لئے آسمان سے دروازے کھول دے اور اس کا گھر بدل دے جو دنیاوی گھر سے بہتر ہو۔

حکیم ترمذی نوادر الاصول میں فرماتے ہیں: ”الوقوف علی القبر وسؤال الثبیت فی وقت الدفن مدد للسمیت بعد الصلاة لان الصلاة بحماسة المؤمنين كالعسكر له وقد اجتمعوا بباب الملك يشقعون له والوقوف علی القبر وسؤال الثبیت فی وقت الدفن مدد للعسكر و ذلك ساعة شغل الميت“۔ (الکمل من شرح الاحیاء ج ۱ ص ۳۶۸)۔ ”قبر پر ٹھہرنا اور ثابیت قدم رہنے کی دعا کرنا دفن کے وقت، یہ نماز جنازہ کے بعد میت کی مدد ہے۔ اس لئے کہ جماعت مومنین کے ساتھ نماز پڑھنا مثل لشکر کے ہے۔ بادشاہ کے دروازہ پر ٹھہرنا اور ثابیت قدم رہنے کی دعا کرنا۔ اس لشکر کی مدد ہے۔ کیونکہ یہ وقت میت کی مشغولی کا ہے۔“

بارھواں طریقہ بعد دفن قبر پر اذان دینا

امام احمد و طبرانی و بیہقی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے راوی: ”قال لسأدفن سعد بن معاذ (زاد فی رواية) وسوی علیہ سبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سبح الناس معه طویلاً ثم کبر و کبر الناس ثم قالوا یا رسول اللہ لم سبحت (زاد فی رواية) ثم کبرت قال لقد تطابق علی هذا الرجل الصالح قبر حتی فرحه اللہ تعالیٰ عنہ“۔ ”جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دفن ہو چکے اور قبر درست کر دی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم و یکت سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے پھر حضور اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے۔ پھر صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! حضور اول تسبیح پھر کبیر کیوں فرماتے رہے؟ ارشاد فرمایا: اس نیک مرد پر اس کی قبر تک ہوئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ تکلیف اس سے دور کر دی اور قبر کشادہ فرمادی۔“

علامہ طبری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: ”ای ما زالت اکبر و تکبرون واسبح و تسبحون حتی فرجه اللہ“۔ ”حدیث کے معنی یہ ہیں کہ برابر میں اور تم اللہ اکبر اللہ اکبر سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس سنگی سے انہیں نجات بخشی۔“

اقول اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر آسانی کے لئے بعد دفن کے قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر یا بار فرمایا ہے اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چہ بار ہے تو عین سنت ہوا۔ غایت یہ کہ اذان میں اس کے ساتھ کلمات طیبات تراکد ہیں، سوان کی زیادت نہ معاذ اللہ کچھ مضر نہ اس امر مستون کے منافی بلکہ قائم مفید و مؤید مقصود ہے کہ رحمت الہی اتارنے کے لئے ذکر خدا کرتا تھا۔ علاوہ بریں بالاتفاق سنت اور حدیثوں سے ثابت اور ائمہ میں ثابت کہ میت کے پاس حالت نزع میں کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کہتے رہیں کہ اسے سن کر یاد ہو۔

حدیث میں ہے: "لَقَسُوا امواتاً کم الاله الا الہ اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ سکھا" (رواہ الامام احمد و مسلم و ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ عن ابی سعید المخدری و ابن ماجہ کمسلم عن ابی ہریرہ و کالنسائی عن ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہم)۔

اب جو نزاع میں ہے وہ مجازاً مراد ہے اور اسے کلمہ اسلام سکھانے کی حاجت کہ بحول اللہ خاتمہ اسی پاک کلمے پر ہوا و شیطان لعین کے بھلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہو چکا حقیقتہً مردہ ہے اور اسے بھی کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ جواب یاد ہو جائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بیشک اذان میں یہ کلمہ لا الہ الا اللہ تین جگہ موجود بلکہ اس کے تمام کلمات جواب تکبیرین بتاتے ہیں۔ ان کے سوال تین ہیں من ربک تیرا رب کون ہے، ما دینک تیرا دین کیا ہے۔ ما کنک تقول فی ہذا الرجل تو اس مرد یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتا تھا۔ اب اذان کی ابتداء میں اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر، اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اخیر میں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ، من ربک سکھائیں گے۔ ان کے سننے سے یاد آئے گا میرا رب اللہ ہے اور اشہد ان محمد رسول اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ سوال ما کنک تقول فی ہذا الرجل کا جواب تعلیم دیں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا اور حسی علی الصلاۃ حسی علی الفلاح جواب ما دینک کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وہ تھا جس میں نماز رکن و ستون ہے کہ الصلاۃ عما دالہین تو بعد دفن اذان و ینا عین ارشاد کی تعمیل ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث صحیحہ مذکور میں فرمایا۔ نیز علم والا ہر شخص جانتا ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور سوال تکبیرین ہوتا ہے۔ شیطان رجیم (اللہ عزوجل صدقہ اپنے محبوب کریم علیہ و افضل الصلاۃ و التسلیم کا ہر مسلمان مرد و زن کو حیات و ممات میں اس کے شر سے محفوظ رکھے) وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہے اور جواب میں یہ کہتا ہے والعیاذ بوجہ العزیز الکریم و لاحول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

امام ترمذی محمد بن علی نوادر الاصول میں امام اجل سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں: "و یؤتدہ من الاخبار قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند دفن المیت اللہم اجرہ من الشیطان فلو لم یکن للشیطان ہناک سبیل ما دعا صلی اللہ علیہ وسلم بذلك"۔ "وہ حدیثیں اس کی موید ہیں جن میں وارد کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میت کو دفن کرتے وقت دعا فرماتے: الہی اسے شیطان سے بچا۔ اگر وہاں شیطان کا کچھ دخل نہ ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیوں کرتے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے۔"

صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں: ”اذا اذن الموزن اذیر الشیطان وله حصاص“۔ ”جب موزن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھر کر گوزناں بھاگتا ہے۔“ صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے واضح کہ چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے اور خود حدیث میں حکم آیا جب شیطان کا کھٹکا ہو فوراً اذان کہو کہ وہ دفع ہو جائے گا۔ اخرجہ الامام ابو القاسم سلیمان بن احمد والطبرانی فی اوسط معاجیمہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ہم نے اپنے رسالہ ”تسمیم الصباقی ان الاذان یحول الوباء“ میں اس مطلب پر بہت احادیث نقل کیں اور جب ثابت ہو گیا کہ وہ وقت عیاذ باللہ مداخلت شیطان لعین کا ہے اور ارشاد ہوا کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے اور ہمیں حکم آیا کہ اس کے دفع کو اذان کہو تو یہ اذان خاص حدیثوں سے مستبط بلکہ عین ارشاد شاریع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد و اعانت ہوئی جس کی خوبیوں سے قرآن و حدیث مالا مال۔ اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مآۃ حاضرہ جناب مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ القوی نے ایک مستقل رسالہ بنام ”ایذان الاحرف فی اذان القبر“ تصنیف فرمایا جس میں پندرہ دلیلوں سے اس مسئلہ کو مدلل فرمایا۔ یہ تین دلیلیں اسی رسالہ سے ماخوذ ہیں۔ اس کے علاوہ بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنت فرمایا۔ امام ابن حجر مکی اپنے فتاویٰ اور علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب درمختار نے حاشیہ ”بحر الرائق“ میں ان کا یہ قول نقل فرمایا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ”ملفوظات عزیزی“ میں ہے: ”عمل مشائخ ست کہ اذان پر قبر بعد دفن می گویند۔“ اس سے معلوم ہوا کہ بعد دفن قبر پر اذان دینا بزرگوں سے چلا آ رہا ہے اور وہ سب حدیثیں اس عمل خیر کی اصل ہیں۔ واللہ البہادی۔

تیرھواں طریقہ: قبر کے اوپر کھجور کی شاخ یا کوئی لکڑی یا کوئی سبزی وغیرہ رکھنا

”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحائط من حیطان المدینۃ او مکۃ فسمع صوت انسانین یعدیان فی قبورہما فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعدیان وما یعدیان فی کبیر ثم قال بلنی مکان احدہما لا یستتر من بولہ وکان الآخر یمشی بالتمیمۃ ثم دعا بحریۃ فکسرها کسرتین فوضع علی کل قبرہما کسرة فقیل لہ یا رسول اللہ الم فعلت هذا؟ قال لعلہ ان یخفف عنہما مالہم تیسرا (رواہ البخاری و مسلم و ابو داؤد و الترمذی و النسائی و اہم فاجۃ)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ گزرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ یا مدینہ کے باغوں سے کسی باغ میں تو دو آدمیوں کی آواز سنی کہ ان پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات میں عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچنا مشکل ہو۔ پھر فرمایا ان میں ایک آدمی تو اپنے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا پھر کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور اس کو دو ٹکڑا کیا اور ہر قہر پر ایک ٹکڑا رکھا۔ صحابہ نے عرض کی حضور نے ایسا کس لئے کیا؟ فرمایا تاکہ ان دونوں پر عذاب میں تخفیف ہو جب تک یہ دونوں خشک نہ ہوں۔“

علامہ عینی شرح بخاری جلد اول ص ۸۷۴ میں فرماتے ہیں: ”قوله لعلة ان يخفف عنهما اى لعله يخفف ذلك من ناحية التبرك باثر السی عليه الصلاة والسلام ودعائه بالتخفيف عنهما فكان صلى الله عليه وسلم جعل مدة بقاء الندوة فیهما حدا لما وقعت المسألة من تخفيف العذاب عنهما وليس ذلك من اجل ان فی الرطب معنى ليس فی الیاس قاله الخطابی وقال النووی قتل العلماء وهو محمول علی انه صلى الله عليه وسلم سائل الشفاعة لهما فاجبت شفاعته بالتخفيف عنهما السی ان یيسا وقيل بتحمل انه صلى الله عليه وسلم يدعولهما تلك المدة وقيل لكونهما یسبحان مادامت رطبتین وليس للیاس تسبیح قالوا فی قوله تعالی وان من شئی الا یسبح بحمده معناه وان شئی حی تم حیاة کل شئی بحسب فحیاة الخشب مالم ییس وحیاة الحجر مالم یقطع۔“

”تخفیف عذاب کے سبب میں علما کے متعدد اقوال ہیں۔ علامہ خطابی نے کہا کہ تخفیف عذاب بوجہ برکت اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ودعائے تخفیف ہے کہ حضور نے جریدہ کی تری کا باقی رہنا، تخفیف عذاب کی حد قرار دیا اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تر ٹکڑی میں کوئی ایسی خوبی ہے جو خشک میں نہیں۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ علمائے کرام فرماتے ہیں: یہ اس بات پر محمول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک وہ دونوں ٹکڑیاں خشک نہ ہوں، ان دونوں کے تخفیف عذاب کی دعا و سفارش فرمائی تو تا خشک ہونے ان کے حضور کی شفاعت دربارہ تخفیف عذاب مقبول ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے احتمال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مدت تک ان دونوں کے لئے دعا کرتے ہوں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ تخفیف عذاب اس وجہ سے ہو کہ جب تک وہ دونوں تر ہیں، خداوند عالم کی تسبیح کرتے ہیں اور اس سے تخفیف عذاب ہوتی ہے اور خشک شاخ تسبیح نہیں کرتی۔ علمائے و ان من شئی الا یسبح بحمده کے معنی میں کہا کہ کوئی زندہ چیز نہیں جو خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو پھر ہر چیز کی حیات اس کے مطابق ہوتی ہے۔ ٹکڑی کی حیات اس وقت تک ہے کہ خشک نہ ہو اور پھر کی حیات اس وقت تک ہے کہ کانا نہ جائے۔“

فتح الباری شرح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی جلد اول ص ۲۲۳ میں ہے: ”وقد قيل ان المعنى فيه انه یسبح مادام رطبا فيحصل التخفيف ببركة التسبیح وعلى هذا فيطرده فی کل مافیہ رطوبة من الا

شجار وغیرہا و كذلك فيما فيه بركة كالذكر وتلاوة القرآن من باب الاولى وقد تاسى بريدة بن الحصيب الصحابي، بذلك فاقصى ان توضع على قبره جريدة تان كما سيأتى فى الحائز من هذا الكتاب وهو اولى ان يتبع من غيره۔

”اور کہا گیا ہے کہ تخفیف عذاب کی وجہ یہ ہے کہ کھجور کی شاخ جب تک تر رہے گی، خدا کی پاکی بیان کرے گی تو تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی اور اس بنا پر یہ برکت درخت وغیرہ ہر اس چیز کو عام ہوگی جس میں تری ہے۔ اسی طرح ہر اس چیز میں جو تبرک ہے اور جیسے ذکر اور تلاوت قرآن میں بدرجہ اولیٰ یہ برکت ہوگی اور حضرت بريدہ ابن النخعي صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کی بیرونی کی۔ وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو شاخ کھجور کی رکھی جائے۔ اس کا بیان اسی کتاب کے ”باب الجنائز“ میں آئے گا اور حضرت بريدہ زیادہ مستحق اس امر کے ہیں کہ ان کی بیرونی کی جائے یا اعتبار دوسروں کے۔“

ارشاد الساری شرح بخاری علامہ خطیب قسطلانی جلد ۲ ص ۳۷۱ میں ہے: ”او ان المعنى فيه انه تسبيح مادام رطباً فيحصل التخفيف ببركة التسبيح وحينئذ فيطر دفي كل ما فيه رطوبة من الرياحين والبقول وغیرہا وليس للبايس تسبيح قال تعالى ان من شئ الا يسبح بحمده اى شئ حى و حياة كل شئ بحسبه فالخشب مالم يبسن والحجر ماله يقطع من معدنه۔“ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک وہ شاخ تر رہے گی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے گی تو تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی اور اس وقت ہر اس چیز کو جس میں تری ہے، یہ حکم عام ہوگا، خوشبو ہو یا سبزی وغیرہ اور خشک چیز تسبیح نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وان من شئ الا يسبح بحمده۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہیں کوئی زندہ چیز مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور زندگی ہر چیز کی اس کے مناسب ہوتی ہے تو لکڑی کی زندگی اس وقت تک ہے کہ خشک نہ ہو اور پتھر کی اس وقت تک ہے کہ اپنے کان سے کاٹا نہ جائے۔“

امام جلال الدین سیوطی ”شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور“ میں فرماتے ہیں: ”قال الخطابي هذا عند اهل العلم محمول على ان الاشياء مادامت على اصل خلقتها و حضرتها او طراوتها فاتها تسبيح حتى يخفف رطوبتها او تحول حضرتها و يقطع عن اصلها وقال غير الخطابي، فاذا خفف عنها تسبيح الجريد فكيف بقراءة المؤمن القرآن قال لهذا الحديث اصل في غرس المؤمن الاشجار عند القبور واخرج ابن عساكر من طريق حماد بن سلمة عن قتادة ان ابا هريرة الاسلمي رضى الله عنه كان يحدث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على قبر وصاحبه يعذب فاحذ حريصة فغرسها في القبر وقال عسى ان يرقعه عنه مادامت رطبة فكان ابو هريرة يوصي اذ امت

فضعوا فی قبری می جریدتین قال فمات فی مغارة بین کرمان وقومس فقالوا ابو صیفناان نضع فی قبره جریدتین وهذا موضع لا نصیبها فیہ فمیتا ہم كذلك اذ طلع علیہم ركب من قبل سحستان فاصابوا معهم سعتاقا عذوا جریدتین فوضعا معهما فی قبره و اخرج ابن سعد عن مسروق قال اوصی بریدۃ ان يجعل فی قبره جرید ثلاثہ۔

”علامہ خطابی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں کی قبروں پر جریدہ رکھنا، اس بات پر محمول ہے کہ اشیا جب تک اپنی اصل خلقت اور سبزی و تری پر رہتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں، یہاں تک کہ اس کی رطوبت خشک ہو یا اس کی سبزی جاتی رہے یا اصل سے وہ چیز قطع کر دی جائے۔ اور خطابی کے سوا دیگر علمائے فرمایا کہ جب یہ سبب تسبیح شاخ خرماتان دونوں مردوں سے عذاب میں تخفیف کی گئی تو مومن کے قرآن شریف پڑھنے کے سبب کس قدر تخفیف ہوگی اور یہ حدیث مسلمانوں کی قبروں کے پاس درخت لگانے کی اصل ہے اور ابن عساکر نے بطریق حماد بن سلمہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ حدیث شریف بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے اور قبر والے شخص پر عذاب کیا جا رہا تھا تو حضور نے کھجور کی ایک شاخ لے کر اس کو اس قبر پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ شاخ تر رہے گی، اللہ تعالیٰ اس مردہ سے عذاب اٹھالے گا اور ابو ہریرہ وصیت کرتے تھے کہ جب میں مروں تو میری قبر میں کھجور کی دو شاخ تر رکھنا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اتفاق وقت کہ ان کا انتقال کرمان اور قومس کے درمیان ایک میدان میں ہوا۔ لوگوں نے کہا ان کی وصیت یہ تھی کہ ان کی قبر میں کھجور کی دو شاخیں رکھیں اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں کھجور کی شاخ نصیب نہیں۔ بس ہم لوگ اسی شش و پنج میں تھے کہ جحیمان کی طرف سے ایک جماعت آتی ہوئی نظر آئی۔ ان کے ساتھ کھجور کی شاخیں تھیں۔ لوگوں نے ان سے دو شاخیں لے لیں اور ان کی قبر میں رکھا۔“

علامہ ابن حجر کی فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۰۰ میں اس حدیث بخاری کے متعلق سوال کے جواب میں تحقیق و تفصیل کے بعد لکھتے ہیں: ”و بما قبر رتہ يعلم انه یسن للکل احد اتبا عاله صلی اللہ علیہ وسلم فان الاصل فی افعاله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الناسی الا ما دل دلیل علی الخصوصیۃ ولا دلیل خفیہا فندب الناسی بہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلك۔“ اور جو کچھ میں نے تقریر کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کے لئے مسنون ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے اتباع میں قبر پر شاخ تر خرما کی رکھے۔ اس لئے کہ اصل حضور کے افعال میں اقتدا کرنا ہے۔ ہاں! جب کوئی دلیل خصوصیت کی ہو تو الہتہ مخصوص ہوگا اور اس جگہ کوئی دلیل تخصیص نہیں تو اس مسئلہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرنا مندوب و مستحسن ہوگا۔“

فقیر غفرلہ المولیٰ القدر کہتا ہے کہ اس حدیث سے علمائے کرام نے تین مسئلے استنباط فرمائے ہیں۔ اول یہ کہ قبر کے پاس قرآن شریف کی تلاوت مستحب و مندوب ہے۔

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۲۸۶ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”واستحب العلماء قراءة القرآن عند القبر لهذا الحديث اذ تلاوة القرآن اولیٰ بالتخفيف من تسبیح الحریذ وقد ذکر البخاری ان برید بن الحصبیب الصحابی اوصیٰ ان يجعل فی قبره حریذ تان فکانه تبرک بفعل مثل فعل رسول الله ﷺ“۔ علمائے اس حدیث سے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب بتایا ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف کی تلاوت تخفیف عذاب میں تسبیح حریذہ سے ضرور اولیٰ ہے اور بخاری نے ذکر کیا کہ برید بن نصیب صحابی نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں دو شاخیں کھجور کی رکھی جائیں تو گویا انہوں نے مثل فعل رسول سے برکت لینا چاہا۔“

یعنی شرح بخاری جلد اول ص ۸۷۲ میں ہے: ”واستحب العلماء قراءة القرآن عند القبر لهذا الحديث لانه اذا كان يرعى التخفيف بتسبیح الحریذ فتلاوة القرآن اولیٰ“۔ اس حدیث سے علمائے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب قرار دیا۔ اس لئے کہ جب تسبیح حریذہ سے تخفیف عذاب کی امید ہے تو تلاوت قرآن سے تخفیف عذاب بدرجہ اولیٰ ہوگی۔

شرح احیاء العلوم علامہ سید مرتضیٰ زبیدی جلد ۱ ص ۳۶۹ میں ہے: ”قال السيوطی فی شرح الصدور واما قراءة القرآن على القبر فحرم بمشرو عتها اصحابنا وغيرهم قال الزعفرانی مسائل الشافعی عن القراءة عند القبر فقال لا بأس به وقال النووي فی شرح المذهب يستحب لزائر القبور ان يقرأ ما تيسر من القرآن ويدعولهم عقبها نص عليه الشافعی واتفق عليه الاصحاب زاد فی موضع آخر وان ختموا القرآن على القبر كان افضل وقد سئل الشمس محمد بن علی بن محمد بن عيسى العسقلانی الکثانی السهمودی الشافعی عرف بابن القطان المتوفی ۸۱۳ وهو من مشايخ الحافظ ابن حجر عن مسائل فاجاب ومنها وهل يصل ثواب القراءة للميت ام لا؟ فاجاب عنها فی رسالة سماها ”القول بالا حسان العمیم فی انتفاع الميت بالقران العظيم“ وانا ذکر منها ما یلیق بالمقام الاختصار قال رحمه الله: ”اختلف العلماء فی ثواب القراءة للميت فذهب الاكثرون الى المنع وهو المشهور من مذهب الشافعی ومالك و نقل عن جماعة من الحنفية وقال كتب منهم یصل وبه قال الامام احمد بعد ان قال القراءة على القبر بدعة بل نقل عنه انه یصل الى

المیت کمال شیء من صدقة وصلاة وحج وصوم واعتكاف وقراءة وذكر وغير ذلك ونقل ذلك عن جماعة من السلف ونقل عن الشافعی انتفاع المیت بالقراءة علی قبره واختار شيخنا شهاب الدين بن عقيل وتواتر ان الشافعی زار المیت بن سعد وأثنى عليه خيرا وقرء عنده نخعة وقال أرجو ان تدوم فكان الامر كذلك وقال القرطبي قد استدلل بعض علمائنا علی قراءة القرآن علی القبر بحديث العسیب الرطب الذی شقه النبی ﷺ بآئین ثم غر من علی قبر نصفوا علی قبر نصفوا وقال لعله يخفف عنهما ما لم ييسار واد الشيعان قال ويستفاد من هذا غرس الاشجار وقراءة القرآن علی القبور واذلخفف عنهم بالاشجار فكيف بقراءة الرجل المؤمن القرآن وقال النووي استحباب العلماء قراءة القرآن عند القبور واستأنسوا بذلك بحديث الحرید بن وفالوا اذا وصل الشفع الی المیت بتسبیحهم حال رطوبتهما فانتفاع المیت بقراءة القرآن عند قبره اولی فان قراءة القرآن من انسان اعظم وانفع من التسبیح من عوداه۔

”امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں تحریر فرماتے ہیں: قرآن شریف کا قبر پر پڑھنا تو ہمارے اصحاب اور دوسروں نے اس کے مشروع ہونے کا یقین کیا۔ امام زعفرانی نے کہا کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے کا مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا اس میں مضائقہ نہیں۔ علامہ نووی نے شرح مہذب میں فرمایا: زائر قبور کے لئے مستحب ہے کہ جس قدر بآسانی قرآن شریف پڑھ سکے، اتنا قرآن پڑھے، اس کے بعد مردوں کے لئے دعا کرے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس پر نص فرمایا اور دوسری جگہ اس قدر اور زیادہ کیا کہ اگر ایک ختم قرآن کا مل کریں تو اور بہتر ہے اور علامہ شمس محمد بن علی عسقلانی کنانی سمودی شافعی استاذ علامہ عصر حافظ ابن حجر عسقلانی معروف بہ ابن القطان (متوفی ۸۱۳ھ) سے چند مسئلے دریافت کئے گئے تو آپ نے ان کے جوابات دیئے۔ منجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا قرآن شریف پڑھ کر بخشے سے مردہ کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس کا نام ”القول بالاحسان العظیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم“ رکھا اور ہم اس سے تھوڑا سا حسب مناسب مقام اختصار کے ساتھ اس جگہ ذکر کرتے ہیں: ”مردے کو قراءۃ قرآن شریف کا ثواب پہنچنے میں علما کا اختلاف ہے اکثر لوگ منع کی طرف گئے ہیں اور یہی مشہور مذہب امام شافعی کا ہے اور امام مالک و جمہور حنفیہ سے منقول ہے اور اکثر حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ میت کو قرأت کا ثواب پہنچتا ہے۔ امام احمد بن حنبل بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ پہلے یہ کہتے تھے کہ قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔“ (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

ان سے منقول ہے کہ مردے کو سب کچھ پہنچتا ہے صدقہ ہو یا نماز، حج، روزہ، اعتکاف، قراءۃ قرآن، ذکر

وغیرہ اور اسے سلف صالحین کی ایک جماعت سے نقل کیا اور قبر پر قرآن شریف پڑھنے سے میت کا نفع اٹھانا، امام شافعی سے منقول ہے اور اسی کو ہمارے استاذ شہاب الدین عقیلی نے پسند فرمایا اور امام شافعی سے متواتر طریقہ پر ثابت ہے کہ انہوں نے لیث بن سعد کی قبر کی زیارت کی اور ان کی تعریف بیان کی اور وہاں ایک ختم قرآن شریف پڑھا اور فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ یہ قرأت ہمیشہ جاری رہے۔ پس ویسائی واقع ہوا۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ بعض علمائے قبر پر قرآن شریف پڑھنے کے جواز پر شاخ خرمادالی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے شاخ خرما کو دو نصف کیا اور ایک نصف ایک قبر پر اور دوسرا دوسرے پر نصب کیا اور فرمایا کہ جب تک یہ دونوں تر رہیں، اللہ تعالیٰ ان دونوں مردوں پر عذاب میں تخفیف فرمائے گا۔ اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا اور کہا کہ اس حدیث سے قبر پر درخت کا نصب کرنا اور قرآن شریف پڑھنا مستفاد ہوتا ہے کہ جب شاخ درخت کی وجہ سے تخفیف عذاب ہو تو قرآن مجید کے مفید ہونے کا کیا کہنا۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ علمائے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب جائز اور حدیث ”جرید تین“ سے استدلال کیا اور فرمایا کہ جب شاخ تر کی تسبیح سے مردہ کو فائدہ ہوتا ہے تو قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے سے نفع ہونا بدرجہ اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ انسان کا قرآن شریف پڑھنا لکڑی کی تسبیح کرنے سے رتبہ میں اعظم اور فائدہ میں نفع ہے۔ فقیر غفرلہ المولیٰ القدر کہتا ہے کہ علامہ ابن قطان کا ”فذهب الاکثرون السی المنع“ فرمانا مکمل نظر ہے۔ اس لئے کہ علمائے راسخین کی تحقیق و تصریح کے خلاف ہے۔

ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۶ ص ۳۸۲ میں فرماتے ہیں: ”اختلف فی وصول ثواب القرآن للسمیت فجمهور السلف والا تمة الثلاثة علی الوصول و خالف فی ذلك امامنا الشافعی مستدل بقوله تعالیٰ ”وانه لیس للاثمان الا مامعی“ واحاب الاولون عن الایة بوجوه۔ احدھا انها ”ان کے اس قول سے رجوع کرنے کا واقعہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے علی بن موسیٰ حداد کہتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبل کے ساتھ ایک جنازہ میں گیا اور محمد بن قدامہ جوہری بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب مردہ کو دفن کر چکے تو ایک نابینا آیا اور قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے لگا۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اسے شخص قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔ جب ہم لوگ قبرستان سے نکلے تو محمد بن قدامہ نے امام احمد بن حنبل سے کہا: اے ابو عبد اللہ! مبشر بن اسماعیل طلی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: وہ ثقہ ہیں۔ پوچھا کہ آپ نے ان سے کچھ لکھا ہے؟ فرمایا ہاں ابو نے کہ مجھے مبشر بن اسماعیل نے عبد الرحمن بن عطاء بن الجراح سے خبر دی کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے وصیت کی کہ دفن کے بعد ان کے سر ہانے فاتحہ بقرہ و فاتحہ بقرہ پڑھی جائے اور انہوں نے کہا کہ میں نے ابن عمر سے سنا کہ اس کی وصیت کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ جاؤ اس نابینا کو کہہ دو کہ قرآن شریف پڑھو (احیاء العلوم) حاشیہ شرح مرتضیٰ زبیری جلد ۱۰ ص ۳۷۰ (۳۷۰) من غفر لہ“

منسوخہ بقولہ تعالیٰ: ”والذین آمنوا واتبعتهم ذریعتهم بإیمان الحقنا بهم ذریعتهم“ الآية ادخل الایماء
الحسنہ بصلاح الایماء۔ الثانی انها خاصة بقوم ابراهیم و موسیٰ علیہما الصلاة والسلام فاما هذه الامة
قلها ماسعت و ماسعیٰ بها قالہ عکرمہ۔ الثالث المراد بالانسان ههنا الکافر فاما المؤمن قلہ ماسعیٰ لہا
قالہ الرابع ابن انس۔ الرابع لیس للانسان الا ماسعیٰ من طریق العدل فاما من باب الفضل فجائز ان یزیدہ
اللہ ما شاء قالہ الحسین بن فضل۔ الخامس ان اللام فی للانسان بمعنی علیٰ ای لیس علی الانسان الا
ماسعیٰ واستدلوا علیٰ الوصول بالقیاس علی الدعاء و الصدقة و الصوم و الحج و التعلیٰ لانه لا فرق فی
نقل الثواب بین ان یشکون عن حج او صدقة او وقف او دعاء او فداء و بالاحادیث المذكورة وھی وان
كانت ضعیفة فمجموعہا یدل علیٰ ان لذلك اصلا وان المسلمین ما زالوا فی کل مصر و عصر یجتمعون
و یقرءون لموتاهم من غیر نکر فکان ذلك اجماع۔ ذکر ذلك کله الحافظ شمس الدین بن عبد الواحد
العقلمسی الختلی فی جزء الفہ فی المسئلة ثم قال السیوطی واما الفداء علی الفبر فحرم بمشرو عتیہا
اصحابنا و غیرہم۔

”امام سیوطی فرماتے ہیں: مردے کو قرآن شریف کا ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے۔ جمہور سلف اور ائمہ
ثلثہ کا یہ مذہب ہے کہ پہنچتا ہے اور ہمارے امام شافعی نے اس مسئلہ میں خلاف کیا اور اس آیت کے ساتھ استدلال
کیا کہ لیس للانسان الا ماسعیٰ اور پہلے مذہب والوں نے اس کے پانچ جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ
یہ آیت منسوخ ہے، تاہن اس کا ”والذین آمنوا واتبعتهم ذریعتهم بإیمان الحقنا بهم ذریعتهم“ ہے تو اس آیت سے
معلوم ہوتا ہے کہ آباء کی صلاح کی وجہ سے اولاد جنت میں جائے گی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حکم حضرت ابراہیم و موسیٰ
علیہما السلام کی امت کا ہے لیکن امت محمدیہ کے لئے دونوں ہیں۔ جو اس نے سعی کیا اور جو اس کے لئے سعی کیا گیا۔ یہ
قول عکرمہ کا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس جگہ انسان سے کافر مراد ہے لیکن مومن کے لئے جو وہ سعی کرے اور جو اس
کے لئے سعی کیا جائے۔ یہ قول ربیع بن انس کا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ انسان کے لئے بطریق عدل وہی ہے جو اس
نے کیا، البتہ بطریق فضل و احسان جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جس قدر زائد دے۔ یہ قول حسین بن فضل کا ہے۔ یا نجاش
جواب یہ ہے کہ لیس للانسان میں لام یہ معنی علیٰ ہے یعنی انسان پر مواخذہ نہیں مگر اسی کا جو اس نے کیا

اور پہلی جماعت اپنے مذہب پر (یعنی ثواب مردے کو پہنچتا ہے) یہ دلیل پیش کرتی ہے: اول دعا، صدقہ، روزہ
، حج، آزاد کرنے پر قیاس ہے کہ جب ان سب چیزوں کا ثواب پہنچتا ہے تو ان میں اور قرأت قرآن میں کوئی فرق نہیں کہ ان
سب چیزوں کا ثواب پہنچے اور قرأت قرآن کا ثواب نہ پہنچے۔ دوم اس قیاس کے علاوہ ان احادیث سے دلیل لائے ہیں

جو مذکور ہوئیں اور یہ حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان سب کے مجموعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کی اصل ہے اور بلاشبہ مسلمان ہر زمانہ اور ہر شہر میں برابر بلا انکار جمع ہوتے اور اپنے مردوں کے قبر پر قرآن پڑھا کرتے تھے تو یہ اس فعل پر اجماع ہوا۔ یہ سب کچھ حافظ شمس الدین بن عبد الواحد مقدسی حنبلی نے ایک مستقل رسالہ میں لکھا ہے جو خاص اسی مسئلہ کے متعلق تصنیف کیا۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ قبر پر قرآن شریف پڑھنے کے مشروع ہونے پر ہمارے اصحاب اور ان کے غیر نے جزم و یقین کیا۔

تو ان تمام عبارات و تصریحات سے واضح ہوا کہ میت کے لئے قرآن شریف پڑھنے کا مشروع ہونا، نہ صرف ائمہ ثلاثہ بلکہ چاروں اماموں کا مذہب ہے پھر علامہ ابن قطان کا مذہب الاکثرون النبی المنع کہنا، کس طرح قابل قبول ہو سکتا ہے؟

نباتات جس وقت تک سبز رہتی ہیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں!

دوسرا مسئلہ جو اس حدیث سے علما نے استنباط فرمایا وہ یہ ہے کہ نباتات جس وقت تک سبز رہتی ہیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں اور اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اس لئے قبرستان سے سبز گھانسون کا اکھاڑنا، کاٹنا ممنوع و مکروہ ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ”وبکره قطع الحشیش الرطب من المقبرة فان كان یا بسالا یاس به لانه مادام رطباً یسبح فیونس الميت وعن هذا قالوا لا یستحب قطع الحشیش الرطب من غیر الحاجة“۔ ”قبرستان سے تر گھاس کا کاٹنا مکروہ ہے۔ اگر خشک ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ جب تک گھاس تر رہتی ہے، خدائے تعالیٰ کی تسبیح کرتی رہتی ہے جس کی وجہ سے میت کو خوشگوار کی احساس ہوتا ہے۔ اسی بنا پر فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ بلا وجہ تر گھاس کو نہیں کاٹنا چاہئے۔“

فتاویٰ بزازیہ کتاب الکرامیہ میں ہے: ”قطع الحشیش من المقابر بکروہ لانه یسبح ویندفع به العذاب من الميت وعلى هذا لا یکره من مقابر الکفار وقطع الیابس وبه ورد الحدیث الصحیح“۔ ”قبرستان سے تر گھاس کا کاٹنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے اور اس کی وجہ سے مردہ سے عذاب دفع ہوتا ہے اور مردہ کو انس ہوتا ہے اور اس بنا پر کفار کے مرگھٹ سے اور خشک گھاس کا کاٹنا مکروہ نہ ہوگا۔ اس بارے میں صحیح حدیث آئی ہے۔“

فتاویٰ عالمگیری میں فتاویٰ قاضی خاں سے منقول ہے: ”وبکره قطع الحطب والحشیش من المقبرة فان كان یا بسالا یاس به کذا فی فتاویٰ قاضی خاں“۔ ”تر گھاس کا قبر سے کاٹنا مکروہ ہے۔ اگر خشک ہے تو ہرج نہیں۔“

علامہ شامی رد المحتار اول ص ۸۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ”بکره ایضا قطع النبات الرطب و

الحشیش من المقبرة دون البایس كما فی البحر والدردو شرح المتیة وعلله فی الامدادیانه مادام
رطباً یسبح الله فیونس المیت و تنزل بهذا الرحمة اه و نحوه فی الخانیة۔ ”ترگھانس اور سبزی کا
مقبرہ سے کاٹنا مکروہ ہے، نہ خشک کا جیسا کہ بحر الرائق اور درر اور شرح منیہ میں ہے اور اس کی علت امداد القناح میں یہ
بیان کی گئی ہے کہ گھانس جب تک تر رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اور اس
کے ذکر کی وجہ سے رحمت الہی نازل ہوتی ہے۔ اسی کے مثل فتاویٰ خانہ میں ہے۔“

مزارات پر پھول چڑھانا جائز ہے:

تیسرا مسئلہ علمائے کرام نے اس حدیث سے یہ استنباط کیا ہے کہ پھول وغیرہ قبروں پر رکھنا جائز ہے۔

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۸۲ میں اس حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں: ”وقد انکر الخطابی
ما یفعله للناس علی القبور من الاحواص ونحوها بهذا الحدیث وقال لا اصل له۔“ ”لوگ قبروں پر پھول کی
شاخ جو اس حدیث کی رو سے رکھ دیتے ہیں، خطابی نے اس سے انکار کر کے کہا: اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔“

علامہ خطابی کا یہ قول ذکر کر کے اس طرح رو کرتے ہیں: ”واما انکار الخطابی وقوله لا اصل له فقیہ
بحث واضح اذ هذا الحدیث یصلح ان یکون اصلاً له ثم رایت بن حجر صرح به وقال قوله لا اصل
له ممنوع بل هذا الحدیث اصل اصل له ومن ثم افتی بعض الاثمة من متاخری اصحابنا بان
ما اعتبد من وضع الریحان و الحرید سنة لهذا الحدیث۔“ ”علامہ خطابی کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ اس کی اصل
نہیں، اس پر کھلا ہوا اعتراض ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیث اس کی اصل ہو سکتی ہے۔ پھر میں نے علامہ ابن حجر کو دیکھا کہ
انہوں نے اس کی تصریح فرمائی اور کہا کہ خطابی کا لا اصل له کہنا ممنوع ہے بلکہ یہ حدیث اس کی زبردست دلیل ہے
۔ اسی وجہ سے بعض متاخرین ائمہ نے فتویٰ دیا کہ لوگوں میں جو مروج ہے کہ خوشبو پھول اور کھجور کی شاخ قبر پر رکھا
کرتے ہیں، وہ اسی حدیث سے سنت ہے۔“

ارشاد الساری شرح بخاری کی عبارت اوپر گزری: ”او ان المعنی فیہ انه یسبح مادام رطباً فیحصل
التخفیف ببرکة التسبیح و حینئذ فیطرد فی کل مافیہ رطوبة من الریاحین و البقول وغیرھا۔“ ”یا اس
کی یہ وجہ ہے کہ شاخ جب تک تر رہے گی، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے گی تو تسبیح کی برکت سے مردہ پر تخفیف ہوگی پس اس
وقت ہر اس چیز کو جس میں تری ہے، عام ہوگی، گھانس ہو یا پھول وغیرہ۔“

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”وضع الورد و الریاحین علی القبور حسن۔“ ”گلاب کا پھول یا اور خوشبو
پھول کا قبر پر رکھنا بہتر ہے۔“

صحیح المسائل ص ۲۰ میں ہے: "فی کسز العباد و فتاویٰ الغرائب وضع الورد و الراحین علی القبور حسن کافہ مادام رطباً یسبح ویکون للمیت بتسیحہ انس"۔ "کنز العباد اور فتاویٰ غرائب میں ہے کہ گلاب کا پھول اور دوسرے پھولوں کا قبور پر رکھنا حسن ہے۔ اس لئے کہ وہ جب تک تر و تازہ ہے، خدا کی تسبیح کرتا ہے اور اس سے مردے کا جی بہلتا ہے۔"

فقیر غفرلہ المولیٰ القدر کہتا ہے کہ علمائے کرام کی انہیں تصریحات کی بنا پر مسلمانوں میں رواج ہے کہ بزرگوں کے مزار پر پھول کی چادر چڑھانے یا پھولوں کا ہار ڈالنے یا بے گوندھا پھول قبروں پر رکھتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

اس جگہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حدیث شریف میں وضع جریدہ کی وجہ ان دونوں کا معذب ہونا ہے تو تخفیف عذاب کے لئے حضور اقدس ﷺ نے ایسا کیا اور اس زمانہ میں گناہگاروں کی قبر پر کوئی ہار پھول نہیں ڈالتا بلکہ برعکس بزرگوں کے مزار پر یہ چڑھا دیا ہوتا ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ تخفیف عذاب بوجہ تسبیح جریدہ ہے اور یہی وجہ مذہب مختار ہے۔ اور تسبیح کا اصل فائدہ نزول رحمت و انس میت ہے اور ہر شخص کو ہر حال میں اس کی ضرورت ہے۔ کوئی کسی مرتبہ پر یہ سوچ جائے مگر رحمت باری سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتا، ہر شخص کو اس سے فائدہ پہونچتا ہے۔ گناہگار معذب کے لئے تخفیف یا دفع عذاب اور مرحوم مغفور کے لئے رفع مراتب و ترقی درجات و مزید اجر و ثواب ہے اور کوئی شخص اس کو مشائخ کے ساتھ مخصوص نہیں جانتا۔

چودھواں طریقہ: دفن کے بعد سر ہانے فاتحہ اور پابنتی میں خاتمہ سورہ بقرہ پڑھنا

"عن عید الرحمان بن العلاء ابن اللہلاج عن ابیہ انا اوصی اذا دفن ان یقرء عند راسہ فاتحة البقرہ و خاتمتہا و قال سمعت ابن عمر یوصی بذلك" (کذا الورود القرطبی فی التذکرۃ)۔ "عبد الرحمن بن عطاء اپنے والد سے راوی کہ انہوں نے وصیت کیا کہ ان کے دفن کے بعد ان کی قبر پر سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتیں یعنی الم سے منقول تک اور خاتمہ بقرہ یعنی امن الرسول سے ختم سورہ تک پڑھا جائے اور کہا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر کو سنا کہ اس کی وصیت کرتے تھے"

شرح احیاء العلوم ص ۳۷۰ میں ہے: "وعنه قال قال لسی ابی یابنی! اذا وضعت فی لحدی فقل بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ ثم شن علی التراب شنائہم اقرء عند راسی بفاتحة البقرۃ و خاتمتہا فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ذلك"۔ "عبد الرحمن بن عطاء کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے کہا کہ میرے بیٹے جب تم مجھے قبر میں رکھو تو بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ کہہ کر رکھنا پھر آہستہ آہستہ مجھ پر مٹی ڈالنا پھر میرے سر ہانے فاتحہ بقرہ و خاتمہ بقرہ پڑھنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اس کا حکم"

فرماتے تھے۔ (رواہ الطبرانی)۔

”وَعَنْ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوهُ وَاسْرِعُوا بِهِ إِلَى قَبْرِهِ وَيَقْرَءُ عِنْدَ رَأْسِهِ بِفَاتِحَةِ الْبَقْرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتَمَةِ سُورَةِ الْبَقْرَةِ“ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فرماتے ہیں: جب تم میں کوئی شخص مرے تو اسے مت روکو اور جلدی اس کو قبر تک لے جاؤ اور اس کے سر پر ہاتھ لگاؤ اور پاؤں پر ہاتھ لگاؤ اور فاتحہ بقرہ پڑھو۔

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف جلد ۲ ص ۱۳۸۱ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”(عند راسه فاتحة البقرة) ای الی المغفلون (و عند رجليه بخاتمة) و فی نسخة خاتمة (البقرة) ای من آمن الرسول الخ قال الطیسی لعل تخصیص فاتحتها لا شتما لها علی مدح کتاب اللہ و انه هدی للمتقین الموصوفین بالخلال الحمیدة من الایمان بالغیب و اقامة الصلوة و ايتاء الزکاة و خاتمتها لاحتوائها علی الایمان باللہ و ملائکته و کتبه و رسله و اظهارا لاسکانة و طلب الغفران و الرحمة و التولی الی کشف اللہ تعالیٰ و حمايته۔“

”فاتحہ البقرہ سے مراد الم سے مفلحون تک اور خاتمہ سے مراد آمن الرسول سے آخر سورہ تک ہے۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ تخصیص فاتحہ بقرہ کی یہ وجہ ہے کہ وہ مشتمل ہے اللہ کی کتاب کی تعریف پر اور اس کا بیان ہے کہ وہ پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے جو ان صفات حمیدہ سے موصوف ہیں یعنی غیب پر ایمان لانا، نماز پڑھا کرنا، زکاۃ دینے رہنا اور خاتمہ بقرہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشتمل ہے ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتاب، ایمان بالرسل پر اور اپنی عاجزی اور طلب مغفرت و رحمت اور اللہ کی جوار اور اس کی حمایت میں آنے کا ذکر ہے۔ اس لئے فاتحہ و خاتمہ بقرہ سے سب باتوں کی یاد دہانی ہو جائے گی۔“

پندرہواں طریقہ: قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرنا کہ اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکے

”عن عمرو بن العاص قال لا یبئ و هو فی مباح الموت اذا نامت فلا تصاحبنی نالحة و لا نار فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنأتم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزو رو تقسم لحمی حتی استانس بکم واعلم ما ذالراجع رسل ربی“ (رواہ مسلم ص ۷۶ و مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)۔ امام مسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ کو اپنے انتقال کے وقت فرمایا کہ جب میں مرجاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ کوئی روئے والی عورت نہ

جائے اور نہ آگ ہو۔ جب مجھ کو دفن کر چکو تو آہستہ آہستہ مجھ پر مٹی ڈالو پھر میرے قبر کے پاس اتنے دیر تک ٹھہرو جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے تاکہ تم لوگوں کے رہنے سے انس حاصل کروں اور جانوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔“

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۲۸۱ میں فرماتے ہیں: ”(حتی استانس بکم) ای بد عسانکم واذکارکم وفراء تکم واستغفارکم۔“ تم لوگوں سے انس کا مطلب تمہاری دعا، تمہارے اذکار اور تمہاری قرأت، تمہارے استغفار سے انس حاصل کرنا ہے۔ یعنی چاہئے کہ اتنے دیر تک خاموش بیٹھ نہ رہیں بلکہ دعا کریں اللہ ورسول کا تذکرہ کریں قرآن شریف کی تلاوت کریں، مغفرت کی دعا کریں۔

علامہ نووی ص ۶۷ شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ”منہا استحباب المکث عند القبر بعد الدفن لحظۃ نحو ما ذکر فیہ ان المیت حیث یسمع من حول القبر۔“ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دفن کے بعد اتنی دیر تک جس کا بیان حدیث شریف میں ہے۔ موت میت کے لئے اور صحیح خیال و دماغ کے لئے قبر پر ٹھہرنا مستحب ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مردہ گرد و پیش کی باتیں سنتا ہے۔“

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۹ میں فرماتے ہیں: ”وقال ابو یوسف الا جری يستحب الوقوف بعد الدفن قليلا و الدعاء للمیت مستقبلا و جہہ بالشبات فيقال اللهم هذا عبدك وانت اعلم به منا ولا نعلم الا خير او قد اجلسه لتسأله اللهم فتيته بالقول الثابت في الآخرة كما تتيته في الدنيا اللهم ارحمه والحقه بنبيه ولا نفتنا بعده ولا تحرمنا اجره۔“ ”ابو یوسف جری نے کہا کہ دفن کے بعد کچھ دیر تک ٹھہرنا اور میت کے لئے اس کی طرف متوجہ ہو کر دین اسلام پر ثابت رہنے کی دعا کرنا مستحب ہے اور دعا میں یہ کہنا چاہئے کہ خداوند ایدہ تیرا بندہ ہے اور تو اس کے حال کو مجھ سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے ہم بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ اس وقت تو نے اسے سوال کے لئے بٹھایا ہے۔ خداوند تو اسے آخرت میں قول پر ثابت رکھے جس طرح دنیا میں ثابت رکھا ہے۔ میرے مولیٰ تو اس پر رحم کر اور اس کو اس کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور اس کے بعد ہمیں فتنہ میں مبتلا نہ کر اور نہ اس کے اجر سے محروم کر۔“

سولھواں طریقہ: زیارت قبور سے اہل قبر کو انس ہوتا ہے

زیارت قبور کرنا خصوصاً اپنے اعزاء و اقارب اور جانے پہچانے شخص کی قبر پر جانا کہ اس سے مردہ کو انس حاصل ہوتا ہے۔

علامہ تقی الدین سبکی شفاء السقام ص ۶۵ و امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں تحریر فرماتے ہیں، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انس ما یكون الميت فی قبره اذا زاره من كان یحبہ فی دار الدنیا“۔ ”قبر میں مردہ کا زیادہ جی بھلنے کا وہ وقت ہوتا ہے جب زیارت کو وہ شخص آئے جسے دنیا میں دوست رکھتا تھا“۔

ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں حضرت امام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”ما من رجل یزور قبر احیہ ویجلس علیہ استانس ورد علیہ حتی یقوم“۔ ”جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کو جائے اور اس کے پاس بیٹھے تو وہ مردہ اس سے انس حاصل کرتا ہے۔ اس کا دل اس کے بیٹھنے سے بھلتا ہے اور جب تک وہ شخص اس کے پاس سے اٹھے، اس کا جواب دیتا ہے“۔

ابوالشیخ ودیلمی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں: ”ما من رجل یزور قبر احیہ فیسلم علیہ ویقع عندہ لر دعلیہ السلام و انس بہ حتی یقوم من عندہ“۔ ”جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کو جائے اور اسے سلام کرے اور اس کے پاس بیٹھے تو اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس مردہ کا اس سے جی بھلتا ہے، جب تک کہ وہ شخص اس کے پاس سے اٹھ آئے“۔

تہذیبی ابوالدرداء ہاشم بن محمد سے راوی ہیں: ”قال سمعت رجلا من اهل العلم یقول انه کان یزور قبر ایہ قطال علیہ ذلک قال فقلت ازور التراب فارشہ فی منامی فقال یا بنی! مالک لا تفعل کما کنت تفعل فقلت انزور التراب فقال لا تقل ذلک یا بنی! فواللہ لقد کنت تشرف علی فیشرنی بلک جیرانی ولقد کنت تنصرف فما ازال اراک حتی تدخل الکوفۃ“ (شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷) ”ہاشم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے ایک اہل علم کو کہتے سنا کہ وہ اپنے والد کی قبر کی زیارت کو برابر جایا کرتے تھے۔ جب زمانہ دراز ہوا تو انہوں نے کہا کہ مٹی کی زیارت کو جاؤں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا، فرماتے ہیں: اے میرے بیٹے! تم اب زیارت کو کیوں نہیں آتے جس طرح پہلے آیا کرتے تھے؟ میں نے کہا کہ کیا میں مٹی کی زیارت کے لئے آؤں؟ والد صاحب نے فرمایا نہیں بیٹا ایسا نہ کہو۔ خدا کی قسم! تم جس وقت آتے ہوئے دکھائی دیتے تھے، اس وقت میرے پڑوسی تمہارے آنے کی مجھے بشارت و خوشخبری دیتے تھے اور جب تم واپس ہوتے تھے میں تم کو برابر دیکھتا رہتا تھا، یہاں تک کہ تم کو قہر میں داخل ہو جاتے تھے“۔

شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷ میں ہے: ”وروی ابضا عن الفضل ابن الموفق ابن خال سفیان بن عیینہ قال لسمات ابی جزعزت جزعاشدیدا فکنت آتی قبرہ فی کل یوم ثم انی قصرت عن ذلک فرائتہ فی النوم فقال یا بنی! ما یظنک عنی قلت وانک تعلم بمعینی فان ما جئت مرۃ الا غلبتہا وقد کنت

تانیسی فاسرینک و یسرمن حولی جلد عائشہ قال فکست اتیہ بعد کثیراً۔

”فضل بن موفی سفیان بن عیینہ کے ماموں زاد بھائی کہتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا، میں سخت غمگین اور پریشان ہوا۔ بہت زیادہ جزع فزع کیا تو میں ہر روز ان کے قبر کی زیارت کو جاتا تھا پھر میں نے اس میں کچھ کوتاہی کی تو ان کو خواب میں دیکھا تو فرمایا اے میرے بیٹے! کیوں تجھے مجھ سے دیر ہونے لگی؟ میں نے کہا کہ کیا آپ کو میرے آنے کا علم ہوتا ہے؟ فرمایا نہیں آئے تم کبھی مگر میں نے جانا یعنی جب جب تم آئے مجھے ضرور اس کا علم ہوا اور جب تم آتے تھے تو میں تمہارے آنے کی وجہ سے خوش ہوتا تھا اور تمہاری دعا کی وجہ سے میرے گرد و پیش کے لوگ سرور ہوتے تھے۔ فضل بن موفی نے کہا کہ یہ سن کر میں بہت زیادہ جانے لگا۔“

اسی شرح احیاء العلوم میں دوسری جگہ مذکور ہے: ”قال الحافظ ابو طاهر السلفی سمعت ابا البرکات عبد الواحد بن عبد الرحمن ابن غلاب السوسی بالاسکندریہ يقول سمعت والدتی تقول رایت امی فی المنام بعد موتھا وھی تقول یا بنی! اذا جئنی زائرة فاقعدی عند قبری ساعة اتسلی من النظر الیک ثم یرحمی علی النع“۔“ حافظ ابو طاهر سلفی کہتے ہیں کہ میں نے ابو البرکات عبد الواحد سوسی سے اسکندریہ میں سنا وہ کہتے تھے: میں نے اپنی والدہ سے سنا کہ میں نے اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا وہ کہتی تھیں کہ میری بیٹی! جب تو میری زیارت کے لئے میرے پاس آیا کر تو ایک گھنٹہ میری قبر کے پاس بیٹھی رہتا کہ میں جی بھر کر تجھ کو دیکھوں پھر میرے لئے رحمت کی دعا کر۔“ واللہ الموفق۔

سترھواں طریقہ: اخیر شب قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعا کرنا

”عن عائشہ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلما کان لیلتها من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج من آخر اللیل الی البقیع فیقول السلام علیکم دار قوم من منین واتاکم ماتو عدون غدامو حلون وانا انشاء اللہ بکم لاحقون اللهم اغفر لاہل البقیع العرقہ“ (رواہ مسلم ص ۳۱۲) ”مسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری باری میں تشریف لاتے، اخیر شب مدینہ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع تشریف لے جاتے اور فرماتے تم پر سلام ہوا اے گھر مسلمانوں کے اور جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے کل تمہارے پاس وہ چیز آئے گی اور انشاء اللہ ہم تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ خداوند البقیع العرقہ والوں کے گناہ کو تو بخشدے۔“

علامہ نووی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”لحمہ قصیلۃ الدعاء آخر اللیل و فضیلۃ زیارۃ قبور البقیع

۔“ اس حدیث سے اخیر شب میں دعا کرنے کی خوبی بقیع والوں کی قبور کی زیارت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔“

”و عن عائشة قالت الا احد ثکم عتی و عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قلنا بلی
 قالت لما کانت لیلتی الی کان النبی صلی الله علیه وسلم فیها عندی انقلب فوضع رداءه و خلع
 نعلیه فوضعهما عند رجلیه و یسط طرف ازراه علی فراشه فاضطجع فلم یلبث الا ریش ماظن ان قدر
 قدرت فاحذر دانه روید او انتعل روید او فتح الباب روید افخرج ثم اجانه روید افجعلت درعی فی
 راسی و احسرت و تقسفت ازاری ثم انطلقت علی اثره حتی جاء البقیع فقام القیام ثم رفع یدیه
 ثلاث مرات ثم انحرف فانحرفت فاسرع فاسرعت فهورل فهورلت فاحضرفا حضرت فسبقته فد
 خلعت فلبس الا ان اضطجعت فدخل فقال یا لک ما عائشة حشیار ایه قالت قلت لا شی قال
 لتخیرینی اولیخیرینی اللطیف الخیر۔ قالت قلت یا رسول الله! بابی انت و امی فاخبرته قال فانت
 السواد الذی رانت امامی قالت نعم فلهدنی فی صدری لهدیه او جعلت ثم قال اظننت ان یحیی
 الله علیک و رسولہ قالت مهما یکتم الناس بعلمہ الله نعم قال فان جبرئیل اتانی حین رانت فنا
 دانی فاحفاه منک فاحبته فاحبته منک ولم یکن یدخل علیک وقد وضعت ثیابک و ظننت ان
 قدر قدرت فکهرت ان او قظک و خشیت ان تستوحشی فقال ان ربک یا مرک ان تاتی اهل البقیع
 فتستغفرلهم قالت قلت کیف اقول لہم یا رسول الله! قال قولی السلام علی اهل الدیار من
 المؤمنین و المسلمین و یرحم الله المستقد مین متاوا المستأخرین و انا انشاء الله بکم للاحقون (

رواہ مسلم جلد اول ص ۳۱۳)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی، انہوں نے کہا کہ کیا میں خبر نہ دوں اس بات کی جو مجھ میں اور رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی۔ ہم لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ یعنی آپ ہمیں ضرور خبر دیں۔ کہا کہ جب وہ رات ہوئی
 جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف فرما تھے تو آپ مردانہ سے یہاں آئے تو اپنی چادر رکھی اور نعلین
 اتاری اور ان دونوں کو پانچٹی میں رکھا اور اپنی تہبند کا ایک حصہ اپنی بچھاؤن پر بچھایا اور لیٹ گئے پس نہیں ٹھہرے مگر فقط
 اتنی دیر کہ حضور نے خیال کیا میں سو رہی۔ پس اپنی چادر آہستہ آہستہ لی اور آہستہ آہستہ جوتا پہنا اور آہستہ دروازہ کھولا پھر
 باہر تشریف لے گئے اور آہستہ سے دروازہ بند کر دیا پس میں نے اپنی چادر سر پر رکھی اور اوڑھنی اوڑھی، تہبند باندھا اور
 حضور کے پیچھے پیچھے ہوئی، یہاں تک کہ حضور بیچ تشریف لائے پس دیر تک وہاں ٹھہرے پھر دونوں ہاتھوں کو تن سر پہ
 دعا کے لئے اٹھا یا پھر حضور راہ سے الگ ہوئے، تو میں بھی راہ سے الگ ہوئی، حضور تیز چلے تو میں بھی تیز چلی، حضور
 دوڑے تو میں بھی دوڑی، پس مکان تشریف لائے تو میں بھی مکان آئی، پس ذرا پہلے پہنچی اور مکان میں داخل ہوئی تو

فقط اتنی ہی دیر ہوئی کہ میں لیٹی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میرے سانس پھول رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ: کیا حال ہے؟ تمہاری سانس چڑھ رہی ہے اور پیٹ پھولا ہوا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا کچھ نہیں۔ ارشاد ہوا یا تو تم مجھے خیر دو ورنہ خداوند علیم و خیر مجھے دے گا۔ حضرت عائشہ نے کہا میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان کہہ کر میں سارا حال بیان کر دیا۔ حضور نے فرمایا تم میرے آگے آگے آرہی تھی؟ میں نے کہا ہاں! پس میرے سینہ میں ایک دو قطرہ حضور نے مارا جس سے مجھے تکلیف ہوئی پھر ارشاد ہوا کیا تمہارا گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا (جب تک بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادی) تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اقرار کیا اور کہا کہ انسان جس چیز کو چھپائے خدا اس کو جانتا ہے۔ ہاں میرا ایسا ہی خیال ہوا تھا کہ حضور اور کسی بی بی کے یہاں تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جبرئیل آئے جس وقت تم نے مجھے دیکھا تو جبرئیل نے مجھے آواز دی اور اس کو تم سے پوشیدہ کیا تو میں نے جواب دیا اور تم سے چھپایا اور جب تم سونے کے لئے لیٹی ہو، اس وقت اندر نہیں آئے، میرا خیال ہوا کہ تم سو گئی، اس لئے میں نے تمہیں جگانا ناپسند کیا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ تمہائی کی وجہ سے تم کو پریشانی ہوگی۔ جبرئیل نے کہا کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ جنت البقیع تشریف لے جائیں اور ان لوگوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! اگر ہم زیارت کے لئے جائیں تو کیا کہیں؟ ارشاد ہوا کہ تم اس طرح کہو السلام علی اہل الدنیا من المؤمنین والمؤمنات۔

علامہ نووی شرح مسلم میں اس کے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں: ”فیہ دلیل لمن حوز النساء زیارة القبور و فیہا خلاف للعلماء“۔ ”جو لوگ عورتوں کے لئے زیارت جائز جانتے ہیں، یہ حدیث ان کو دلیل ہے اور اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے۔“

اشھار حواں طریقہ: جمعہ، جمعرات کے دن والدین اور بزرگوں کے قبر کی زیارت کی تخصیص

ابن ابی الدنیا اور بیہقی شعب الایمان میں محمد بن واسع سے راوی ہیں کہ وہ جمعہ کے دن زیارت قبور کو جایا کرتے تھے۔ کسی نے کہا کہ اگر دو شنبہ تک ملتوی کرتے تو اچھا ہوتا آپ نے کہا: ”بلغنی ان الموتی یعلمون بزرارہم یوم الجمعة و یوما قبلہ و یوما بعدہ“۔ ”مجھے حدیث پہونچی ہے کہ مردے اپنے زیارت کرنے والوں کو جانتے ہیں جمعہ کے دن اور ایک دن قبل اور ایک دن بعد۔“

شرح احیاء العلوم ص ۳۳۶ میں ہے: ”علمائے کرام فرماتے ہیں یوں جانتا تو ہر روز اور وقت ہوتا ہے لیکن جمعہ کی بزرگی سے ان تین دنوں میں علم وسیع و کثیر ہوتا ہے۔“

طبرانی معجم اوسط وصغیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن ابی الدنیا کتاب القبر اور بیہقی شعب الایمان میں محمد بن العثمان سے مرسل راوی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”من زار قبور ابویہ او احدہما فی کل جمعة غفر الہ و کتب برًا“۔ ”جو شخص اپنے ماں باپ یا دو میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت جمعہ کے دن کیا کرے، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور خدا کے یہاں وہ نیکو کار لکھا جائے گا“۔

اور ظاہر ہے کہ بار (فرماں بردار) و مغفور کی دعا قبول ہوتی ہے تو جو شخص جمعہ کے دن والدین کی قبر کی زیارت کو جائے اور ان کے لئے دعا و استغفار کرے تو وہ دعا بوجہ اس شخص کے مغفور ہونے کے ارثی بالقبول ہے۔

”قال رجل من آل عاصم الجحدری رأت عاصمافی منامی بعد موتہ لستین و فبی رواية لستین فقلت لیس قد مت قال بلی فقلت ہاین انت قال اتاواللہ فی روضة من ریاض الجنة اتا و ففر من اصحابی یجتمع کل لیلۃ جمعة و صبیحتہا الی ابی بکر بن عبد اللہ العزنی فلا فی الخبر کم قلت اجسا مکم ام اروا حکم قال ہیہا ت بلیت الاحسام و اتما فلا فی الارواح قال قلت فہل تعلمون بزیارتنا ایاکم؟ قال نعم تعلم بہا عشیۃ الجمعة و یوم الجمعة کلہ و یوم السبت الی طلوع الشمس قلت و کیف ذلک دون الایام کلہا قال بفضل یوم الجمعة و عظمہ“۔ (رواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب القبر والبیہقی شعب الایمان)

”آل عاصم جحدری سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے عاصم کو ان کے انتقال سے دو برس یا کئی سال بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ کیا آپ کا انتقال نہیں ہوا؟ کہا کیوں نہیں۔ پوچھا کہ آپ کہاں ہیں؟ کہا بخدا ہم جنت کی کیاریوں سے ایک کیاری میں ہے۔ میں اور میرے چند احباب ہم سب لوگ ہر شب جمعہ و صبح جمعہ کو ابو بکر بن عبد اللہ مرتی کے پاس جمع ہوتے ہیں تو تمہاری خبریں پاتے ہیں۔ اس خواب دیکھنے والے نے کہا کہ ہم لوگوں کی زیارت کرنے کو آپ جانتے ہیں؟ کہا ہاں! شب جمعہ اور تمام دن جمعہ اور سنیچر کو طلوع آفتاب تک۔ میں نے کہا کہ اور دنوں سے ان دنوں کی خصوصیت کیا ہے؟ بولے: جمعہ کی فضیلت اور بزرگی کی وجہ سے۔“

”وقال الضحاک من زار قبر ایوم السبت قبل طلوع الشمس علم المیت بزیارۃ قبل لہ کیف ذاک قال لمکان یوم الجمعة“۔ (رواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب القبر والبیہقی شعب الایمان)۔ ”ضحاک نے کہا جو شخص شبہ کے دن قبل طلوع آفتاب کسی قبر کی زیارت کو جائے تو وہ مردہ اس کو جان لیتا ہے۔ کسی نے کہا یہ کیوں کر؟ کہا روز جمعہ کی برکت سے۔“

”عن عثمان بن سودة و کانت امة من العابدات و کان یقال لہا راحة قال لمامات کشت

آتیہا فی کل جمعة فادعولہا و استغفر لہا و لا ھل القبور فراء یتھا لبلۃ فی منامی فقلت یا امہ! کیف انت فقالت یا بنی ان السموت لشدید کربة و انا بحمد اللہ فی برزخ محمود افترش قیہ الریحان و اتوبد قیہ السندس و الا ستبرق فقلت الک حاجة؟ قالت نعم۔ فقلت ماہی؟ قالت لا تدع ما تصنع من زیارتنا و الدعاء لنا فانی انس بمحبتک یوم الجمعة اذا قبلت من اھلک زائرا فاب شرو یشتر بذلک من حولی من الاموات“ (رواہ ابن ابی العنیا و البیہقی شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷ جلد ۱۰)

”عثمان بن سودہ سے روایت ہے اور ان کی ماں عابدہ تھیں جن کو لوگ راہیہ کہا کرتے تھے۔ عثمان نے کہا کہ جب ان کا انتقال ہوا تو میں ہر جمعہ کو ان کی زیارت کے لئے جاتا تھا اور ان کے اور قبرستان والوں کے لئے دعا و استغفار کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ان کو خواب میں دیکھا۔ کہا اے ماں! آپ کس طرح ہیں؟ کہا اے میرے بیٹے! موت کی تکلیف سخت ہے اور خدا کے فضل سے میں پسندیدہ مقام میں ہوں یہاں ریحان کا پتھاؤں ہے، سندس و استبرق کے گاؤں تکیے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو کسی بات کی خواہش ہے؟ بولیں ہاں! پوچھا کیا؟ کہا کہ تم جو میری زیارت و دعا کو آیا کرتے ہو، اس کو کبھی نہ چھوڑنا۔ تمہارے جمعہ کے دن آنے سے مجھے افس ہوٹا ہے، دل بہکتا ہے۔ جب تم اپنے گھر سے میری زیارت کو آتے ہو تو مجھے خوشی ہوتی ہے اور میرے گرد و پیش جو مروے ہیں، سب مجھ کو اس کی خوشخبری سناتے ہیں۔“

انیسواں طریقہ: سال بہ سال ہر سرے سال پر زیارت کو جانا

”عن عیاد بن ابی صالح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتنی قبور الشہداء باحد علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار قال و جاء ہا ابو بکر ثم عمر ثم عثمان رضی اللہ عنہم فلما قدم معاویۃ بن ابی سفیان حاجا جاء ہم قال و کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا واجہ الشعب قال سلام علیکم بما صبرتم فنعم اجر العاملین“۔ (رواہ ابن ابی شیبہ و فاء الوفا جلد ۲ ص ۱۳۳)

”ابن ابی شیبہ نے عیاد بن ابی صالح سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور کی زیارت کو تشریف لایا کرتے اور سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار فرماتے۔ راوی نے کہا حضور کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آیا کرتے تھے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے لئے آئے اور مدینہ طیبہ پہنچے تو ان کے پاس آئے۔ راوی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب گھائی کے سامنے آتے تو سلام علیکم بما صبرتم فنعم اجر العاملین فرماتے۔“

”و عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتى احدا کل عام فاذا تموا الشعب سلم علی قبور الشهداء فقال سلام علیکم بما صبرتم فنعیم عقبی الدار“۔ رواہ ابن المنذر و ابن مردويه۔ ”ابن منذر و ابن مردويه حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کوہ احد تشریف لایا کرتے۔ جب گھائیاں سانسے آتیں تو شہدائے احد کی قبروں کو سلام کرتے اور سلام علیکم بما صبرتم فنعیم عقبی الدار فرمایا کرتے۔

”و عن محمد بن ابرہیم قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتى قبور الشهداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعیم عقبی الدار و ابو بکر و عمر و عثمان (رواہ ابن جریر)۔“ ”ابن جریر محمد بن ابراہیم سے راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سترے سال پر شہدائے احد کی قبر پر تشریف لایا کرتے اور ان کو سلام کرتے اور اسی طرح حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین بھی کرتے۔“

ان احادیث میں اگرچہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لئے جانا ثابت ہے مگر یہ طریقہ چاروں خلفاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۲۹۵ میں فرماتے ہیں: ”و عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه کان یاتى قبور الشهداء راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعیم عقبی الدار الحلفاء الاربعة هنکذا کانوا یفعلون“۔ ”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سترے سال پر شہدائے احد کی قبر پر تشریف لاتے اور سلام فرماتے سلام علیکم بما صبرتم فنعیم عقبی الدار اور خلفائے اربعہ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔“

”و روی ابن ابی شیبہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتى قبور الشهداء باحد علی راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعیم عقبی الدار“۔ ”ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سترے سال پر شہدائے احد کی قبر پر تشریف لے جاتے اور سلام فرمایا کرتے۔“ (رد المحتار جلد اول ص ۸۳۳)

فقیر غفرلہ المولی القدیہ کہتا ہے کہ ان حدیثوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین کا دستور کہ ہر ستر سال شہدائے احد کی قبر پر تشریف لے جایا کرتے اور ان پر سلام کرتے، مسلمانوں کے اس فعل حسن و مندوب کی دلیل اور اصل اصیل ہے کہ ہر سال بزرگان دین کا عرس کرتے اور لوگ سال بسال بزرگوں کے مزاروں پر حاضر ہوا کرتے، سلام، دعا، استغفار و تلاوت قرآن شریف، صدقہ و تقسیم شری و اطعام طعام کا ثواب ان لوگوں کو ایصال کرتے

ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالحکیم صاحب پنجابی کے اس اعتراض:

”وعرس بزرگان خود بر خود مثل فرض دانستہ سال بہ سال بر مقبرہ اجتماع کردہ، طعام و شیرینی در آنجا تقسیم نمودہ
مقابلہ راوشنا بعدی کنند۔“ اپنے بزرگوں کے عرس میں خود پر فرض سمجھ کر ہر سال مزار پر جمع ہو کر وہاں کھانا اور شیرینی تقسیم
کر کے قبروں کو بتوں کی طرح پوجتے ہیں۔“ کے جواب میں جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں:-
”قولہ عرس بزرگان خود در آن طعن مبنی است بر جہل یہ احوال مطعون علیہ۔ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ راجحہ کسی
فرض نمی دانند۔ آری زیارت و تہنیک بقبر صحابہ و ائمہ اہل بیت و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و
شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء و تعیین روز عرس برائے آنست کہ آن روز مذکور انتقال ایشان می باشد از دارالعمل
بدارالثواب والا ہر روز کہ این عمل واقع شود، موجب فلاح و نجات است و خلف را لازم است کہ سلف خود را بایں نوع
برو احسان نمایند چنانچہ در احادیث مذکور است کہ ولد صالح یدعیلہ۔“

”اپنے بزرگوں کے عرس کو اس طرح یہ اعتراض، اعتراض کئے ہوئے مسئلہ کے حالات نہ جاننے پر مبنی ہے۔ اس
لئے کہ بجز شرعی فرائض مقررہ کے کوئی شخص عرس کو فرض نہیں جانتا ہے۔ ہاں صلحا کے عزارات سے صرف شرکت اور
زیارت اور ان کی امداد (ان کو ثواب تلاوت قرآن و دعائے خیر کھانا تقسیم کر کے اور شیرینی تقسیم کر کے) حاصل کرنا
مستحسن اور امر خیر ہے جیسا کہ علماء کے اجماع سے ثابت ہے۔ البتہ عرس کا دن مقرر کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ دن محض
ان کے دنیا سے دار آخرت کے جانب منتقل ہونے کا دن یا درکھا جائے ورنہ جس دن بھی یہ عمل واقع ہو باعث فلاح و
نجات ہے اور خلف پر واجب ہے کہ اپنے سلف کے لئے اس طرح پر نیکی کرے جیسا کہ احادیث میں ذکر کیا گیا ہے:
نیک اولاد وہ ہے جو اپنے سلف کے لئے دعا کرے۔“

اس کے بعد امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر ”در منثور“ سے ابن منذر اور ابن مردودہ کی حدیث براویت انس رضی
اللہ عنہ اور حدیث ابن جریر بروایت محمد بن ابراہیم جو ابوہریرہؓ پر مذکور ہوئیں سند میں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو رسالہ زیلۃ النصائح فی
سائل الذبائح ص ۳۲۔

یہی سواں طریقہ۔ ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مردے کو بخشا کہ اس سے امید مغفرت ہے

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۱۰۲ میں فرماتے ہیں: ”قال الشیخ محی الدین بن
العربی اتہ بلغنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتہ قال من قال لا الہ الا اللہ سبعین الفاعفر اللہ تعالیٰ
لہ و من قبل لہ غفر لہ ایضا فکنست ذکر التہلیلۃ بالعدد المرووی من غیر ان انوی لا حد
بالحصول فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب و فیہم شاب مشہور بالکشف فاذا هو فی اثناء

الاکمل اظهر البكاء فسألته عن السبب فقال ارى امي في العذاب فوهبت في باطنی ثواب التهليلة المذكورة لها فاضحك فقال انی اراها الآن فی حسن المآب فقال الشيخ فعرفت صحة الحديث بصحة كشفه و صحة كشفه بصحة الحديث“۔

”سیدی شیخ اکبر محی الدین بن عربی نے فرمایا: مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پہونچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لئے اتنے مرتبہ کہا جائے اس کی مغفرت ہو۔ میں نے لا الہ الا اللہ اتنی بار پڑھا تھا اور اس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ کی تھی۔ اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا۔ ان میں ایک نوجوان کے کشف کا شہرہ تھا۔ کھانا کھاتے کھاتے وہ رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا۔ کہا اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ فوراً جوان ہنسنے لگا اور کہا کہ اب میں اپنی ماں کو اچھی جگہ دیکھتا ہوں۔ امام محی الدین بن عربی قدس سرہ فرماتے ہیں: تو میں نے حدیث کی صحت اس نوجوان کے کشف کی صحت سے پہچانا اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی۔“

حضرت شیخ مجدد الف ثانی مکتوبات جلد ۲ ص ۲۷ مکتوبات چہارم میں فرماتے ہیں: ”بیاراں و دوستان فرمایند کہ ہفتاد ہفتاد ہزار بار کلمہ لا الہ الا اللہ بروحانیت اخوی خواجہ محمد صادق و روحانیت مرحومہ بمشیرہ اوام کلثوم بنوا مند و ثواب ہفتاد ہزار بار بروحانیت یکے بخشند و ہفتاد ہزار بار دیگر بار بروحانیت دیگرے۔ از دوستان دعا و فاتحہ مسئل ست (الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المجدوم)“۔ ”ساتھیوں اور احباب سے فرمائیں کہ ستر ستر ہزار بار کلمہ لا الہ پڑھ کر خواجہ محمد صادق کے دونوں بھائیوں کو بخشیں اور اپنی بہن ام کلثوم مرحومہ کی روح کے لئے پڑھیں اور ستر ہزار بار کا ثواب ایک کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار پھر پڑھ کر دوسرے کی روح کو بخشیں۔ کیونکہ دوستوں ہی سے دعا اور فاتحہ کا سوال ہے۔“

ملفوظات حضرت سید جلال الدین محمد دوم جہانیاں رضی اللہ عنہ ج ۱ ص ۱۶۷ میں ہے۔ ذکر اموات یعنی مردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: حدیث صحاح ہے۔ ”من قال لا الہ الا اللہ مائة الف مرة وجعل الثواب للميت غفر الله لذلك للميت وان كان موجبا للعقوبة“۔ ”جو شخص لا الہ الا اللہ ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب مردے کو بخشے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کو بخش دے اگرچہ وہ عقوبت کا مستحق ہو۔“

اسی میں ہے: ”فرمایا کہ میت والوں پر واجب ہے کہ ایک لاکھ بار کلمہ پڑھیں اور اس طرف رسم ہے کہ جو کوئی مرتا ہے اس کے واسطے کہتے ہیں۔“

اسی میں ص ۱۶۸ پر ہے: ”بعد اس کے فرمایا کہ دعا گو نے واسطے برادر دم حاجی دین محمد کے ایک لاکھ بار لا الہ الا اللہ کہا۔ میرا ایک یار ہے اوچھ سے برابر آتا ہے اور مجھ سے تعلق و بیعت رکھتا ہے اور اوراد شیخ کبیر نگاہ میں رکھتا

ہے۔ اس نے دعا گو سے کہا کہ میں نے محمد حاجی کی قبر کو دیکھا کہ اس کو روشن و فراخ کر دیا۔“

اسی کے جلد ۲ ص ۲۶۳ پر ایک عمل حدیث صحاح کا ہے: ”قوله عليه الصلاة والسلام من قال لا اله الا الله مائة الف مرة وجعل الثواب للميت غفر له وان كان مو حيا للعقوبة“۔ ”جو کوئی لا الہ الا اللہ کو سو ہزار یعنی ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب میت کو بخشے تو وہ میت بخشا جائے اگرچہ لائق عقوبت ہی کیوں نہ ہو۔“
فرمایا کہ مدینہ منورہ میں سو بیس ہزار ہزار دانہ کی بنا کر صندوق میں رکھی ہیں۔ سو آدمیوں کو دیتے ہیں وہ لوگ کلمہ طیب پڑھتے ہیں اور میت کو ثواب بخش دیتے ہیں۔ ذرا دیر میں تمام ہو جاتا ہے۔ دعا گو نے بھی ہزار دانے کی بیس جمع کی ہے۔ اس جگہ جو میں بعض زیارتوں میں گیا تو اسی پر عمل کیا۔ مجرب ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس جگہ بھی معمول ہو جائے گا۔

شیخ مدرسہ دیوبند جناب مولوی محمد قاسم صاحب سے کون واقف نہیں۔ اپنی مشہور کتاب تہذیر الناس ص ۳۸ میں لکھتے ہیں: ”حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو برو سے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار کلمہ پڑھا تھا۔ یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے، اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی مگر بخشے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی۔“

فقیر غفرلہ المولیٰ القدر کہتا ہے کہ یہ حدیث اور علما کی تحریر، مسلمانوں کے اس عمل خیر کی اصل ہے کہ میت کے لئے تیسرے یا چوتھے دن جمع ہو کر قرآن شریف کے علاوہ لا الہ الا اللہ ستر ہزار یا ایک لاکھ بار پڑھتے اور میت کو اس کا ثواب بخشتے ہیں تاکہ من قبلہ کے تحت اس کی مغفرت ہو ورنہ از انجا کہ ستر ہزار مرتبہ پڑھنے کے لئے بہت سی تسبیحوں کی ضرورت ہوگی جس کا ہر جگہ ملنا سخت دشوار ہے۔ اس لئے آسمانی کے خیال سے چنانہ کا شمار دانہ بناتے ہیں جو بعد کو یا تو پڑھنے والوں میں تقسیم کر دیتے ہیں یا فقر پر تصدق کر دیتے ہیں کہ ساتھ ساتھ صدقہ کا بھی میت کو ثواب پہنچے۔

اکیسواں طریقہ: قرآن شریف پڑھ کر بخشا

اب رہا یہ کہ اس کے لئے کسی سورہ کا پڑھنا خاص طور پر بھی آیا ہے یا جو سورہ یا آیت پڑھ کر اس کا ثواب بخشیں کافی ہے؟ تو کافی ہونے کے لئے تو سب کافی ہے۔

”عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرء حرفا من کتاب اللہ قلبہ بہ حسنة والحسنة بعشر امثالہا لا اقول لکم الم حرف و لکن الف حرف و لام

حرف و میم حرف۔ (رواہ الترمذی والحاکم والبخاری فی التاریخ) کما هو مصرح فی الروایۃ الاخری: اقرءوا القرآن فانکم تو حرون علیہ اما انی لا اقول الم حرف ولكن الف حرف عشر ولام حرف عشر و میم حرف عشر فتلك ثلاثون رواہ ابو جعفر النحاس فی الوقف الابتداء والمنجری فی الابانۃ والخطیب فی التاریخ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

”امام ترمذی اور حاکم و بخاری تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک حرف قرآن شریف کا پڑھے، اس کو ایک حسہ ملے گا اور ایک حسہ کا ثواب دس گنا ہے۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، میم ایک حرف ہے تو جو شخص فقط الم پڑھے گا اس کو تیس ٹیکیاں ملیں گی۔ ابو جعفر نحاس کتاب ”الوقف والابتداء“ اور منجری کتاب ”الابانۃ“ اور خطیب بغدادی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قرآن شریف پڑھا کرو کہ تم کو اس کا اجر دیا جائے گا۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے، لام ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے، میم ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے تو یہ تیس ثواب ہوئے۔“ (کنز العمال جلد ۱ ص ۱۳۰)

سب سے بہتر تو یہ ہے کہ قبر پر جا کر ایک ختم کامل کرے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب لیث بن سعد کی قبر کی زیارت کو گئے تو ان کی تعریف کی اور ایک ختم قرآن شریف کیا اور فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ یہ کار خیر ہمیشہ جاری رہے اور ان کے فرمانے کے مطابق ہوا۔ کما مر عن شرح الاحیاء نقلاً عن القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم للعلامة شمس الدین المعروف بابن القطان اور ہندوستان میں بھی بعض بعض شہروں میں مروج ہے مثلاً بریلی شریف میں عرصہ تیس یا بیس سال سے ہر جمعہ کے دن مزارات خاندان اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز پر جا کر طلبائے مدرسہ منظر اسلام و اہل شہر دو ختم قرآن شریف کر کے اس کا ثواب پہنچاتے ہیں اور وہاں سے بہت پہلے تقریباً سو سال سے ہدایوں مزارات خاندان جناب تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر محبت الرسول قدس سرہ پر اہل شہر و طلبائے مدرسہ قادریہ جا کر جمعہ کو دو ختم قرآن شریف کیا کرتے اور اس کا ثواب ان بزرگوں کو بخشتے ہیں اور انصار کرام کا دستور العمل بھی حدیثوں سے ثابت ہے:

”انصرح الخلال فی الجامع عن الشعبي قال اکانت الانصار ادامات لهم المیت اختلفوا الی قبره یقرءون القرآن۔“ ”انصار کے یہاں جب کوئی مرے تو لوگ اس کی قبر پر جاتے اور قرآن شریف پڑھتے۔“ (مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۸۲)

”وقتی شرح الباب و یقرء من القرآن ما تیسر له من الفاتحة و اول البقرة الی المنطعون و آتية

الکرسى و آمن الرسول و مسوره يس و تبارك الملك و سورة التكاثر و الاخلاص اثني عشرة مرة او احدى عشر او سبعا او ثلثا ثم يقول اللهم او صل ثواب ما قرءناه التي قلان او اليهم (رد المحتار جلد اول ص ۸۸۴)۔ ”شرح لباب میں ہے اور پڑھے جو آسان ہو قرآن سے مثلاً سورہ فاتحہ، اول بقرہ، مفلحون تک، آیہ الکرسی، آمن الرسول، سورہ یس، تبارک الملک، سورہ تکوثر، سورہ اخلاص ۱۲ یا ۱۱ یا ۳ بار پھر کہے خداوند جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں شخص یا ان لوگوں کو پہونچا“۔

اور بعض بعض سورتیں کہ خاص طور پر حدیث شریف میں جن کے پڑھنے کا ثواب مذکور ہے، ان سورتوں کا پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد کے سبب بہت زیادہ باعث اجر ثواب ہے اور وہ بھی بہت ہیں جن میں بعض بعض اس جگہ لکھی جاتی ہیں۔

(الف) ”عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من مر علی المقابر فقرأ قل هو اللہ احد، احد عشر مرة ثم وهب اجر هاتلا موات اعطی الا اجر بعدة الاموات“ (رواہ الدار قطنی عینی شرح ہدایہ جلد ۲ ص ۱۶۱۱ و شامی جلد ۲ ص ۲۴۳) ”دار قطنی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں گزرے اور گیارہ مرتبہ قل هو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے، اس کو ان مردوں کی بدولت ان مردوں کے برابر ثواب ملے“۔

(ب) ”عن عبد اللہ ابن عمر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول اذا مات احدکم فلا تحبسوه واسرعوا به التي قبره والیقرء عند راسه فاتحة البقرة و عند رجليه خاتمة البقرة۔ رواه السهقي عن شعب الایمان وقال والصحيح انه موقوف عليه“۔ ”تہذیب شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی مرے تو اس کو مت روکو اور جلد قبر تک اس کو پہونچاؤ اور اس کے سر ہاتے ابتداء سورہ بقرہ، مفلحون تک اور پاؤں میں خاتمہ بقرہ یعنی آمن الرسول سے آخر تک پڑھا کرو۔ یہ حدیث اگرچہ صحیحی نے مرفوعاً روایت کی مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر پر موقوف ہے“۔

(ج) ”عن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دخل المقابر ثم قرء فاتحة الكتاب و قل هو اللہ احد و الھکم التکاثر ثم قال انی جعلت ثم اب ما قرئت من کلامک لا ھل المقابر من المؤمنین کما نوا شفعاء له التي اللہ تعالیٰ رواه ابو القاسم سعد بن علی الزنجانی فی فتاویٰ (مرقات جلد ۲ ص ۳۸۲)۔ ”ابو القاسم سعد بن علی زنجانی اپنے فتاویٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص قبرستان جائے پھر سورہ فاتحہ، قل هو اللہ احد، الحکم التکاثر

پڑھے پھر کہے خداوند اچھے میں نے تیرا کلام پڑھا، اس کا ثواب مقبرہ والے مسلمان مرد اور مسلمان عورت کو نذر کیا تو وہ لوگ خداوند عالم کے یہاں اس کے سفارشی ہوں گے۔“

(د) ”عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من دخل المقابر فقرأ سورہ یس خفف اللہ عنهم وکان لہ بعد من فیہا حسنات رواہ عبد العزیز صاحب الخلال بسندہ۔“ ”عبد العزیز صاحب خلال نے اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان جائے اور سورہ یس پڑھے، اللہ تعالیٰ ان مردوں سے مواخذہ پا کا فرمائے اور جس قدر مردے اس قبرستان میں ہیں ان کی تعداد کے مطابق اس شخص کو نیکیاں ملیں گی۔“ (مرقات جلد ۲ ص ۳۸۲)

(ه) ”عن سلمة بن عبید قال قال حماد المکی خرجت لیلة الی مقابر مکة فوضعت راسی علی قبر فسمعت فرأیت اهل المقابر حلقة حلقة فقلت قامت القيامة قالوا الاولکن رجل من اخواننا قرء قل هو اللہ احد وجعل ثوابها لنا فنحن نقسمعه منذ سنة۔ رواہ القاضی ابو بکر بن عبد الباقي الانصاری فی مشیختہ۔“ ”قاضی ابو بکر بن عبد الباقي الانصاری اپنے مشیخت میں سلمہ بن عبید سے راوی کہا: حماد کی نے کہا کہ میں ایک شب مکہ کے قبرستان میں گیا اور سو رہا تو میں نے قبرستان والوں کو حلقہ حلقہ دیکھا۔ میں نے کہا کیا قامت قائم ہوگئی؟ بولے نہیں لیکن ہمارے بھائیوں سے ایک شخص نے قل ہو اللہ پڑھ کر اس کا ثواب ہم لوگوں کو بخشا ہے تو ہم سال بھر سے اس کو تقسیم کر رہے ہیں۔“ (مرقات جلد ۲ ص ۳۸۲)

(و) ”عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم من زار قبر والدیه او احد هما فقرء عنده او عندهما یس غفر له رواہ ابو بکر بن البخاری فی کتاب السنن۔“ (عمدة القاری شرح بخاری جلد ۱ ص ۸۷۵)

”ابو بکر بن بخار کتاب السنن میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے والدین یا ان میں کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے یا اس سورہ یس پڑھے، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“

بائیسواں طریقہ: میت کیلئے نماز پڑھنا روزہ رکھنا

میت کے لئے نماز پڑھنا روزہ رکھنا یعنی نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر اس کا ثواب میت کو بخشا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ رد المحتار جلد ۲ ص ۲۴۳ میں فرماتے ہیں: ”وروی الدار قطنی ان رجلا سألہ علیہ الصلاۃ والسلام فقال لی ابوان ابیہما حال حیاتہما فکیف لی بامرہما بعد موتہما فقال

صلی اللہ علیہ وسلم ان من البر بعد الموت ان تصلى لهما مع صلاتك و ان تصوم لهما مع صومك۔ دارقطنی نے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا کہ میرے ماں باپ ہیں۔ ان کی حیات میں تو ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہوں تو ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کس طرح نیکوئی کر سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا کہ مرنے کے بعد ان کے ساتھ نیکی کرنے کی صورت یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی روزہ رکھو۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنے رسالہ تذکرہ الموتی والقبوری ص ۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ”و ابن ابی شیبہ زحاج بن دینار روایت کردہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود از جملہ نیکی کردن با پدر و مادر آن ست کی نماز گذاری برائے آنها با نماز خود و روزہ خود و داری برائے آنها با روزہ خود و صدقہ دہی از طرف آنها با صدقہ خود۔“

”ابن ابی شیبہ زحاج ابن دینار سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے ہی سے ایک نیکی یہ بھی ہے کہ نماز پڑھوان کے لئے اپنی نماز کے ساتھ اور روزہ رکھوان کے لئے اپنے روزے کے ساتھ اور صدقہ دوان کی طرف سے اپنے صدقہ کے ساتھ۔“

”و عن مالك بن دينار قال دخلت المقبرة ليلة الجمعة فاذا أنا بنور مشرق قبها فقلت لا اله الا الله نرى ان الله عز وجل قد غفر لاهل المقابر فاذا أنا بها تف بهتف من البعد و هو يقول يا مالك بن دينار هذه هدية المؤمنين الى اخوانهم من اهل المقابر قلت يا الذي انطلقك الا عبرتني ما هو قال رجل من المؤمنين قام هذه الليلة فاسبغ الوضوء و صلى ركعتين و قرء فيهما فاتحة الكتاب و قل يا ايها الكافرون و قل هو الله احد و قال اللهم اني قد وهبت ثوابها لاهل المقابر من المؤمنين فادخل الله علينا الضياء و النور و الفتح و السرور في المشرق و المغرب قاله مالك فلم ازل اقرء هافى كل جمعة قرائت النبي صلى الله عليه وسلم في متامى يقول لى يا مالك قد غفر الله لك بعد النور الذى اهديته الى امتى و لك ثواب ذلك ثم قال لى و بنى الله لك بيتا فى الجنة فى قصر يقال له المتيف قلت و ما المتيف قال المظل على اهل الجنة رواه ابن المنجار فى تاريخه۔“

”ابن المنجار اپنی تاریخ میں مالک بن دینار سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں شب جمعہ کو قبرستان میں گیا تو دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک نور تاباں ہے۔ میں نے کہا لا اله الا الله يشك الله تعالى نے اس قبرستان والوں کی مغفرت فرمادی۔ اتنے میں سنا کہ دور سے ایک ہاتھ نہیں کہتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا ہدیہ ہے جو اپنے بھائی اس قبرستان والوں کے پاس بھیجا۔ میں نے کہا قسم اس ذات کی جس نے تجھ کو گویائی بخشی مجھے خبر دے کہ واقعہ کیا ہے؟ اس

نے کہا ایک مسلمان شخص اس شب میں گھڑا ہوا اور اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور ان دونوں میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایہا الکفران اور قل هو اللہ احد پڑھا اور کہا کہ خداوند! میں نے اس کا ثواب قبرستان والے مردوں اور عورتوں کو بخشا تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر روشنی اور نور، کشادگی اور سرور مشرق و مغرب میں داخل کیا۔ مالک کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں ہر جمعہ کو اسے پڑھنے لگا پس میں نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: اے مالک! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا بقدر تعداد اس نور سے جو تو نے میری امت کی طرف ہدیہ کیا اور تیرے لئے اس کا ثواب ہے پھر مجھ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے ”قصر منیف“ میں گھر بنوایا ہے۔ میں نے پوچھا کہ قصر منیف کیا؟ فرمایا، جنتیوں پر سایہ کرنے والا، (شرح احیاء العلوم ص ۲ ص ۳۷۲)

تمیحوں طریقہ: کنواں کھودو اگر مردے کی طرف سے وقف کر دینا

”عن سعد بن عبادۃ قال سار رسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل قال الساء فحقیر بئراً وقال ہذہ لام سعد رواہ ابو داؤد والنسائی“۔ ”ابو داؤد اور نسائی حضرت سعد بن عبادہ سے راوی ہیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ام سعد کا انتقال ہو گیا تو کون صدقہ ان کے لئے بہتر ہوگا؟ ارشاد ہوا پانی میں انہوں نے کنواں کھودا اور کہا یہ ام سعد کے لئے ہے“ (مشکوٰۃ ص ۱۶۹)

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات جلد ۲ ص ۳۷۷ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”(فای الصدقة افضل) ای تبرؤ حینما (قال الماء) انما کان الماء افضل لانه اعم نفعاً فی الامور الدینیۃ والدنیویۃ خصوصاً فی تلك البلاد الحارۃ ولذلك من اللہ تعالیٰ بقولہ وانزلنا من السماء ماء طہور اکذا ذکرہ الطیسی“۔ ”کون سا صدقہ ام سعد کی روح کے لئے افضل ہے؟ حضور نے فرمایا کہ پانی اور پانی کو اس لئے افضل صدقہ فرمایا کہ اس کا نفع دین اور دنیوی سب کاموں میں عام ہے، خصوصاً ان گرم ملکوں میں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول انزلنا من السماء ماء طہور میں پانی اتارنے پر احسان رکھا۔ اسی طرح علامہ طیبی نے ذکر کیا“۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدر کہتا ہے کہ یہ حدیث اصل اس دستور و رواج کی ہے جو مسلمانوں میں مروج ہے کہ مسجدوں میں نمازیوں کے غسل و وضو کرنے کے لئے گھڑا لونا وغیرہ بھیجتے ہیں کہ اگر کنواں نہ کھودو یا تو ہمارا گھڑا مسجد میں رہے گا۔ کوئی پیسا پانی پئے گا، کوئی وضو غسل کرے گا تو اس کا ثواب بھیجنے والے کو یا جس کی طرف سے بھیجا گیا ہے، اس کو ملے گا خصوصاً جن گھڑوں لوٹوں سے میت کو غسل دیتے ہیں، اس کو تو غسل دینے کے بعد میت کے ایصال ثواب کے لئے مسجدوں میں بھیج دینے کا عام دستور ہے۔ البتہ بعض جگہ اس گھڑے اور لوٹے کو جس سے میت کو غسل دیتے ہیں، میت کے ساتھ قبرستان لے جاتے ہیں اور قبر کی مٹی برابر کرنے کے بعد اس گھڑے میں بڑا سوراخ کر کے

میت کے سرہانے اور لوٹے میں سوراخ کر کے میت کے پائنتی میں رکھ دیتے ہیں کہ یہ اضاعت مال اور گناہ ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

چوبیسواں طریقہ: میت کی طرف سے صدقہ کرنا

”عن ابن عباس ان رجلاً قال يا رسول الله! ان امی توفيت فینفعاها ان تصدقت عنها قال نعم قال فان لی محرراً فافا شهيدك انی قد صدقت به عنها۔ رواه الترمذی ص ۸۵ وقال هذا حديث حسن وبه يقول اهل العلم۔“ ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دوں تو ان کو مفید ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ ہاں! اس شخص نے کہا کہ میرا ایک باغ ہے۔ میں حضور کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس باغ کو اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کیا۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔“

”عن عائشة رضي الله عنها ان رجلاً قال للنبي صلى الله عليه وسلم ان امی افلنت نفسها و افلنتها لو تكلمت لتصدقته فهل لها اجر ان تصدقت عنها قال نعم“ (رواه البخاری ص ۱۵۴ و مسلم ص ۳۲۴) امام بخاری و مسلم حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری ماں کا دفعۃً انتقال ہو گیا۔ اور میرا گمان یہ ہے کہ اگر وہ کلام کرتیں تو ضرور صدقہ کرتیں، تو کیا ان کو ثواب ملے گا؟ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں!“

علامہ نووی شرح مسلم ص ۳۲۳ میں تحریر فرماتے ہیں: ”وفی هذا الحديث ان الصدقة عن الميت تنفع الميت ويصل ثوابها وهو كذلك يا جماعة العلماء وكذا اجمعوا على وصول الدعاء وقضاء الدين بالنصوص الوازنة في الجميع۔“ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مردہ کی طرف سے صدقہ دینا، مردہ کو فائدہ بخش ہے اور اس کا ثواب مردہ کو ملتا ہے، اس کو پہنچتا ہے۔ اس پر علما کا اجماع ہے اور اسی طرح اجماع ہے دعا کے پہنچنے، دین کے ادا ہونے پر ان نصوص سے جو ان سب پر وارد ہوئیں۔“

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۳ ص ۲۳۶ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”و يستفاد منه ان الصدقة عن الميت تحوز له ينفع بها۔“ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردہ کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے اور اس سے مردہ کو نفع پہنچتا ہے۔“

اسی میں ایک دوسری جگہ ہے: ”وروی احمد عن عبد الله بن عمرو بن العاص بن وائل نذر فی الحاحلية ان ينحر مائة بدنة وان هشام ابن العاص نحر عنه خمسين و ان عمرواً سأل رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك فقال اما بؤك فلو اقر بالثو حيد فصمت و تصدقت عنه نفعه ذلك“ (عسی شرح بخاری جلد ۲ ص ۲۴۶) ”امام احمد بن حنبل نے عبد اللہ بن عمرو سے روایت کیا کہ ان کے باپ عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانا تھا کہ سوا ونٹ قربانی کریں گے اور ہشام ابن عاص نے ان کی طرف پچاس اونٹ قربان کیا اور عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا۔ حضور نے فرمایا کہ اگر تمہارا باپ تو حید کا اقرار کرتا تو تم روزہ رکھتے اور اس کی طرف سے صدقہ کرتے تو نفع دیتا۔“

اور اسی میں ہے ص ۲۳۶: ”و عن ابن ماکولا من حدیث ابراہیم ابن حیان عن ابیہ عن جدہ عن انس رضی اللہ عنہ انه قال سئلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت انما التذعو لمو قاتا و نتصدق عنہم و نحج فہو یصل ذلك الیہم فقال انه لیصل الیہم ویفرحون بہ کما یفرح احدکم بالہدیۃ۔“ ابن ماکولانے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مردوں کے لئے دعا کرتے ہیں اور ان کی طرف سے صدقہ دیتے ہیں اور حج کرتے ہیں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہنچتا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک ضرور ان کو پہنچتا ہے اور وہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی ہدیہ بھیجنے سے خوش ہوتا ہے۔“

سبحان اللہ! یہ حدیث بھی عجیب و غریب جامع انواع ثواب ہے۔ اس لئے کہ ایصال ثواب تین طرح سے ہو سکتا ہے۔ بدنی، مالی، دونوں کا مجموعہ، اس حدیث نے تینوں کو جمع کر دیا۔ تذاعو لمو قاتا عبادت بدنی ہے۔ نتصدق عنہم ثواب مالی، نحج عنہم عبادت مجموعہ مالی و بدنی ثابت ہوا کہ مردے کو ہر قسم کا ثواب پہنچتا ہے، بدنی ہو یا مالی یا دونوں کا مجموعہ۔ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ باب زیارۃ القبر جلد اول ص ۶۳ میں فرماتے ہیں: ”مستحب ست کہ تصدق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز و تصدق از میت نفع می کند اور ابے خلاف میان اہل علم و وارد شدہ ست در ان احادیث صحیحہ خصوصاً آب و بعضی از علما گفتہ اند کہ نمی رسد میت را مگر صدقہ و عا در بعض روایات آمدہ ست کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ، پس نظری کند کہ تصدق می کنند از وے یا نہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔“

”مستحب ہے کہ میت کی جانب سے صدقہ کیا جائے۔ اس کے دنیا سے گزرنے کے بعد سات روز تک میت کی جانب سے صدقہ کرنا میت کو نفع پہنچاتا ہے۔ اس بارے میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں خصوصاً بعض علما نے فرمایا ہے کہ نہیں پہنچتا ہے میت کو مگر صدقہ اور دعا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ میت کی روح جمعہ کی شب کو اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی جانب سے لوگ صدقہ کرتے ہیں کہ

نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس جگہ ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ میت کے ایصالِ ثواب کے لئے جو لوگ کھانا وغیرہ پکوا کر لوگوں کو کھلاتے ہیں تو یہ میت کی طرف سے صدقہ ہے تو چاہئے کہ صرف فقرا کو دیا جائے۔ لیکن متعارف ہے کہ اعزہ اقارب دوست احباب اغنیاء وغیرہ سب کھاتے اور سب کو کھلاتے ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ صدقہ واجب نہیں جو فقرا کے ساتھ خاص ہو، اغنیاء کے لئے نادر و بالکہ صدقہ نافذ ہے اور کار خیر ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں ایک حدیث ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ خود بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی طعام میت میں شریک ہوئے تو اگر یہ ناجائز ہوتا یا قابلِ احتراز ہوتا تو خود حضور اقدس صلی اللہ وسلم ہرگز نہ شریک ہوتے۔

”عن عاصم بن کلیب عن ابيه عن رجل من الانصار قال خبر جناب رسول الله صلى الله عليه وسلم في جنازة قرابت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو علي قبر يوصي الحافر يقول اوسع من قبل رجله اوسع من قبل راسه فلما رجع استقبله داعي امرأته فاجاب ونحن معه فحتم بالطعام فوضع يده ثم وضع القوم فاكلوا فنظرنا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم يلوك لقمة في فيه ثم قال اجد لحم شاة اخذت بخير اذن اهلها فارسلت المرأة تقول يا رسول الله اني ارسلت الي التقيع وهو موضع يباع فيه الغنم ليشتري لي شاة فلم توحده فارسلت الي جارلي قد اشترى شاة ان يرسل بها الي ثمناها فلم يوحده فارسلت الي امواء ته فارسلت الي بها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اطعمي هذا الطعام الا سرقى۔ رواه ابو داود البيهقي في دلائل النبوة۔“

”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں نکلے تو میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ گورکن کو فرماتے ہیں: پاؤں کی طرف سے قبر کو فراق کرو، سر کی طرف سے فراق کرو۔ جب بعد دفن واپس ہوئے۔ اس میت کی بی بی نے ایک آدمی بھیجا کہ کھانا تیار ہے، نوش جان فرمائیے آپ نے قبول فرمایا اور ہم سب آپ کے ساتھ تھے، وہاں گئے کھانا سامنے آیا۔ آپ نے دست مبارک کھانے کی طرف بڑھایا پھر سب جماعت نے بڑھایا تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دہن مبارک میں لقمہ چبا رہے ہیں اور فرو نہیں کرتے ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یہ اس بکری گوشت ہے جو بغیر اجازت مالک کے لی گئی ہے۔ عورت نے یہ کہلا بھیجا کہ یا رسول اللہ! میں نے آدمی قلع میں بھیجا جہاں بکریاں بکتی ہیں تاکہ بکری خریدی جائے تو وہاں نہ ملی۔ تب میں نے اپنے ہمسایہ کے پاس آدمی بھیجا کہ جو بکری اس نے خریدی ہے، وہ مجھ کو قیمت دے۔ اتفاق سے وہ ہمسایہ بھی گھر میں تھا تو میں نے اس کی بی بی کے پاس آدمی بھیجا تو اس نے بے اجازت شوہر بکری میرے پاس بھیج دی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

یہ کھانا قیدیوں کو کھلاؤ۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور ترمذی نے دلائل الشہوۃ میں ذکر کیا۔

علامہ علی قاری سرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۵ ص ۲۸۲ میں فرماتے ہیں: ”ہذا الحدیث یظاہرہ برد علی مافردہ اصحاب مذہبنا من انہ یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعث الا سیوع“۔ ”عاصم بن بکعب کی یہ حدیث کھلے طور پر رد کرتی ہے اس مسئلہ کو جو ہمارے مذہب والوں نے قرار دیا ہے کہ پہلے روز اور تیسرے دن اور بعد ہفتہ کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔“

پھر علامہ علی قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب والوں کے قول اور حدیث میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں: ”فلیستغنی ان تعید کلاً مہم بنوع خاص من اجتماع یوجب استحیاء اہل المیت فیطعموہم کثرھا او یحمل علی کون بعض الورثۃ صغیر الوغائبہ اولم یعرف رضاء اولم یکن الطعام من عند احد معین من مال نفسه۔“ ”حنفیہ جو طعام میت کو مکروہ بتاتے ہیں، وہ اس صورت پر محمول ہے کہ اجتماع ایک خاص قسم کا ہو، جس سے اہل میت شرمائیں اور شرما کر ان لوگوں کو کھلائیں یا جبکہ بعض ورثہ نابالغ ہوں یا غائب ہوں یا اس پر راضی نہ ہوں یا کم از کم رضامندی معلوم نہ ہو یا کسی خاص شخص کی طرف خود اس کے مال سے وہ کھانا تیار نہ کیا گیا ہو۔“

ہدایہ فصل صدقہ ج ۳ ص ۳۹۰ میں ہے: ”قد یقصد بالصدقۃ علی الغنی الثواب۔“ ”اغنیاء کا کھانا جس طرح ان کی رضا جوئی کے لئے ہوتا ہے کبھی اس سے مقصود حصول ثواب بھی ہوتا ہے۔“

مجمع البحار جلد دوم ص ۲۳۸ میں ہے: ”الصدقۃ ماتصدقہ بہ علی الفقراء ای غالب ابواعہا کذلک فانہا علی الغنی حاشۃ عند ثواب بہ بلا خلاف۔“ ”صدقہ اس کو کہتے ہیں جو فقراء کو دیا جائے یعنی غالب انواع اس کا فقراء کے لئے ہوتا ہے، ورنہ غنی کو دینا بھی ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اس پر بلا خلاف اجر و ثواب ملے گا۔“

خود حدیث شریف میں ہے کل معروف صدقہ ہر معروف کام کرنے میں صدقہ کا ثواب ہے اور ظاہر ہے کہ اغنیاء کو کھانا کھانا منکر نہیں بلکہ معروف ہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدر کہتا ہے کہ اسی وجہ سے مسلمانوں میں مروج ہے کہ میت کی طرف سے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوا کر فقراء کو کھلاتے یا تقسیم کرتے ہیں اور اس میں کبھی کبھی اغنیاء کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔

پچیسواں طریقہ: میت کی طرف سے قربانی کرنا

”عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بکبش اقرب بطاء فی سواد و یسرک فی سواد فائسی بہ لیضحی بہ قال یا عائشۃ! ہلمی المدیۃ ثم قال اشحذیہا بحجر ففعلت ثم اخذھا واخذ الکبش فاضجعه ثم ذبحہ ثم قال بسم اللہ اللہم تقبل من محمد و من

امۃ محمد ثم ضحیٰ بہ۔“ رواہ مسلم ج ۲ ص ۱۵۶۔ ”امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے لئے ایک بکرا سینک والا لایا جائے جس کے دونوں پاؤں سیاہ ہوں، پیٹ سیاہ ہو، آنکھیں سیاہ ہوں یعنی وہ بکرا سر سے پاؤں تک سیاہ ہو، تو ایسا بکرا لایا گیا۔ ارشاد ہوا: اے عائشہ چھری لاؤ اور اس کو پتھر پر تیز کر لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کیا پھر حضور نے وہ چھری لی اور اس بکرے کو پکڑا اور لٹایا پھر ذبح کیا اور فرمایا بسم اللہ خداوند اس کو قبول فرما محمد اور امت محمدی کی طرف سے پھر قربانی کی۔“

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۲۶۱ میں لکھتے ہیں: ”قال الطیسی المراد العشار کتۃ فی الثواب مع الامۃ لان النعم الواحد لا یکفی عن اثنتین قصاعدا۔“ ”علامہ طیبی نے فرمایا کہ اس سے مراد امت کو ثواب میں شریک کرنا ہے۔ اس لئے کہ ایک بکری دو آدمی یا زیادہ کی طرف سے کفایت نہیں کرتی۔“

”وعن جابر قال ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح بکبشین اقرعین المحین موجونین فلمنا وجہہما قال انی وجہت وجہی للذی فطر السموت والارض علی ملۃ ابراہیم حبیباً وما انا من المشرکین۔ ان صلاتی و تسکبی و محیای و مماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت و انا من المسلمین اللہم متک و لك عن محمد وامته بسم اللہ اللہ اکبر ثم ذبح رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ و الدارمی۔“ ”یہ محدثین حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے لئے وہ بکرے سینک والے کو خوبصورت آختہ ذبح فرمائے۔ جب ان کو لٹایا دعا پڑھی اللہم انی وجہت وجہی الخ اور فرمایا کہ خداوند ایہ تیرا عطیہ ہے اور تیرے لئے ذبح کیا گیا ہے محمد اور امت محمدی کی طرف سے۔ بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور ذبح کیا۔“

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۶۵ میں تحریر فرماتے ہیں:

”(عن محمد) ای صادرۃ عنہ (وامتہ) ای العاجزین عن متابعتہ فی سنة اضحیتہ وهو یحتمل التخصیص باہل زمانہ والتعمیم المناسبت لشمول احسانہ والاول یحتمل الاحیاء والاموات والا خیر منہما ثم المشارکۃ امامحمولۃ علی الثواب و۱۰۰ علی الحقیقۃ فیکون من خصوصیۃ ذلک الحناب والا ظہر ان یکون احدهما عن ذاته الشریقۃ والثانی عن امتہ لضعیفۃ۔“

”یہ قربانی صادر ہے محمد اور ان کی امتیوں کی طرف سے جو سنت اضحیہ میں آپ کی متابعت سے عاجز ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ فقط انہیں لوگوں کی طرف سے ہو جو حضور کے زمانہ میں تھے یا سب کو عام ہو اور یہی شمول احسان کے اعتبار سے مناسب ہے اور اول احتمال رکھتا ہے زندوں اور مردوں سب کو یا فقط مردوں کو۔ پھر مشارکت یا تو فقط ثواب

میں ہے یا حقیقتہً قربانی مراد ہے تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہوگا اور ظاہر یہ ہے کہ ایک حضور کی طرف سے ہو اور دوسری قربانی آپ کی امت ضعیف کی جانب سے۔“

”و فی روایۃ لا حمد و ابی داؤد و الترمذی ذبح بیدہ و قال بسم اللہ اللہ اکبر اللہم هذا عتی و عنہ لم یضح من امتی“۔ ”امام احمد و ابی داؤد و ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضور نے خود اپنے دست حق پرست سے ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہا۔ خداوندایہ قربانی میری طرف سے اور میری امتوں کی طرف سے جنہوں نے قربانی نہ کی۔“

”و عن حنبل قال رايت علیا یضحی یکبشین فقلت له ما هذا فقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لوصانی ان اضحی عنه فانا اضحی عنه رواه ابو داؤد و الترمذی نحوه“۔ ”ابو داؤد و ترمذی نے حنبل بن عبد اللہ سبائی سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دیکھا کہ دو بکر قربانی کیا۔ میں نے کہا، یہ کیا ہے؟ حضرت علی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کی طرف سے قربانی کیا کروں تو میں ایک جانور ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔“

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات جلد ۲ ص ۳۶۵ میں فرماتے ہیں:

”انما اضحی عنه بعد موته اما یکبشین علی متوال حیوۃ او یکبش احدا ہما عنہ و الآخر عن نفسی (فانا اضحی عنه) قال ابن الملک یدل علی ان التضحیۃ تحوز عن مات“۔ ”حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جو فرمایا کہ ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ حضور کے وصال کے بعد جس طرح آپ اپنی حیات میں دو جانور قربانی کیا کرتے تھے، اسی طرح میں بھی حضور کی طرف سے دو جانور قربانی کرتا ہوں یا وہ میں سے ایک حضور کی طرف سے اور ایک اپنی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ ابن ملک نے کہا کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنی جائز ہے۔“

رد المحتار جلد ۵ ص ۲۲۰ میں ہے: ”و ان تسرع بها عنہ لہ الا کل لآ نہ یقع علی تلک الذابح و الشواب للہ میت“۔ ”اگر کسی نے میت کی طرف سے تبرعاً قربانی کی تو اس سے کھانا جائز ہے کیونکہ یہ قربانی ملک ذابح پر واقع ہوئی اور مردہ کو قربانی کا ثواب ملے گا۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال سوم: ایصال ثواب کے متعدد طریقے سوال (۱) اور (۲) کے جواب میں تحریر کئے گئے۔ ان

میں بعض بعض طریقے تو جملہ صحابہ گرام و صحابیات حضرت ام المؤمنین خدیجہ الکبریٰ و بنات طاہرات حضرت رقیہ و ام کلثوم و حضرت خبیب و حضرت حمزہ و حضرت جعفر طیار و دیگر شہدائے جنگ بدر و خیبر و احد و حنین و تبوک و غیر ہارضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایصال ثواب کے لئے خود بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے ساتھ صحابہ و اہل بیت نے

کیا۔ جس کی قدرے تفصیل گزشتہ جواب سے ظاہر اور تفصیل مزید واقف سیر و تاریخ سے پوشیدہ نہیں اور نہ فقط ایک ہی مرتبہ بلکہ ان میں بعض بعض تو بار بار ہوتے گئے مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت ہر سال کیا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس سنت سنیہ کو جاری رکھا۔ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا بھی زیارت کو جایا کرتیں، وہاں نماز پڑھتیں اور رویا کرتیں، دعا کرتی تھیں۔

امام محمد بن محمد غزالی احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں: ”و عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان فاطمة بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت تزور عسھا حمزة فی الایام فتصلی وتسکی عنده۔“ حضرت امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی پرداوی حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے (والد کے) چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کی قبر کی زیارت کو جایا کرتیں تو وہاں جا کر نماز پڑھتیں اور ان کے پاس روٹی تھیں۔“

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شرح میں فرماتے ہیں: ”وروی البیہقی فی الشعب عن الواقدی قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یزور الشہداء باحد فی کل حول واذابلع رفع صوته فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعیم الدار ثم ابو بکر کل حول یفعل مثل ذلک ثم عمر ثم عثمان و کانت فاطمة رضی اللہ عنہا تاتیہ وتدعو او کان سعد بن وقاص یسلم علیہم ثم یقبل علی اصحابہ فیقول الا تسلمون علی قوم یردون علیکم السلام۔“ یہی شعب الایمان میں واقدی سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہدائے اہل کی زیارت کو تشریف لے جایا کرتے تھے اور جب وہاں پہنچتے، بلند آواز سے فرماتے سلام علیکم بما صبرتم فنعیم الدار کہتے پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کیا کرتے تھے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان بھی ایسا کیا کرتے تھے اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ کی زیارت کو آتیں اور دعا کرتیں تھیں اور حضرت سعد بن وقاص بھی شہدائے اہل پر سلام کیا کرتے تھے اور پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے تم اس قوم پر کیوں نہیں سلام کرتے جو تمہارے سلام کا جواب دیں۔“

شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۳ میں ہے: ”وروی ابن ابی شیبہ عن ابی جعفر ان فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت تزور قبر حمزة رضی اللہ عنہما ترمه وتصلحه وقد تعلمته بحجر۔ و رواه یحییٰ بن حنبل عن ابی جعفر عن ابیہ علی بن الحسین و زاد فتصلی هناك وتدعو تسکی حتی ماتت۔“ ابن ابی شیبہ حضرت ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہراء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر کی زیارت کیا کرتیں اور اس کی مرمت کرتیں، اصلاح دیتیں اور پتھر کے ذریعے علامت بنا دیتی

تھی اور یحییٰ نے مثل روایت سابق ابو جعفر سے، انہوں نے اپنے والد علی بن حسین امام زین العابدین سے روایت کیا اور اس میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ وہاں پڑھتیں، دعا کرتیں، روتیں۔ یہ دستور و طریقہ ہمیشہ جاری رہا، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوا۔“

معلوم ہوا کہ دو چار بار کون پوچھتا ہے، ہمیشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، حضرت امیر معاویہ، سعد بن وقاص مع جماعت احباب اور مدت العمر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین شہدائے احد کی سالانہ زیارت کو آیا کرتے اور سلام کرتے اور دعا کرتے رہے۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدر کہتا ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا اپنے احباب و اصحاب سے یہ کہنا الاتسلمون علی قوم یردون علیکم السلام اس حدیث کی تصدیق ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور شہدائے احد کی زیارت کی اور فرمایا:

”ان عبدك و نبیک ہشہدان ہولاء شہداء وانہم من زارہم او سلم علیہم الی یوم القیعة ردوا علیہ۔“ خداوند اتیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ شہید ہیں۔ قیامت تک جو شخص ان کی زیارت کرے گا اور ان پر سلام بھیجے گا یہ لوگ اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

”رواہ البیہقی فی الدلائل و قال العطار و حدثنی عنانی انہا زارت الشہداء فسلمت علیہم فسمعت رد السلام فقالو واللہ اذا نعر فکم کما یعرف بعضنا بعضنا قالت فشعرت۔“ عطا ف بن خالد راوی حدیث کہتے ہیں کہ میری خالہ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے شہداء کی زیارت کی پس ان پر سلام کیا تو جواب سلام سنا اور ان لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہم تم کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح ہمارا بعض بعض کو پہچانتا ہے تو وہ کہتی ہیں کہ یہ سن کر میرے روتے کھڑے ہو گئے۔“

”و عن ہاشم بن محمد العمری من وفد عمر بن علی قال اخذنی ابی بالمدينة الی زیارة قبور الشہداء فی یوم جمعة بین الفجر والشمس فکنت امشی خلفہ فلما انتہی الی المقابر رفع صوتہ فقال سلام علیکم بما صبرتم فنعیم عقبی الدار قال احیب وعلیک السلام یا ابا عبد اللہ افا لتغت ابی الی فقال انت المجیب؟ فقلت لا فجعلنی عن یمینہ ثم اعاد السلام ثم جعل کلما سلم یرد علیہ حتی فعل ذلك ثلاث مرات فخر ساجدا۔“ (رواہ البیہقی) امام یحییٰ ہاشم بن محمد عمری سے روایت کرتے ہیں کہا۔ کہ میرے والد مدینہ طیبہ میں مجھے جمعہ کے دن درمیان طلوع فجر و طلوع شمس یعنی صبح صادق کے وقت شہدائے احد کی زیارت کے لئے گئے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ جب وہ قبرستان پہنچے، آواز بلند کی

اور سلام علیکم یسا صبر تم فنعم عقیب الدار کہا۔ راوی نے کہا تو کسی نے آپ کے سلام کا جواب دیا اور علیکم السلام یا ابا عبد اللہ اس جواب کو سن کر میرے والد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم نے جواب دیا؟ میں نے کہا نہیں پھر مجھے اپنی دہنے طرف کر لیا پھر سلام کیا تو جب جب سلام کرتے، جواب پاتے تھے۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ کیا تو آپ سجدہ میں گرے۔“

”و عن فاطمة الخزاعية تقول لقد رآه يقنى و غابت الشمس بقبور الشهداء و معى اخت لى فقلت لها تعالى نسلم على قبر حمزة فوقفنا على قبره فقلنا السلام عليك يا عم رسول الله صلى الله عليه و سلم فسمعنا كلاما رد علينا و عليكم السلام و رحمة الله قالت و ما قربنا احد من الناس“ (رواه البيهقى) ”فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں کہ ایک دن آفتاب ڈوبتے وقت شہدائے احد کے قبور پر میرا گزر ہوا اور میرے ساتھ میری بہن بھی تھی۔ میں نے کہا آؤ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے چلیں۔ ہم دونوں بہن ان کی قبر پر ٹھہرے اور ہم نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! آپ پر سلام ہو۔ پس ہم نے سنا کہ کسی نے ہمارے سلام کا جواب دیا اور علیکم السلام ورحمة اللہ کہا۔ فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں اور ہمارے آس پاس کوئی آدمی نہ تھا۔“

(وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۱۱۲)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور بعد کے مسلمان تابعین تبع تابعین، رجال و نساء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین الی یوم الدین برابر سال بہ سال حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ و دیگر شہدائے احد کے مزارات پر جا کر ایصال ثواب کیا کرتے تھے اور دیگر صحابہ کرام جن کے اسمائے طیبہ سوال میں درج ہیں اور ان کے علاوہ وہ حضرات صحابہ عظام جن کے اسمائے گرامی درج نہیں، ان کے حالات بھی اگر تفصیل کتب سیر و تواریخ میں دیکھے جائیں تو ہر ایک کے لئے ایصال ثواب کے گزشتہ طریقوں سے نہ صرف ایک دو بلکہ متعدد طریقے اور وہ بھی نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار کرنا ثابت ہوگا اور اگر بالفرض نہ کسی تو عدم ذکر، ذکر عدم نہیں۔ سیکڑوں کیا ہزاروں لاکھوں، واقعات روزمرہ ہوا کرتے اور تاریخ میں ان کا ذکر نہیں تو کیا وہ سب باتیں شدہ بے شدہ ہو جائیں گی۔ ہاں ماننے اور عمل کرنے کے لئے مطلق ثبوت کافی ہے، اگرچہ ایک شخص ایک فرد کے لئے ہو۔

درخانہ کس ست یک حرف بس ست

اور قبر پر بھجور کی شاخ کا رکھنا تو بار بار ثابت ہوتا ہے۔ جن جن حدیثوں سے قبر پر جریدہ رکھنا ثابت ہوتا ہے، امام نووی کا خیال ہے کہ وہ سب ایک ہی واقعہ کا بیان ہے۔ شراح بخاری اس کا رد کرتے اور بدلائل ثابت کرتے ہیں کہ یہ واقعات

متحد ہیں۔

علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۳۵ میں فرماتے ہیں: ”وفیه تظهر لمافی حدیث ابی بکرۃ عند الامام احمد والطبرانی انه الذی اتی بالحریرة الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واتہ قطع الغصنین فدل ذلك علی المغائرة ویؤید ذلك ان قصة الباب كانت بالمدينة وكان معه صلی اللہ علیہ وسلم جماعة وقصة جابر كانت فی السمر و كان خرج لحاجته فتبعه جابرو حده فظهر التغایر بین حدیث ابن عباس وجابر فی حدیث ابی هريرة رضی اللہ عنہ المروی فی صحیح ابن حبان مابدل علی الثالثة ولقظه انه صلی اللہ علیہ وسلم مریقیر فوقف فقال ایتونی بحریرة تبین فجعل احد هما عند راسه والاخری عند رجليه“۔ ”امام نووی کا یہ کہنا کہ یہ واقعہ ایک ہی ہے اس میں نظر ہے۔ اس لئے کہ ابو بکرہ کی حدیث میں جسے امام احمد طبرانی نے روایت کیا، یہ ہے کہ ابو بکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جریدہ لائے تھے اور انہوں نے اس کو دو حصہ کیا تھا تو یہ مغائرت کی دلیل ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس باب کا واقعہ مدینہ طیبہ میں واقع ہوا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جماعت صحابہ کرام کی تھی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ سفر میں ہوا۔ اس وقت حضور تقائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے کہ حضرت جابر تنہا ساتھ ہوئے تو حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت جابر کی حدیث میں صاف مغائرت ظاہر ہو گئی بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو صحیح ابن حبان میں مروی ہے، وہ تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ قیبرا واقعہ ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے تو ٹھہرے اور فرمایا کہ کھجور کی دو شاخیں لاؤ۔ پس ایک کو میت کے سر ہانے رکھا اور دوسرے کو پاؤں کی میں۔“

اسی طرح فتح الباری شرح بخاری جلد اول ص ۲۲۳ میں ہے: ”وفی حدیث ابی بکرۃ عند احمد و الطبرانی انه الذی اتی بها الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اماما رواہ مسلم فی حدیث جابر الطویل المذکور فی او اخر الكتاب انه الذی قطع الغصین فهو فی قصة اخری غیر هذه فان تغایر حدیث ابن عباس و حدیث جابر وانهما کانا فی قضبتین مختلفین ولا یبعد تعد ذلك وقد روی ابن حبان فی صحیفة من حدیث ابی هريرة انه صلی اللہ علیہ وسلم مریقیر فوقف علیہ فقال ایتونی بحریرة تبین فجعل احد هما عند راسه والاخری عند رجليه فتحتمل ان تكون هذه قصة الثالثة“۔

”ابی بکرہ کی حدیث میں امام احمد اور طبرانی کے نزدیک یہ ہے کہ ابی بکرہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شاخ لائے تھے لیکن وہ جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے یعنی جناب جابر کی حدیث جو طولانی ہے اور کتاب کے آخر

میں درج ہے کہ انہوں نے دو ٹکڑے کیا تھا، یہ دوسرے قصہ میں ہے جو ان کے علاوہ ہے۔ کیونکہ سیدنا ابن عباس کی حدیث اور حضرت جابر کی حدیث میں مغایرت ہے اور یہ کہ یہ دونوں دو مختلف قصوں میں واقع ہوئے ہیں اور قصوں کا متحد ہونا بعید از قیاس نہیں ہے، جبکہ ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ کے حدیث کے ایک صحیفے میں روایت فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس گزرے تو حضور اس پر ٹھہرے پھر فرمایا: لاؤ دو شاخیں پھر حضور نے کر دیا اس میں سے ایک کو سرہانے اور دوسری کو پانچٹی تو احتمال اس بات کا ہے کہ یہ قصہ خود ایک تیسرا قصہ ہو۔

علامہ یعنی رحمہ اللہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۸۷۷ میں اس پر بہت بطن و تفصیل سے کلام فرماتے ہیں: ”منہا ان فی متن هذا الحدیث ثم دعا بحریة فکسرها کسرتین یعنی اتنی بہا و کسر ہا و فی حدیث جابر رضی اللہ عنہ رواہ مسلم انه الذی قطع الغصنین فهل هذه قضية واحدة او قضيتان الجواب انهما قضيتان و المغایرة بینہما ہو جوہ الاول ان هذه كانت فی المدينة و کان مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعة و قضية جابر كانت فی السفر و کان خرج لحاجة فتبع جابر و احده الثانی ان هذه القضية انہ علیہ الصلاة والسلام غرس الحریة بعد ان شقها نصفین کما فی رواية الاء۔ سنن الاثبات فی الباب الذی بعده و فی حدیث جابر امر علیہ الصلوٰۃ والسلام جابرا قطع غصنین من شجرتین کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استتر بها عند قضاء حاجة فالقی غصنین عن یحیمہ و عن یسارہ حیث کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جالسا و ان جابر اسالہ ذلک فقال اتنی مررت بقبرین یعدیان فاحببت بشفاعتی ان یرقع عنہا مادام الغصنان رطبین الثالث لم یدکر فی قصة جابر ما کان السبب فی عذابہا الرابع یدکر فیہ کلمة الترجی قدل ذلک کلہا علی انها قضيتان مختلفتان بل روى ابن حبان فی صحیحہ عن ابی ہریرة انه صلی اللہ علیہ وسلم مر بقبر فقال ایسونی بحریة تین فجعل احدہما عند راسہ والاخری عند رجلہ فہذا الظاہر یدل علی ان هذه قضية ثالثة فسقط بهذا کلام من ادعی ان القضية واحدة کما مال الیہ النووي والقرطبی۔“

”علامہ یعنی نے حدیث جریدہ کی شرح اور اس کے فوائد حدیثیہ بیان کر کے (الاسئلہ والایجاب) کی سرخی سے چند سوالات کر کے ان کے جوابات دیے، ہیں۔ مجملہ ان سوالوں کے ایک سوال یہ ہے کہ اس حدیث کے متن میں ”ثم دعا بحریة فکسرها کسرتین“ ہے۔ یعنی ایک جریدہ لائے اور اس کے دو ٹکڑے کئے اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے مسلم نے روایت کیا، یہ ہے کہ خود جابر ہی نے اس کے دو ٹکڑے کئے تو یہ ایک ہی واقعہ ہے یا دو واقعات ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دو قہیے ہیں اور دو واقعہ ہونے کی چار دلیل ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کا واقعہ

مدینہ طیبہ کا ہے اور اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی اور حضرت جابر کا واقعہ سفر کا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے اور فقط حضرت جابر ساتھ ہو لئے تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ متن والے واقعہ میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شاخ کو دو اڈھا کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دیا جیسا کہ باب آئندہ میں بردایت اعمش مصرح ہے اور جابر والی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کو حکم دیا۔ انہوں نے ان دونوں خنثوں سے دو شاخ لیا جس سے پردہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کیا تھا پھر جابر کو حکم دیا۔ انہوں نے ان دونوں شاخوں کو داسنے پائیں ڈال دیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضرت جابر نے حضور سے سوال کیا تب حضور نے فرمایا کہ میں دو قبروں پر گزرا، دیکھا کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے تو میں نے دوست رکھا کہ میری سفارش سے ان دونوں شخصوں پر سے عذاب اٹھا دیا جائے جب تک وہ دونوں تروتازہ رہیں۔ تیسری دلیل: دلیل مغائرت اور ان کے دو واقعہ ہونے کی یہ ہے کہ حضرت جابر کے قصہ میں عذاب کا سبب نہیں بیان فرمایا۔ چوتھی دلیل: یہ ہے کہ اس حدیث میں نکتہ تری مذکور نہیں تو یہ سب باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ دو واقعے علیحدہ علیحدہ ہیں بلکہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے پس فرمایا کہ کھجور کی دو شاخ لاؤ۔ جب آئی تو ایک کو حضور نے سرہانے رکھا اور دوسرے کو پائنتی میں رکھا تو یہ حدیث اپنے ظاہر لفظوں سے دلالت کرتی ہے کہ یہ تیسرا واقعہ ہے تو اس سے ساقط ہو گیا کلام اس شخص کا جس نے دعویٰ کیا کہ یہ ایک واقعہ ہے جیسا کہ اس طرف علامہ نووی اور علامہ قرطبی مائل ہوئے۔“

تو اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح شہدائے احد کی قبروں کی زیارت اور وہاں جا کر سلام کرنا، دعا کرنا، نماز پڑھنا وغیرہ بارہا بلکہ بکرات و مرات ثابت ہے، اسی طرح قبر پر جریدہ رکھنے کا واقعہ بھی ایک ہی مرتبہ نہیں ہوا بلکہ بارہا دودو، تین تین مرتبہ ہوا۔ خود آپ نے کیا، آپ کے حکم سے صحابہ کرام نے کیا، رضی اللہ عنہم ورضو اعنہ۔ رہا یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال کے لئے کیا طریقہ برتا گیا اور کس طریقہ سے حضور کو ایصال ثواب کیا گیا۔

حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین احمد چنگی منیری قدس سرہ (جن کا جامع علوم ظاہری و باطنی ہونا، ان کی تصنیفات شرح آداب المریدین، مکتوبات صدی و مکتوبات بست و ہشت و ملفوظات معدن المعانی و سخ المعانی و خوان پر نعمت وغیرہ سے ظاہر و باہر ہے) کے ملفوظات مسکئی بدخ المعانی مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ مجلس سی و نہم ص ۱۱۱ میں ہے: ذکر کی اور نقل و عرض حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بحوالہ تفسیر زاہدی بعد بیان واقعات دفن

مذکور و مسطور ہے:

”و بعد از نقل میان صحابہ اختلاف در امر خلافت افتاد کہ خلیفہ رسول خدا کہ باشد۔ مہاجرے می گفت از مہاجران باشد و انصاری می گفت کہ از انصاریاں باشد۔ بعضی صلح می انگیزند کہ یکے مہاجرے باشد و دیگر انصاری۔ دریں اختلاف نہ روز گزشت و ایں نہ روز نہ حرم بودند۔ ہر یکے ہر روز طعاعے بنام رسول علیہ السلام چنانچہ موجود بود، کردند و در حرم رسول چنداں اسباب از کجا بودے کہ طعام چنداں کردندے کہ بہمنہ رسیدے۔ الغرض بعد از نیم روز صحابہ ہر یکے استدلال بریں یک چیز کردند کہ در آنچہ حضرت رسالت فرمودے کہ امامت کردے و چون وقت نماز درآمد، بلال بخندمت حضرت رسالت شوند و بوجود حضرت رسالت کرا بجال بودے کہ امامت کردے و چون وقت نماز درآمد، بلال بخندمت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اشارت فرمود کہ ابو بکر صدیق را بگوئے تا امامت کند۔ بلال ایں فرمان با امیر المؤمنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسانید، ایشان امامت کردند۔ ہمہ بریں صحابہ استدلال کردند کہ پیغمبر خدا امر ابو بکر صدیق را در نماز کہ یکے از ارکان دین است، امام فرمود و بریں کار امین گردانید و خلیفہ خود گردانید کہ امامت نماز فرمود، پس چنانکہ در کار دین اور امام گردانید و امین داشت در کار دنیا بر طریق اولی امام ما باشد۔ بدیں بیا سود قرار گرفت و اجماع منعقد شد بر خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ بعدہ خلافت بر ایشان متعین شد۔ پس دور و بعد از نقل اختلاف در وقت گزشت و نہ روز دریں اختلاف گزشت، جملہ یازدہ روز گزشت و دو از وہم بعد آنکہ اختلاف خلاف برخاست و ابو بکر صدیق متعین گشت، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بروح رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام طعام ساختند و طعام آن مقدار ساختند کہ تمام اہل مدینہ را پس کردہ شود۔ در مدینہ افتاد امر و زحمت؟ گفتند الیوم عرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الیوم عرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امر و عرس رسول خدا است و در وہم عرس مشہور شد۔“

”حضور کے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کے درمیان خلافت کے بارے میں اختلاف پڑ گیا یعنی یہ کہ رسول خدا کا خلیفہ کون ہو؟ مہاجرین کہتے تھے کہ مہاجروں میں سے ہونا چاہئے اور انصار کہتے تھے کہ انصاریوں میں سے ہونا چاہئے اور بعض صلح پیدا کرنا چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک مہاجر اور دوسرا انصاری ہونا چاہئے۔ اس اختلاف میں نو دن گزر گئے۔ ان نو دنوں میں حضور کی نویاں تھیں جن میں سے ہر ایک ہر روز جو کچھ کہ موجود ہوتا، اس میں سے ایک کھانا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے کرتی تھیں، حرم رسول میں اتنے اسباب کہاں تھے کہ اتنا کھانا کرتے جو کبھی تک پہنچ سکتا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ نویں روز کے بعد صحابہ میں سے ہر ایک نے اس ایک چیز پر استدلال کیا کہ جس چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زحمت غالب ہوتی، اس کے بارے میں بسبب رنج و ملال اتنی زحمت نہ کر سکے کہ مسجد میں حاضر ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کس کی مجال تھی کہ امامت کرتا اور جب نماز کا وقت آ گیا، جناب بلال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے اشارہ فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ امامت کریں۔ حضرت بلال نے یہ فرمان امیر المؤمنین ابوبکر صدیق تک پہنچایا، انہوں نے امامت کی۔ اسی بنا پر صحابہ نے استدلال کیا کہ پیغمبر خدا نے دین کے رکنوں میں سے ایک رکن یعنی نماز میں خاص کر ابوبکر صدیق کو امام بنایا ہے اور اس کام کا امامت دار شمار کیا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا حتیٰ کہ جناب صدیق نے نماز کی امامت فرمائی۔ لہذا جبکہ دین کے کام میں ان کو امام مقرر کیا اور امین بنایا، دنیا کے کام میں بہتر طور پر ہمارے امام ہوں گے۔ اسی بنا پر یہ بات طے ہو گئی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہو گیا جس کے بعد خلافت ان کے حوالہ کر دی گئی پھر دو روز اختلاف خلافت اٹھ جانے کے بعد دفن کرنے میں گذر گئے اور نو روز اختلاف خلافت میں گزرے، مجموعی طور پر گیارہ روز گزرے اور بارہویں روز بعد اس بات کے کہ خلافت کا اختلاف اٹھ چکا تھا اور ابوبکر صدیق خلیفہ مقرر ہو چکے تھے، جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کی پاکیزہ روح کے لئے اتنا کھانا تیار کیا جو تمام اہل مدینہ کو کافی ہو مدینہ میں یہ شور اٹھا کہ آج کیا ہے؟ لوگوں نے کہنا شروع کیا آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس ہے، آج رسول خدا کا عرس ہے اور بارہویں دن عرس مشہور ہو گیا۔“

حضرت مخدوم الملک قدس سرہ العزیز کی اس عبارت اور صاحب تفسیر زاہدی کی صراحت سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایصالِ ثواب ازواجِ مطہرات نے کیا اور نہ فقط ایک مرتبہ بلکہ نوازدواج نے نو مرتبہ کیا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ و جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایصالِ ثواب و عرس لیا اور اس مقدار سے کھانا پکوا یا کہ تمام اہل مدینہ کے لئے کافی ہوا اور نہ فقط اسی زمانہ میں ہو کر رہ گیا بلکہ اس کے بعد بھی صحابہ عظام و مشائخ کرام و علمائے فہم بلکہ جملہ اہل اسلام برابر طرح طرح سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایصالِ ثواب کرتے رہے اور اب تک کرتے ہیں۔

علامہ شامی رد المحتار جلد اول ص ۸۴۵ میں ابن تیمیہ کے اس خیال کا (کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اہل ثواب ناجائز ہے) رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وقد بالغ السبکی وغیرہ فی الرد علیہ فان مثل ذلك لا یحتاج لا ذن خاص الاتری ان ابن عمر کان یعتمر عنہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرا بعد موتہ من غیر وصیتہ و حج ابن الموقف و ہوفی طبقة الحنید عنہ سبعین حجة و ختم ابن السراج عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر من عشرة آلاف ختمة وضحیٰ عنہ مثل ذلك۔“ علامہ تقی الدین سبکی وغیرہ نے ابن تیمیہ کے رد میں بہت مباہلہ کیا کہ اس قسم کی بات میں خاص اذن کی ضرورت نہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر حضور کے وصال کے بعد مدت

العمر بے وصیت برابر عمرہ کرتے رہے، حضرت ابن موفی نے جو حضرت جنید کے طبقہ میں ہیں، حضور کی طرف سے ستر حج کیا، ابن سراج نے حضور کی طرف سے دس ہزار مرتبہ سے زیادہ قرآن شریف ختم کیا اور اسی قدر حضور کی طرف سے قربانی کیا۔

بلکہ آج تک دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ کی فاتحہ کرتا ہے تو پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے الگ فاتحہ کرتا ہے پھر امت کو حضور کا طفیلی بنا کر طفیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایصال کرتا ہے تو حضور کے لئے ہر روز کتنے فاتحے ہوا کرتے ہیں۔ ان کے اعداد و شمار کوئی نہیں بتا سکتا اور یہ طریقہ بزرگان دین اپنی کتابوں میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ مجدد کی مکتوبات جلد سوم مکتوب بست و ششم ص ۵۵ میں ہے: ”باید کہ ہر گاہ صدقہ بمیت نیت بکنہ اول باید کہ بمیت آن سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہدیہ سازد و بعد ازاں بمیت تصدق کند کہ حقوق آن سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام فوق حقوق دیگران است و نیز بریں تقدیر احتمال قبول صدقہ ست بطفیل آن سرور علیہ و آلہ الصلوٰۃ و التیات و این فقیر در بعض صدقات موتی کہ در تصحیح نیت خود را عاجزی یا بد علاجے بہ ازیں نمی یابد کہ آن صدقہ را بہ نیت آن سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام تعین نماید۔ آن میت را طفیلی ایشان سازد، امید است کہ ببرکت تو سط ایشان قبول افتد۔“

”چاہئے کہ جب میت کے لئے صدقہ کی نیت کرے تو پہلے آن حضور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت کر کے ہدیہ کرے۔ اس کے بعد میت کے صدقہ کی نیت کرے۔ کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق و مردوں کے حقوق سے بلند ترین ہیں اور یہ بھی فائدہ ہے کہ اس طرح پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں صدقہ قبول ہو جانے کی امید ہے۔ یہ فقیر مردوں کے بعض صدقوں میں جب اپنی نیت کے صحیح کرنے میں خود کو عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں پاتا کہ اس صدقہ کو آن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص کر دے اور جس مردے کے لئے نیت کرنا تھا، اس کو ان کا طفیلی بنادے کیونکہ تو سط کی برکت سے قبول ہو جانے کی امید ہے۔“

اور مسلمانوں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا رواج و دستور، وہ کیا ہے ایصال ثواب ہی تو ہے۔ نیز اذان سن کر اللہم رب هذه الدعوة التامة الخ پڑھنا تو عام مسلمانوں میں اس قدر کثرت سے رائج ہے کہ شاید ہی کوئی نمازی مسلمان اس سے غفلت کرتا ہو۔ یہ تو دن رات میں پانچ دفعہ ہر مسلمان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب ہے جو زمانہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے الٹی یومنا ہذا جاری ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیام قیامت تک جاری رہے گا۔

اللہم صلی علی سیدنا و مولانا محمد کلما ذکرہ الذاکرون و کلما غفل عن ذکرہ

الغافلون و صل علی جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکة المقربین والعباد الصالحین و علینا معهم اجمعین الیوم الدین۔

جواب سوال چہارم: امام اعظم کا فرزند ارجمند اور امام ابو یوسف کو ایصالِ ثواب کی وصیت

ایصالِ ثواب کا طریقہ خود امام الائمہ، سراج الامہ نے اپنی صاحبزادی کو بتایا، اپنے شاگرد رشید کو بتایا۔ وہ ایسی بہترین ترکیب ہے کہ اسی پر اگر سب حنفی حضرات عمل کیا کریں تو کافی ہے۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے صاحبزادے کو بیس باتوں کی وصیت فرمائی تھی جن میں ہر ایک آپ زر سے لکھے کے قابل اور ہر حنفی کے عمل کے لائق ہے۔ اس وصیت نامہ کو شیخ احمد ضیاء الدین مصطفیٰ کشمیری نقشبندی مجددی خالدی نے اپنی کتاب ”جامع الاصول فی الاولیاء و انوائعہم“ میں درج فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۵۳۔ یہ کتاب مطبع دارالکتب العربیہ الکبریٰ مصری میں ۱۳۳۱ھ میں چھپی ہے۔ یہ وہ وصایا ہیں جن کے بارے میں امام صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”یا بنی ارشدک اللہ تعالیٰ و ایدک او صیک بو صایا ان حفظتہا و حافظت علیہا رجوت لک السعادة فی دینک انشاء اللہ تعالیٰ“۔ ”اے میرے بیٹے! خدا تجھ کو راہ دکھائے اور تیری مدد کرے۔ میں تجھ کو ان باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر تو ان کو یاد رکھے اور ان پر ہمیشہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ سے تیرے لئے دینی سعادت کی امید کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ“۔

اسی وصیت نامہ میں ہے: ”و الثالث عشر ان تو اظب علی قراءة القرآن کل یوم و تہدی ثوابہا الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم و والدیک و استاذک و سائر المسلمین“۔ ”تیرہویں بات یہ ہے کہ ہر روز قرآن شریف کی تلاوت پر مواظبت کرو اور اس کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والدین اور اپنے استاذ اور تمام مسلمانوں کو ہدیہ کرو۔“

اور جو وصیت نامہ اپنے شاگرد رشید امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا، اسے علامہ زین ابن نجیم صاحب بحر الرائق نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر کے اخیر میں درج کیا ہے۔ یہ وصیت نامہ بہت طویل ہے۔ ”واذکر الموت واستغفر الاستاذ من اخذت عنہم العلم و داوم علی التلاوة و اکثر من زیارة القبور و المشایخ و المواضع المبارکة“ (الاشباہ والنظائر ص ۶۵۴) ”ہمیشہ موت کو یاد کیا کرو اور اپنے استاذ اور جس سے تم نے علم حاصل کیا ہے ان کی مغفرت کی دعا کرو اور ہمیشہ قرآن شریف کی تلاوت کیا کرو اور بکثرت قبروں کی زیارت کیا کرو اور مشائخ کی زیارت کرو اور مقدس و تبرک مقامات کی زیارت کو جایا کرو۔“

فقہ کی کتاب میں تو ایصالِ ثواب کے طریقوں سے بھری ہیں، جن میں سے بعض بعض عبارتیں اوپر گزریں اور

تطویل کے خوف سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہ دیکھی اور جب خود امام اعظم رضی اللہ عنہ کی نہ فقط تصریح بلکہ اپنے صاحبزادے کو تاکید حکم، شاگرد رشید کو ہدایت موجود تو اگر بالفرض فقہ کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہ ہو، جب بھی مضائقہ نہیں کہ لا عطر بعد عروس۔

خداوند عالم کا ہزار شکر ہے کہ مسئلہ ایصال ثواب کے متعلق چاروں سوالوں کے جواب سے فراغت ہوئی اور آیات قرآنیہ کے ارشادات، نصوص نبویہ کے اقادات، علمائے کرام کی تصریحات نے اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح کر دیا کہ میت کے لئے ایصال ثواب کے طریقے خود قرآن شریف سے ثابت، احادیث سے ثابت، علمائے کرام کی عبارات سے ثابت، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے ثابت، خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت، دیگر صحابہ کرام کے معمول سے ثابت، علمائے عظام کے دستور تعامل سے ثابت، عام مسلمانوں کے مراسم و رواج سے ثابت، تمام اہل سنت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے۔

ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے:

ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے۔ علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں اس مسئلہ پر زبردست روشنی ڈالی ہے۔ معتزلہ کے دلائل کا ذکر کر کے ان کے مفصل جوابات دیئے ہیں۔

شرح عقائد نسخی ص ۱۰۷ میں ہے: "وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقہم ای صدقة الاحیاء عنہم ای عن الاموات نفع لہم ای للاموات خلافا للمعتزلة تمسکا بان القضاء لا یتبدل وکل نفس مرہونة بما کسبت والمرء محزی بعملہ لا بعمل غیرہا ولنا ما روی فی الاحادیث الصحاح من الدعاء للاموات خصوصاً فی صلاة الجنائز وقد توارثہ السلف فلو لم یکن للاموات نفع فیہ لما کان لہ معنی وقال علیہ السلام ما من میت تصلى علیہ امة من المسلمین یبلغون مائة کلہم یشفعون لہ الا شفعوا فیہ وعن سعد بن عبادۃ انہ قال یا رسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل؟ قال الساء فحفر بیرا وقال ہذہ لام سعد وقال علیہ السلام الدعاء یرد البلاء والصدقة تطفی غضب السرب وقال علیہ السلام ان العالم والمتعلم اذا مرا علی قبریہ فان اللہ یرفع العذاب عن مقبرۃ تلک القبریۃ اربعین یوما والا حادیث والآثار فی ہذا الباب اکثر من ان یحصی۔"

"مردوں کے لئے زندوں کے دعا کرنے اور مردوں کی طرف سے زندوں کے صدقہ دینے میں مردوں کا نفع ہے۔ اس مسئلہ میں معتزلہ اہل سنت کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک زندوں کا عمل مردوں کے لئے بالکل بے اثر غیر مفید ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قضا بدلی نہیں جاتی اور ہر نفس اپنی کمائی کے ساتھ وابستہ ہے اور ہر آدمی کو اس کے عمل

کی جزا ملے گی، نہ دوسرے کے عمل کی اور ہماری دلیلیں وہ صحیح حدیثیں ہیں جن میں مردوں کے لئے دعا کرنے کا حکم ہے، خصوصاً نماز جنازہ میں کہ اس کو سلف سے خلف تک لوگ برابر کرتے چلے آئے ہیں تو اگر اس میں مردے کا کوئی نفع نہ ہوتا تو نماز جنازہ پڑھنے کے کوئی معنی نہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مردہ پر مسلمانوں کی ایک جماعت جن کی تعداد سو ہو نماز پڑھے اور ہر ایک اس مردہ کی شفاعت کرے تو ان کی شفاعت ضرور قبول ہوگی اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! سعد کی ماں کا انتقال ہو گیا تو کون سا صدقہ ان کے لئے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا پانی۔ بس انہوں نے کنوا کھدوایا اور کہا کہ یہ ام سعد کی طرف سے صدقہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا بلا کوٹالتی ہے اور صدقہ خدا کے غضب کو بجھاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: عالم اور طالب علم جب کسی بستی میں گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے اس بستی کے گورستان پر سے چالیس دن عذاب اٹھا لیتا ہے اور اس بارے میں آثار اور حدیثیں حدیث سے باہر ہیں۔“

اس جگہ کسی خاص صورت کے متعلق یہ شبہ عام خیالوں میں گزر سکتا ہے کہ اگر یہ کار خیر باعث اجر و ثواب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام وغیرہم تم سے پہلے کئے ہوتے، اس لئے کہ وہ تم سے زیادہ دیندار تھے، جس کی قدر سے جھلک ان سوالوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ اب اس قسم کے شبہات و توہمات کی گنجائش ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ شبہ نہ صرف قرن اول بلکہ خلفائے راشدین بلکہ حضرات شیعین رضی اللہ عنہم اجمعین ہی کے وقت پیدا ہو کر صاف و صریح جواب سے دفع ہو چکا ہے جو نہ صرف ہائی کورٹ کی نظیر بلکہ یروی کی نسل کی نظیر کی طرح ہے جو کسی کے اٹھائے نہیں اٹھ سکتی۔

امام بخاری صحیح بخاری جلد دوم باب من قرأ القرآن میں فرماتے ہیں: ”عن زید بن ثابت قال ارسل الی ابو بکر مقتل اهل یمامة و اذا عمر بن الخطاب عنده فقال ابو بکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استبحر بقراء القرآن و انی اخشى ان يستبحر القتل بالقراء فی المواطن فیدهب کثیر من القرآن و انی ارئ ان تامر بجمع القرآن فقلت لعمر کیف تفعل شیئاً لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال عمر هذا والله خیر فلم یزل یراجعنی حتی شرح الله صدری لذلك و رایت فی ذلك الذی رائی عمر فقال زید قال ابو بکر انک شاب عاقل لا تتهمک و قد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتتبع القرآن فاجمعہ فوالله لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرت به من جمع القرآن قلت کیف تفعلان شیء لم یفعله رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم قال واللہ هو خیر فلم یزل ابو بکر یرافعی حتی شرح اللہ صدری للذی شرح له صدر ابی بکر و عمر فتبعت القرآن اجمعه من العصب واللعاف و صدر الر جال و وجدت اخر سورة التوبة مع ابی خزیمہ الانصاری لم اجد ہا مع غیرہ لقد جاء کم رسول من انفسکم حتی خاتمة برلہ فکانت الصحف مع ابی بکر حتی تو فاه اللہ ثم عند عمر حیاته ثم عند حفصہ بنت عمر۔ (رواہ ابو داؤد الطیالسی وابن سعد والامام احمد فی مسنده والمحدثی و الترمذی والنسائی وابن جریر وابن ابی داؤد فی المصاحف وابن المتذر وابن حبان والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان، کنز العمال جلد اول ص ۲۷۹)

”جب جنگ یمامہ میں بہت صحابہ حاملان قرآن شہید ہوئے تو امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جناب امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: یمامہ میں بہت حفاظ قرآن شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر یوہیں لڑائیوں میں حافظہ شہید ہوتے گئے تو بہت سادھ قرآن شریف کا جاتا رہے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے اور ایک جگہ لکھنے کا حکم دیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ کام کیا ہی نہیں تم کیونکر کرو گے؟ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا مگر خدا کی قسم کام تو خیر ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے اس بارے میں بحث کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا اور میری رائے عمر کی رائے سے موافق ہو گئی پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید کو بلا کر قرآن شریف جمع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم جو ان عقلمند شخص ہو، ہم تم کو متہم نہیں جانتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قرآن شریف لکھا کرتے تھے، تم قرآن شریف کو تلاش کرو اور جمع کرو حضرت زید کہتے ہیں: بخدا! اگر وہ پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو مجھ پر اتنا گراں اور دشوار نہ ہوتا جس قدر کہ ان کا یہ حکم قرآن شریف کا جمع کرنا مجھے شاق گزرا۔ میں نے کہا: آپ دونوں کس طرح وہ کام کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا، حضرت ابو بکر نے فرمایا، بخدا وہ کام بہتر ہے۔ پھر ہمیشہ مجھ سے ابو بکر بحث کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا جس کے لئے ابو بکر صدیق و عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا۔ پس میں نے قرآن شریف تلاش کرنا شروع کیا اور اس کو جمع کرنے لگا کھجور کی شاخ اور باریک سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے اور آخر سورہ تو بہ یعنی لقد جاء کم رسول من انفسکم آخر تک کو فقط ابو خزیمہ انصاری کے پاس پایا، ان کے سوا اور کہیں نہ ملا تو یہ قرآن شریف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دیدی پھر نازندگی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کے وصال کے بعد حضرت حصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔

اس وقتہ اور اس حدیث نے مسلمانوں کے لئے ایک شاہراہ عام کھول دی کہ کسی کام کے کرنے کے لئے اس امر کو نہ دیکھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے یا نہیں، بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ وہ کام کیسا ہے؟ کار خیر ہے یا شر، اگر کار خیر ہے؟ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین عظام نے نہیں کیا ہو تب بھی کرنا چاہئے۔ اس کے کرنے میں مضائقہ نہیں جیسا کہ جمع قرآن شریف اس کی پہلی مثال ہے۔ بہت سے لوگ ایسے موقع پر یہ دیکھتے ہیں کہ قرونِ ثلاثہ میں ہوا یا نہیں؟ لیکن جب زید بن ثابت نے صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم پر اعتراض کیا تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہونا تو پچھلے زمانہ میں ہو گا۔ ہم صحابہ ہیں، ہمارا زمانہ غیر القرون سے ہے۔ بلکہ یہی جواب فرمایا گیا کہ اگرچہ حضور نے نہیں کیا، پر وہ کام تو اپنی ذات میں بھلائی کا ہے۔ پس کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآن شریف باتفاق حضرات صحابہ جمع ہوا۔ مخالفین جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کوئی بات خلاف شرع نہ ثابت کر سکے تو جمع قرآن کی بدعت کا الزام دھرا۔ افسوس کہ جو اعتراض مخالفین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کرتے تھے، آج وہ اعتراض سنی حضرات خود اپنے ہم مذہب و ہم شرب سنیوں پر کرتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری جلد ۹ ص ۹ باب جمع القرآن میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”وقد تسول بعض الرافضة ان يتوجه الاعتراض على ابي بكر بما فعله من جمع القرآن في المصحف فقال كيف جازان يفعل شيئا لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم والجواب انه لم يفعل ذلك الا بطريق الاجتهاد السائغ الناشئ عن التصحیح منه لله والرسوله ولكتابه ولامة المسلمين ولعامةهم۔“ رافضیوں کو شیطان نے بہکایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جمع قرآن کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں کہ کیونکر انہیں جائز ہوا کہ وہ ایسا کام کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ فعل اپنے اجتہاد سے کیا جس کا منشا اللہ و رسول کی کتاب، امت اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی ہے۔

اسی میں ہے: ”واذا تامل المنصف ما فعله ابو بكر من ذلك جزم بانه يعد في فضائله ونبوة بعظيم منقبته لثبوت قوله صلى الله عليه وسلم من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها فما جمع القرآن احد بعده الا فكان له مثل اجره الذي يوم القيمة۔“ اور جب انصاف پسند شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کام میں تاثر کرے گا تو یقین کرے گا کہ یہ فعل ان کا ان کے فضائل و کمالات میں شمار کرنے کے قابل ہے اور ان کے عظیم الشان منقبت و تعریف کی خبر دیتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

کہ جو شخص جاری کرے کوئی اچھا کام تو اس شخص کے لئے اس کام کا اجر ہے اور ان لوگوں کا اجر جو اس کام کو کریں گے تو آپ کے بعد جتنے لوگ قرآن شریف جمع کریں گے، لکھیں گے، اس کا اجر و ثواب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔“

چونکہ اس قسم کا شبہ طریقت، شریعت، عقائد، اصول سب میں ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ہر فن والوں نے اس شبہ کی دفع کی طرف توجہ کی اور اپنی کتابوں میں اس شبہ کا جواب لکھا۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی القول الجلیل میں طریقہ قادریہ چشتیہ وغیرہ کے اوراد و اشغال ذکر کر کے فرماتے ہیں: ”و لا تظن ان النسبة لا تحصل الا بهذه الاشغال بل هذه طرق لتحصيلها من غير حصر فيها و غالب الراي عندي ان الصحابة و التابعين كانوا يحصلون السكينة بطرق اخرى (البيان قولہ) و هذا المعنى هو المتوارث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من طريق مشائخنا لا شك في ذلك و ان اختلف الالوان و اختلفت طرق تحصيلها“۔

مولوی خرمعلی صاحب بلہوری اس کے ترجمہ شفاء العلیل میں اس پوری عبارت کا ترجمہ اور مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کا فائدہ بیان کر کے لکھتے ہیں:

”مترجم کہتا ہے کہ حضرت مصنف محقق نے کلام دل پذیر اور تحقیق عظیم النظر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ بعض نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت رضی اللہ عنہم نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں وہ امر زمان رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے گو طریق اس کے تحصیل کے مختلف ہیں تو فی الواقع اولیائے طریقت، مجتہدین شریعت کے مانند ہوئے۔ مجتہدین شریعت نے استنباط احکام ظاہر شریعت کے اصول ظہرائے اور اولیائے طریقت باطن شریعت کی تحصیل کے جس کو طریقت کہتے ہیں، قواعد مقرر فرمائے تو یہاں بدعت سیئہ کا گمان سراسر غلط ہے۔ ہاں یہاں یہ البتہ ہے کہ حضرات صحابہ کو یہ سب صفائے طبیعت اور حضور خورشید رسالت کی تحصیل نسبت میں ایسے اشغال کی حاجت نہ تھی۔ بخلاف متاخرین کہ ان کو بسبب بعد زمان رسالت کے البتہ اشغال مذکورہ کی حاجت ہوئی جیسے صحابہ کرام کو قرآن و حدیث کے فہم میں قواعد صرف و نحو کے دریافت کی حاجت نہ تھی اور اہل عجم اور بالفعل عرب اس کے محتاج ہیں۔“ واللہ تعالیٰ اعلم (القول الجلیل مع ترجمہ شفاء العلیل ص ۹۰)

مترجم صاحب حضور خورشید رسالت پر حاشیہ لکھتے ہیں ”اس کی مثال ایسی ہے کہ جب تک آفتاب نکلا ہوا ہے، ہر چیز پڑھ لے سکتا ہے آدمی اور جب آفتاب غروب ہو گیا تو حاجت روشنی کی پڑی پڑھنے کے لئے۔ پس صحابہ رضی اللہ

عنہم کے وقت میں آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا، کچھ حاجت اشغال کی حضور مع اللہ کے لئے نہ تھی۔ فقط ایک نظر ڈالنے سے جمال باکمال پر وہ کچھ حاصل ہوتا تھا، اب چلوں میں وہ حاصل نہیں ہوتا اور اب چونکہ وہ آفتاب عالم تاب غروب ہوا، حاجت پڑی ان اشغال کی اس ملکہ حضور کے حاصل کرنے کے لئے۔“

اسی میں ص ۴۱ پر مولانا حاشیہ میں فرماتے ہیں: ”اور اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات اور بیانات واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات تخیل کے سبب سے جن کو مرد صافی الذہن اور علوم حقہ کا عالم دریافت کرتا ہے (الی قولہ) تو اس کو یاد رکھنا چاہئے یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخل بدعات سیئہ نہ سمجھنا چاہئے، جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں۔“

جناب شاہ ولی اللہ صاحب و جناب شاہ عبدالعزیز صاحب و مترجم صاحب کی ان تمام عبارتوں کو پیش نظر رکھنے والا بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ جب تک آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا، ایصال ثواب کے لئے کسی خاص طریقے کی حاجت نہ تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فقط نماز پڑھا دینا ہی گنگا رے گنگا کی نجات کے لئے کافی تھا۔ کما بدل علیہ حدیث: ”ان هذه القبور مملوءة ظلمة وانا نورها بصلاتی علیہا۔ یہ قبریں تاریکی سے بھری ہیں اور میں نماز پڑھ کر ان کو منور کرتا ہوں۔“

لیکن جب آفتاب رسالت غروب کر گیا تو طرح طرح کی ترکیب کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے علماء و مشائخ نے قرآن و حدیث سے اخذ کر کے ایصال ثواب کے طریقے نکالے جس سے رفع سیئات و رفع درجات ہوا۔ اس پر اعتراض اپنے کمال و اشدندی کا ثبوت دینا اور اکابر اولیائے کرام خصوصاً جناب شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ کو مورد اعتراض و ہدف ملامت بنانا ہے۔ اس قسم کے شبہ کار و نہ صرف صوفیائے کرام ہی نے کیا بلکہ جن علمائے کرام نے عقائد میں کتابیں لکھیں، انہوں نے بھی اس شبہ و اہیہ کا رد کیا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں: ”وقد كانت الاوائل من الصحابة والتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین لصفاء عقائد ہم بپرکۃ صحبة النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قرب العهد بمقامہ و قلة الوقائع و الاختلافات و تمکنہم من المراجعة الی الثقات مستغنین عن تدوین الغلمین و ترقیبہما ابو ایوب فصلاً و تقریر مقاصد ہما فروعا و اصولا الی ان حدثت الفتن بین المسلمین الخ“ (شرح عقائد ص ۳) ”سلف صالحین، صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور قرب زمانہ رسالت کی برکت سے اور واقعات و اختلافات کے کم ہونے اور ثقہ لوگوں کی طرف مراجعت کا موقع پانے کی وجہ سے ان دونوں علموں کے جمع کرنے اور ان کو باب و فصل میں ترتیب دینے اور مقاصد کو فروغ و اصول پر مقرر کرنے سے

مستغنی تھے۔ یہاں تک مسلمانوں میں فتنے پیدا ہوئے اور ائمہ دین سے بغاوت اور رایوں کا اختلاف اور بدعت و خواہش نفسانی کی طرف میلان ظاہر ہوا اور فتاویٰ و واقعات زیادہ ہوئے اور مبہم اور مشکل باتوں میں علما کی طرف رجوع کرنے لگے، تب علما نظر و استدلال اور اجتہاد و استنباط کی طرف متوجہ ہوئے۔“

علامہ سعد الدین قناتزانی کی غرض اس عبارت سے اسی شہد و اہیہ کا استیصال ہے جیسا کہ اس کے مضمون نے تصریح کی۔

علامہ حسن شہید حاشیہ شرح عقائد ص ۶ میں لکھتے ہیں: ”قوله قد كانت الخ دفع لما يوهم كون ذلك العلم مردود او حر اما لا يحسم الشارع عن شروعه و كان ما سبق تمهيد له۔ حاصله ان الابحاث الكلامية بدعة لعدم اشتغال الاوائل بها والافتقار اليها لتوفر دواعيه كما تقل اشتغالهم بالمسائل الفقهية و كل بدعة رد بخبره عليه الصلاة والسلام و حاصل الدفع ان اريد عدم اشتغالهم بها مطلقا فهو باطل لان الآيات على اثبات الصانع و صفاته و آيات النبوة والرد على المنكرين اكثر من ان يحصى فكيف يمكن ان يقال انهم لم يخوضوا في هذه الدلة و ان اريد عدم اشتغالهم بها على تدوينها و على تقرير مقاصدها فروعاً و اصولاً كما اشتغلنا نحن فمسلم لكن هي في هذا الامر كالققد و ليس لكونها مردودة بل لما ذكره من صفاء الخ فاشتغلنا بالفقه اه۔“

”شراح کا یہ قول قد كانت الخ جواب اس وہم کا ہے جو متوہم ہوتا ہے کہ یہ علم مردود و حرام ہے۔ یہ دفع اس لئے ہے کہ شرع کرنے والا شرع کرنے سے باز نہ رہے اور گزشتہ مضمون اسی کی تمہید ہے۔ خلاصہ اعتراض و وجہ کا یہ ہے کہ ابحاث کا مایہ بدعت ہیں۔ اس لئے کہ سلف صالحین اس کی طرف مشغول نہ ہوئے و نہ ضرور ہم تک منقول ہوتا، کیونکہ اس نقل و روایت کے دواعی کثیر ہیں۔ جس طرح ان کا فقہ کے ساتھ مشغول ہونا منقول ہوا اور جب وہ مشغول نہ ہوئے تو بدعت ہوا اور ہر بدعت بحکم حدیث نبوی علی صاحب الصلاة والحق مردود ہے اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس عدم مشغولی سے مراد مطلقاً عدم مشغولی ہے تو یہ بالکل باطل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور نبوت کے اثبات اور منکرین کے رد کی آیتیں حد شمار سے باہر ہیں تو کیونکر ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ سلف صالحین نے ان آیات میں غور و خوض نہ کیا اور اگر یہ مراد ہے کہ علم و فن بدون نہ کیا، اصول و فروع معین نہ کیا، جس طرح ہم لوگ اس کے ساتھ مشغول ہیں تو بیشک یہ مسلم ہے مگر یہ عدم مشغولی اس وجہ سے نہیں کہ یہ علم مردود ہے بلکہ اس کی وجہ وہی ہے جو شراح علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا کہ صفائے عقائد کی وجہ سے ان کو اس کی ضرورت ہی نہ تھی تو ہم لوگوں کا اس علم کے ساتھ مشغول ہونا بدعت حسنہ ہے جس طرح فقہ کے ساتھ مشغول ہونا۔“

علامہ خیالی اسی مضمون کو نہایت ہی نفیس قل و دل طریقے سے بیان کرتے ہیں: ”وقد كانت الاوائل تمهيد لبيان الشرف وغاية مع الاشارة الى دفع ما يقال من ان تدوين هذا العلم لم يكن في عهد النبي عليه السلام ولا في عهد الصحابة والتابعين ولو كان له شرف وعاقبة حميده لما احسوه“۔ ”مصنف کا قول و قد كانت الاوائل الخ اس علم کے شرف اور فضیلت کی تمہید اور اس کی غایت کا بیان اور اس اعتراض کے دفع کے طرف اشارہ ہے کہ علم کلام کی تدوین نہ زمانہ رسالت میں ہوئی، نہ عہد صحابہ و تابعین میں۔ تو اگر اس علم میں کوئی خوبی ہوتی اور اس کا انجام محمود ہوتا تو سلف صالحین ہرگز اس کو چھوڑ نہ دیتے۔“ (خیالی ص ۹)

اسی طرح مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی شرح مسلم الثبوت میں منطق کے متعلق اس شبہ کو دفع فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ص ۳۱: ”و يعلم ان النظر قد يقع فيه الخطاء من جهة الصورة وقد يقع من جهة المادة فلا بد من عاصمه عن الخطاء والعقل الكامل عاصم عن الخطاء بحسب القطرة السليمة ولا يحتاج في العصمة الى المنطق اصلا كما هو للصحابه و من تبعهم اذ ببركة صحبة النبي صلى الله عليه وسلم وقرب نزول الوحي كانت عقولهم كاملة غير مشوبة بالوهم واذهانهم كانت قوية وقرائهم جيدة واما امثالنا فلبعد زماننا عن زمان النبي صلى الله عليه وسلم وظهور الفسق والفساد وكثرة المشاجرات والاختلافات محتاجون في العصمة عن الخطاء من جهة الصورة الى المنطق ومن جهة المادة الى مباحث الامور العامة والجواهر والاعراض فوجب لنا هذه العلوم بعد وجوب النظر ايضا اه“۔

”جانتا چاہئے کہ نظر میں کبھی غلطی صورت کی جہت سے واقع ہوتی ہے اور کبھی مادہ کے بہت سے تو ایسے علم کی ضرورت ہوئی جو خطا سے بچائے اور عقل کامل باعتبار فطرت سلیمہ خطا سے بچانے والی ہے اور ایسے شخص کو منطق کی اصلا ضرورت نہیں جیسے صحابہ و تابعین تھے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور نزول وحی سے قرب زمانہ کی برکت سے ان کی عقلیں کامل تھیں، آمیزش و ہم سے مبرا تھیں اور ان کے اذہان قوی تھے اور طبیعتیں جید تھیں لیکن ہم جیسے لوگ تو زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری، فسق و فسادات کے ظہور، مشاجرات و اختلافات کی کثرت کی وجہ سے خطا سے بچنے کے لئے صورت کے اعتبار سے منطق اور مادہ کے اعتبار سے مباحث امور عامہ، جوہر و اعراض کے محتاج ہیں تو ہمارے لئے وجوب نظر کے بعد بھی ان علوم کی ضرورت ہے اور ان علوم کا جانتا واجب ہے“

بالجملہ ہر علم و فن والے علماء زمانہ رسالت اور صحابہ و تابعین کے لئے بوجہ آفتاب رسالت و قرب عہد بابرکت شرف و عزیت مانتے اور جانتے ہیں کہ جو باتیں ان کو بے کسب و حنت حاصل ہوتی تھیں، ان کے لئے ہم لوگوں کو مجاہدہ و ریاضت سعی و مشقت کرنی ہوگی۔ یہ خیال خام ہے کہ جب انہوں نے نہ کیا تو ہم کو کرتا رہا وہاں ہوگا بلکہ بوجہ بعد زمانہ خیر و

برکت عہد رسالت ریاضت و محنت اور اوضاع و اطوار میں تا حد جائز شرع جدت کرنی ہوگی اور یہ سب جائز و کار خیر مطابق شرع شریف ہی سمجھا جائے گا۔

مولوی اسماعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم، ص ۷ لکھتے ہیں: ”اشغال مناسب ہر وقت و ریاضت ملائمہ ہر قرن جدا جدا می باشد و لہذا محققان ہر وقت از اکابر ہر طرق و در تجدید اشغال کو مشہد کردہ اند۔ بناء علیہ مصلحت دید وقت چنان اقتضا کرد کہ یک باب از این کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب این وقت است، تعیین کردہ شود۔“

دیکھئے جو لوگ بدعت پر سخت دار و گیر کرتے ہیں، وہ بھی نئے نئے طریقے اور اوو اشغال کے نکالنے اور ان اشغال جدیدہ کو درج کتاب کر کے دوسروں کو ان نئے نئے طریقوں پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ ان نئی نئی باتوں پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اگر یہ طریقے شرعاً جائز ہوتے تو تم سے پہلے صحابہ ضرور کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب باتوں کا ضرور حکم دیتے، یہ سب اوہام و خیالات ہیں۔ شیطان کی ایک زبردست چال یہ ہے کہ نبی عن المسکر کے پردہ میں عمل بالمعروف سے روکتا ہے۔ ولا یغفر لکم باللہ الغرور۔ خداوند! اپنے حبیب پاک، صاحب اولاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے شرع کے موافق جائز کاموں کی توفیق دے اور ممنوعات و منہیات شرعیہ سے بچا آمین ثم آمین۔ قصد تھا کہ ان چاروں سوالوں کے مختصر جوابات لکھ کر روانہ کر دیے جائیں مگر جواب نے ایک رسالہ کی شکل اختیار کی تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کا تاریخی نام ”نصرة الاصحاح باقسام افعال الشواب“ (۱۳۵۴ء) رکھا جائے۔ خداوند! اس رسالہ کو میرے دیگر رسائل و تصنیفات کی طرح قبول فرما اور مجھ کو اہر میرے سب دینی بھائیوں کو اس سے فائدہ پہنچا و ما ذلک علی اللہ بعزیز و هو حسبی و نعم الوکیل و صلی اللہ تعالیٰ علی شہر خلقہ سدا محمد و آلہ و صحبہ و ابنہ و حترہ اجمعین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

قالہ بغمہ و رقمہ بقلمہ الفقیر ظفر الدین القادری الرضوی

غفرلہ وحقق املہ لثمان خلوق من حمادی الاخری ۱۳۵۴ء۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ از ائمہ دہلی، پر جمعہ گزہ میرٹھ، مرسلہ فی فدا حسین و عافہ عبدالحقیم و شیخ محبوب الہی ۱۸ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین در بارہ عرس متعارف مروجہ جو صوفیائے زماں روز انتقال اولیاء اللہ وغیرہ بزرگان کے مقابر پر ہمیشہ بقید تاریخ رحلت وصال عزیزہ بدشعوت اس کے کہ بتغییر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

ہر سال قبور شہدائے اُحد پر تشریف لے جاتے اور فرماتے سلام علیکم بما صبرتم فنعیم عقبی الدار اہتمام تبلیغ رکھتے ہیں۔ پس علمائے دین و ائمہ مجتہدین و اصحاب متصوفین متقدمین و متاخرین اس امر میں جن کے قول و فعل یا اتفاق جمہور امت محمدیہ اعلیٰ الفضل و الکمال و ارباب الوجد و الحال قابل التسلیم واجب العمل ہوں، جبکہ مجالس ہجوم زناں و تماشاے مردماں، آثار شرکیہ و ارتکاب معاصی نظارہ اجنبیہ ہو و لعب و طوائفان رقاصات آلات مزامیر وغیرہ سے خالی ہوں، کیا حکم قائم رکھتے ہیں اور قرون ثلاثہ مشہور لہبا بالخیر میں اس کا وجود تھا یا نہیں؟ اثنیٰ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ائمہ ہدیٰ میں سے آیا کسی کی قبر کے ساتھ یہ عمل واقع ہوا یا الحال دیار عرب و عجم وغیرہ میں سلسلہ ہذا جاری ہے یا نہیں؟ اور موجد اس کا کون شخص ہوا ہے؟ بخودین جو اس پر حدیث مذکور پیش کر کے استدلال لاتے ہیں، طرف ثانی سے ممنوع ہونے میں کیا جواب ہے؟ ہندوستان میں جن مقابر بزرگان پر ایام عرس وغیرہ میں طوائفان مزین ہو کر با ساز و مزامیر رقص و مجرا کیا کرتی ہیں و نیز اکثر گروہ نسوان اہل قبور سے بطریق حاجت برآری یعنی شرک منت و نیاز و زیارت مجتمع ہوتی رہتی ہیں۔ والیان ملک اسلام اور مسلمانان اہل اختیارات و ذی قوت ایسے لوگوں کو غیر ملحوظ احترام شریعت غراء اور رختہ انداز ملت بیضا اور معطن بہ نق و گناہ ہیں، بجز برہنہ روک دیئے جائیں یا نہیں؟ اور در صورت عدم ممانعت ہر مسلمان صاحب قدرت سے مواخذہ روز حشر یا قی رہے گا یا نہیں؟ عورتوں کو زیارت قبور کے باب میں و ائح کیا حکم ہے؟ مینواتو جروا۔

ال باب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي رضي لنا الاسلام ديناً وجعلنا من خير الامم قطعاً و يقيناً. و افضل الصلوات و اكمل التسليمات على من نزل عليه الكتاب لكل شيء تبييناً و ارسلاً داعياً الى الله بباته و سراجاً مبيناً. كمل فيه الكمال و نزهه من كل عيب و شين فهو لكل من وافى يوم القيامة شرف و ملجأ و زين سيدنا النبي الامي خاتم النبيين عروس مملكة رب العلمين ه و اشهد ان لا اله الا الله و حده لا شريك له و اشهد ان سيدنا و مولانا محمداً عبده و رسوله. صلى الله تعالى و سلم عليه و على اله و صحبه اولي النجاه الذين جاھدوا باموالهم و انفسهم في سبيل الله و منهم من قاتلوا و قتلوا و اقتلوا و امالاً بنا لله ذوالطول۔ ان زارهم النبي صلى الله تعالى عليه و سلم و الخلقاء الراشدون على رأس كل حول و على الله الامين المعين محيى الاسلام و الملة و الشريعة و الدين و اولياء امته و علماء ملته اجمعين التي يوم الدين و علينا معهم و بهم يا ارحم الراحمين۔ و بعداً فيقول العاجز الى الله القوى احد خدام الباب الرضوي عبيد المصطفى ظفر الدين

المحممدي السني الحنفي القادري البرکاني العظیم ابادی البهاری المجزوی۔ عاملہ اللہ بلطفہ الحنفی و فضلہ الوفی فی الحاضر و الآتی مستعینا باللہ الکریم و رسولہ الکریم و ابنہ الغوث محی الدین و اولیائہ اجمعین فی فتح الباب و دفع الحجاب عن وجه الصواب مسمی اللحواب بالاسم الشاریعی ”مواعب ارواح القدس لکشف حکم العرس“ اللہم اجعلہ لعل لصلوہ الکریم و مکفر الذنوبی بکرمک العمیم و هادیا للضالین و المصلین۔ آمین! لک علی کل شیء قدیر و بالاجابة جلیل۔

عرس متعارف مذکور فی السؤال کہ بیوم زمان و تماشاے مردمان آثار شرکیہ و ارتکاب معاصی نگارہ اجنبیہ و لیب و طوائفان رقاصان و آلات مزامیر و غیرہ سے خالی ہو، بلاشبہ جائز و درست ہے کہ الامور بمقاصدھا کما فی الاشیاء و النظائر لا فضل المشاہرین مولا نازین العابدین بن نجیم الحنفی۔ اور ظاہر ہے کہ غرض انعقاد اس مجلس سے ایصال ثواب فاتحہ و قرآن خوانی ہے، تحصیل خیر و برکات ہے اور یہ دونوں بلاشبہ جائز ہیں۔ اہل سنت و جماعت کثیر ہم اللہ تعالیٰ کی کتب تو اس سے مملو و مشون ہیں۔ مگر الحمد للہ کہ وہابی پارٹی کو بھی اس میں کلام کا موقع نہیں کہ سرگروہ طائفہ۔

مولوی السخیل صاحب دہلوی اپنی کتاب صراط مستقیم میں لکھتے ہیں: ”نہ پندارند کہ شیخ رسانیدن با موات با طعام و فاتحہ خوانی خوب نیست۔ چرائی معنی بہتر و افضل است۔“

ناصر ملت و ہابیہ رشید احمد صاحب کے فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۷۲ میں ہے: ”ایصال ثواب ہر روز درست اور موجب ثواب ہے۔“

ان کے محرمذہب مولوی خلیل احمد صاحب امبھی کے براہین قاطعہ ص ۳۳ میں ہے:

”اور مسلم تمام امت کا ہے کہ ایصال ثواب مستحسن اور مندوب ہے۔“

رہا تحصیل خیر و برکات، کوئی جاہل سا جاہل بلکہ پانگل سا پانگل بھی بشرطیکہ وہابی نہ ہو، یہ نہیں کہہ سکتا کہ اپنے فائدے کی طلب ٹھیک نہیں اور یہ بُرا ہے اور ممنوع ہے۔ باقی تخصیص و تعیین یوم رحلت اور ہر سال کے بعد اسی دن کو کہ یوم انتقال ہے، خاص کرنے کا جواز متعدد اسناد سے ثابت۔

سند اول و دوم: ”حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین ہر سال کے سرے پر شہدائے

أحد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار فرماتے۔ کما أخرجه محمد بن جریر الطبری عن محمد بن ابراهیم قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یأتی قبور الشهداء علی رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار، و ابو بکر و عمر

عثمان اہ کذا أخرجه ابن المستدر وابن مردويه عن انس رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان يأتي احدى اكل عام فاذا تقوه الشعب سلم على قبور الشهداء فقال سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار قاله الامام الحليل الحلال السيوطي الشافعي في الدر المستور في تفسير القرآن بالمأثور وزاد الامام فخر العلة والدين الرازي الشافعي حاتم الخلقاء امير المؤمنين علي بن ابي طالب كرم الله تعالى وجهه الكريم فقال والخلقاء الاربعة هكذا يفعلون۔

”ابن منذر اور ابن مردويه نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال اُحد شریف لے جاتے اور جب گھائیاں سامنے آتیں قبور شہداء کو سلام کرتے۔ سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبى الدار فرماتے یعنی سلامتی ہو تم پر اس کے بدلے کہ تم نے صبر کیا، پس کیا اچھا ہے عاقبت کا گھر، اور خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بھی ایسا ہی کرتے۔“۔ والحدیث نقلہ الحافظ ابن حجر المکی فی حسن التوسل عن ابن الحاج بهذا اللفظ ”قال كان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یزور الشهداء باحد فی کل حول واذ بلغ الشعب رفع صوته فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبى الدار ثم ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورواہ ابن ابی شیبہ فی مسنده عن عباد بن ابی صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اس استدلال پر مولوی اسحق صاحب دہلوی کے ماہیہ مسائل مطبوعہ مصطفائی ۱۲۸۳ھ ص ۲۹ پر یہ شبہ دیکھنے میں آیا کہ اولیہ حدیث صحاح کی نہیں کہ محل سخن نہ ہو بلکہ اس کتاب کی ہے کہ ”اس میں ہر قسم کی حدیث صحیح حسن، ضعیف، بلکہ موضوع بھی موجود ہے۔ معہذا یہ حدیث متصل الاستاد مرقوع بھی نہیں تو نزدیک محدثین کے صحیح نہ ہوئی اور تا وقتیکہ اس کی صحت کا یقین نہ ہو لے، کسی چیز کے جواز و عدم جواز پر استدلال نہیں لانا چاہئے کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے اور بر تقدیر صحت، حدیث مجمل ہے کہ اس حول کے دو معنی ہیں۔ اول سن یعنی یکم محرم اور اول سن موت صاحب قبر سے۔ اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ حدیث مجمل پر عمل جائز نہیں جب تک کہ اس کا بیان مجمل کی طرف سے نہ ہو۔ پس حدیث لا تجعلوا قبیری عیدا ای لا تجتمعوا عند قبری کا اجتماعکم للعید کے معارض ہے“ اہ مترجم۔

اہل علم پر مخفی نہیں کہ مولوی صاحب نے ان چند سطری عبارت میں کتنی غلطیاں کھائیں، علم و فضل کے جوہر دکھائے، محدثیت کے گل کھلائے۔ اولیہ کہنا کہ یہ حدیث صحاح کی نہیں کہ محل سخن نہ ہو، محض عامیہ نہ کلام ہے اور بے اصل محض ہے۔ کیا صحاح کی سب حدیثیں صحیح ہی ہیں کہ محل سخن نہ ہوں؟ نہیں نہیں۔ بلکہ صحاح میں بھی ہر طرح کی حدیثیں موجود حتیٰ کہ بعض محدثین نے بعض احادیث صحیح بخاری کو موضوع تک کہا ہے۔ دیکھو حدیث اسرا مروی از شریک کہ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں اور امام قاضی عیاض مالکی وغیرہ نے اس حدیث میں کلام فرمایا اور ابوالفضل بن طاہر نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا اور اس میں ابن حزم سے نقل کیا: قال لم نجد البخاری و مسلم فی کتابیہما شیئاً لا یحتمل مخرجاً الا حدیثین تم علیہما فی تخریجہ ابوہم وقال الخطابی لیس فی ہذا الکتاب حدیث اشنع ظاہراً ولا اشد مذاقاً من ہذا الفصل وقد حزم ابن القیم فی الہدیٰ بان فی روایۃ شریک عشرۃ اوہام۔

اسی طرح صحیح مسلم شریف میں حدیث دربارہ قصہ اسلام ابی سفیان عمرہ ابن عمار کے مروی کہ ابن حزم نے کہا ہذا حدیث موضع لاشک فی وضعہ اہ قال فی تصحیح المسائل۔ صحاح کو صحاح کہنا امر تغلیبی ہے کہ اکثر احادیث ان کی صحاح ہیں۔

شیخ محقق محدث دہلوی مولانا شاہ عبداللہ صاحب مقدمۃ اللغات میں تحریر فرماتے ہیں: ”دریں کتب سے اقسام حدیث از صحاح و حسان و ضعاف موجود است و تسمیہ آن بصحاح سے بطریق تغلیب است۔“ ”کتب صحاح سے (۱) بخاری (۲) مسلم (۳) ابوداؤد (۴) ترمذی (۵) نسائی (۶) ابن ماجہ میں صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں اور انہیں صحاح سے کہنا امر تغلیبی و اکثری ہے۔“

نائباً یہ کہنا کہ ”بلکہ اس کتاب کی ہے کہ اس میں ہر قسم کی حدیث صحیح و حسن و ضعیف بلکہ موضوع بھی موجود ہے۔“ محض لہجہ اور پوچھ ہے کہ حال صحاح کا بھی یہ ہے کہ ان میں صحیح، حسن و ضعیف ہر طرح کی حدیثیں بلکہ بعض صحاح مثل جامع ترمذی و ابن ماجہ میں بعض احادیث وہ بھی ہیں جن پر حکم وضع کیا گیا کہ حدیث صحیح نہ صحاح میں محصور نہ صحاح حدیث صحیح پر مقصور۔ پس اس حدیث کا صحاح سے میں نہ ہونا اور محمد بن جریر طبری اور ابن مردودہ اور ابن منذر اور ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری و مسلم کی کتاب میں ہونا ہرگز ہرگز باعث طعن و عدم قول نہیں۔ البتہ اگر نقاد حدیث نے اس حدیث پر کلام کیا ہوتا تو ایک بات تھی یا حکم امتناعی کلی دیا ہوتا کہ ابن جریر کی یا سوائے صحاح کے کوئی حدیث قابل قبول نہیں، تو یہ عذر البتہ قابل قبول ہوتا۔ واذلیس فلیس۔ علاوہ یزید جب اجلہ اکابر علمائے امام جلال الدین سیوطی و ابن ابی شیبہ استاذ بخاری و مسلم و خاتم الحفاظ ابن حجر و مولانا شاہ عبدالعزیز و الامام فخر المملکۃ والدین رازی و صاحب شرح لباب المناسک و ابن عابدین شامی وغیرہم نے اسے قبول کیا اور رد نہ فرمایا تو پھر بلا وجہ کیونکر رد ہو سکتی ہے؟ آخر وہ تو مولوی صاحب سے علم و فضل میں زائد ہی تھے، جنہیں حدیث کی تصحیح و تحسین کا مرتبہ خود صاحب حدیث سے حاصل تھا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ الہ وبارک و مسلم۔

ثالثاً یہ کہنا کہ ”معبد احمد شین کے نزدیک یہ حدیث متصل الاستاد مرفوع بھی نہیں تو محدثین کے نزدیک صحیح نہ

ہوئی۔“ بھی ایسا ہی ہے۔ کیا ہر حدیث کا متصل الاسناد مرفوع ہونا ضرور ہے؟ متصل الاسناد مرفوع ہونا داخل مابیت صحیح ہے؟ کیا کوئی موقوف یا مرسل حدیث صحیح نہیں ہوتی؟ حدیث صحیح کی تعریف جو شیخ محقق وغیرہ نے التصحیح مابینہ نقل عدل تام الضبط غیر معطل ولا شاذ فرمائی ہے صحیح نہیں؟ کیا اتنے قید کی اور ضرورت ہے ورفیع البی النسبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولم یسقط راو من الرواة من البین؟ پھر ذرا انصاف سے فرمائیے تعلیقات صحیح بخاری کے لئے کیا حکم ہوتا ہے؟

رابعاً اس حدیث میں مولوی صاحب نے کون سا ارسال یا انقطاع ثابت کیا کہ متصل الاسناد ہونے کا انکار کیا ہے؟ کیا نہ دیکھا کہ ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصل روایت کیا ہو۔ خامساً مرفوع نہ ہونے کی بھی ایک ہی کبھی۔ صراحۃً حدیث میں فعل القدس حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مروی۔ پھر مرفوع نہ ہو، چہ؟ شاید مولوی صاحب نے حدیث میں اسمائے خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی دیکھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آنکھ بند کر لی یا ان کے مذہب میں جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ائمہ صحابہ کا نام بھی مروی ہو تو حدیث موقوف ہو جایا کرتی ہے؟

سادماً یا وصف ادعائے خفیت عدم اتصال اسناد سے صحت حدیث نہ مانتا عجب العجاب ہے۔ ہمارے ائمہ کرام نیز ائمہ مالکیہ و جمہور ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اتصال سند ہرگز شرط صحت نہیں۔ کتب اصول اس کی تقریر و تحریر سے مملو و مشحون ہیں۔

سابعاً جناب مولوی صاحب کو اتنا بھی خیال نہ رہا کہ ہمارے امام الائمہ مالک الائمہ، سراج الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حدیث کا مرفوع ہونا بھی ہرگز شرط احتیاج نہیں کہ وہ آثار صحابہ کو بھی حجت جانتے ہیں کما ہوا منصوص علیہ فی کتب الاصول۔

ثامناً یہ کہنا کہ ”تا وقتیکہ کہ اس کی صحت کا یقین نہ ہو، کسی چیز کے جواز و عدم جواز پر استدلال لانا نہیں چاہئے کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے“، کس درجہ خلاف عقل و فہم سے بعید ہے۔ استدلال کے لئے حدیث صحیح یا استدلال محدثین ہونا ہرگز ضروری نہیں۔ حسن اور ضعیف مروی بطرق عدیدہ بلکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف فرد بھی معتبر ہے۔ شیخ محقق مقدمہ افیہ الممعات میں تحریر فرماتے ہیں: ”احتیاج و کلام بجز صحیح لذاتہ مجمع علیہ است و یجوز بحسن نزد عامۃ علماء و آں ملحق ست صحیح و احتیاج اگرچہ در رتبہ کمتر است۔ و چون حدیث ضعیف بعد و طرق بمرتبہ حسن برسد، آن نیز صحیح بہ است۔ و آنکہ مشہور است کہ حدیث ضعیف و فضائل اعمال معتبر است، نہ در غیر آں، مگر و آتش مراد است نہ مجموع کہ آں بعد و طرق داخل حسن است، نہ ضعیف صریح بہ الائمہ اہ۔ پس نہ ہر حدیث کا متصل الاسناد

مرفوع ہی ہونا ضرور، نہ استدلال حدیث صحیح ہی پر منحصر و مقصور۔ بہتری (اکثر) حدیثیں موقوف و مرسل بھی ہیں خصوصاً تعلیقات بخاری کہ شیخ محقق قدس سرہ نے فرمایا: "قالوا: تعلیقات البخاری متصلة صحيحة"۔ مقدمہ اسناد المتعات میں ہے: "وتعلیقات در تراجم صحیح بخاری بسیار است و ہمد آن صحیح است و حکم اتصال وارد اہل"۔

اسی طرح بکثرت مسائل کی دلیل میں حدیث موقوف ہی منقول۔ مگر شاید مولوی صاحب نے حتیٰ القوی کے اعتبار سے فرمایا ہوگا کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے، یعنی غلط حدیث سے استدلال صحیح نہیں یا جان بوجھ کر مصلحتاً ایسا لکھ دیا۔ غرض بہر حال! مجھے ایسا خیال معلوم ہوتا ہے کہ لوگ یہ چلتی کاروائی دیکھ کر یہ نہ کہنے لگیں۔

فان كان لا يدري فلتك مصيبة

وان كان يدري فالمصيبة اعظم

ثامناً احادیث صحاح ستہ کیا سب متصل الاسناد مرفوع ہی ہیں کہ ان سے استدلال کیا جاتا ہے؟

تاسعاً رد حدیث کے لئے تنگی دائرہ کو اتنی وسعت دی کہ فقط صحیح مرفوع متصل الاسناد مروی صحاح پر قیامت نہ کی بلکہ یہ جبروتی حکم نافذ ہوا کہ جب تک صحت حدیث پر یقین نہ ہو لے اسناد روا نہیں۔ مولوی صاحب! صحت پر یقین تو احادیث بخاری پر بھی نہیں ہو سکتا جبکہ آحاد ہو۔ یقین کے لئے تو اترا یا کم از کم وہ شہرت درکار ہے جسے اصول حنفیہ میں شہرت کہتے ہیں۔ شہرت اصول شافعیہ بھی مرتبہ نکلن آحاد سے زیادت نہیں رکھتی۔

عاشراً اخذ جانے ان حضرات کو بحوزہ اللوہابی مالا بحوزہ لغیرہ کا فتویٰ کہاں سے مل گیا ہے؟ حضرت کی اسی مائتہ مسائل دارالبحین میں کتنی استناد ان روایات سے موجود جو صحاح نہیں اور ان سے جو متصل الاسناد نہیں اور ان سے جو مرفوع نہیں۔ اپنے لئے سب کچھ حلال اور دوسرے پر محض بزور زبان یا غیظ و جلال ناجائز ہے، حرام ہے، استدلال جائز نہیں۔

مائتہ مسائل صفحہ ۳۸ جواب سوال بست و سوم (اعمال عباد از خیر و شر بر اقرباء و معارف ایشان می رود یا نہ و او شال در حق احیا خود بآدعاے کنند یا نہ کنند) میں "شرح الصدور فی احوال الموتی و القبور" امام جلال الدین سیوطی سے جسے امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ اسی کے صفحہ ۳۲ جواب سوال بست و پنجم (ثواب قرآن شریف و دیگر اعمال صالحہ باموات می رسد یا نہ؟) میں حدیث دارقطنی۔ اسی کے صفحہ ۶۳ جواب سوال سی و سوم (سجدہ کردن قبر را برائے تعظیم مقبور در شرع حرام است یا کفر یا شرک کبیرہ) میں احادیث امام احمد ابن حنبل، بیہقی عن عبد اللہ بن ابی اوفی و طبرانی، حاکم، بیہقی عن قیس بن سعد و حاکم عن بریدہ، و احمد عن معاذ، و طبرانی عن سراقہ بن مالک و ابن ابی شیبہ عن عائشہ و بیہقی عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اسی کے صفحہ ۱۰۱ جواب سوال ہشتاد و پنجم (مقرر کردن حافظہ فی رویہ سر ختم قرآن یا چہار چہ حکم وارد جائز یا گناہ، کد ام گناہ؟) میں حدیث بیہقی سے دلیل لائے اور ذرا بھی

خیال نہ کیا کہ اس احادیث از صحاح نیست کہ کل خن نباشد بلکہ از اس کتب است کہ در آن کتب حدیث ہر قسم صحیح و حسن و ضعیف بلکہ موضوع ہم یافتہ می شود۔ اسی طرح اسی مائتہ مسائل کے صفحہ ۳۲ سوال بست و پنجم مذکور کے جواب میں ہے: "وروی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یموت الرجل ویذع ولدافیرقع لہ درجۃ الخ۔ اسی کے صفحہ ۵۵ سوال بست و نهم (نماز گزاردن بر طرف راست قبر یا پائین قبر گناہ، کد ام گناہ) کے جواب میں ہے: "ورای عمر انس بن مالک یصلی عند قبر فقال القبر القبر والعمریا مرہ بالاعادۃ۔ اسی کے صفحہ ۶۶ جواب سوال سی و ششم (شامیانہ و خیمہ استادہ کردن بر قبر چہ حکم دارد، جائز یا گناہ، کد ام گناہ؟) کی دلیل میں ہے: "ورای ابن عمر فسقطاطاعنی قبر عبدالرحمن فقال انزعہ یا غلام! فانما یظللہ عسلہ و غیرہ مسائل میں حدیث موقوف تحریر مائی اور اس کا لحاظ نہ کیا: معہذا نزد محمد شین اس حدیث متصل الاسناد مرفوع ہم نیست پس نزاد ایشاں صحیح نہ باشد و فتیکہ یقین بر صحت آن نقد در مقام استدلال بر جواز شے و عدم آن آوردن نشاید۔ اسی طرح مسائل اربعین مطبوعہ مطبع محمدی ۱۲۶۱ھ کے صفحہ ۷ جواب سوال یکم (وقت تولد طفل کہ در ہر دو گوش وے اذان و اقامت می دهند واجب است یا سنت یا مستحب و اگر نامش محمد یا احمد نہند، درست است یا نہ؟) میں احادیث مقابح النجا و مسند ابی یعلیٰ و طبرانی و ابن عدی سے دلیل لائے۔ اسی کے صفحہ ۱۵ جواب سوال ہفتم (تقسیم شیرینی و طعام بعد کتب در مردمان برادری جائز است یا نہ؟) میں حدیث موقوف قصہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کیا کہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد آموختن سورہ بقرہ شتر را خر نمود و دوستان خود را خورانیدہ بود)۔

حادی عشر یہ فرمان کہ بر تقدیر صحت حدیث مجمل ہے اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ حدیث مجمل پر عمل جائز نہیں جب تک اس کا بیان مجمل کی طرف سے نہ ہو بالکل بجا اور درست ہے۔ حدیث مذکور کو بحیلہ اجمال ناقابل عمل بنانا بھی جناب مولوی صاحب ہی ایسے محدث کو زیبا ہے۔ لفظ حول میں اثر دھام معافی اور اشتباہ مراد ہی کہاں؟ کیا حول بھی مشترک ہے کہ اول محرم، اول دن موت صاحب قبر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے؟ نہیں بلکہ حول کا معنی دورہ ہے، محرم سے ابتدا کی جائے یا صفر سے، ذیقعدہ ہو یا ذی الحجہ سے، کم ہو یا دسویں، بیسویں یا بائیسویں۔ غرض جس جو سے ابتدا کی جائے، اس جز تک دورہ ایام و شہور آجانے کا نام حول ہے۔ فقہائے کرام جو دربارہ و وجوب زکوٰۃ حولان حول فرماتے ہیں، اس سے بھی یہی مراد کہ جس دن مالک نصاب ہو، اس کے ایک سال بعد زکوٰۃ واجب ہے۔ رہا یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کب تشریف لے جاتے؟ جناب مولوی صاحب نے دو احتمال نکالے ہیں۔ ابتدائے محرم اور ابتدائے تاریخ موت صاحب قبر۔ مگر قبل تحریر فتویٰ یہ تو غور کر لینے کی بات تھی کہ تعین سن ہجری اور اس کی ابتدا ماہ محرم سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں

کب تھی؟ یہ تو زمانہ خلافت راشدہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرار پائی ہے۔ تو احتمال اول تو احتمال ہی ہو گیا۔ پس نہ رہا باقی مگر احتمال ثانی کہ تاریخ موت صاحب قبر سے سال کے بعد شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار فرماتے۔ اب بھی اعراس میں یہی ہوتا ہے اور ابتدائے سال وفات یوم وصال ہے تو اسی حدیث سے تعیین یوم وفات کی وجہ بھی ظاہر ہو گئی اور یہ سنت پھری اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ اس کل حؤل سے مراد پہلی محرم ہر سال کی ہے تب بھی تو مذہب وہابیت کے گٹھے پر پھری چل گئی کہ وہاں تو بلا تعیین کی پھری ہوئی ہے اور تعیین بدعت اور ہر بدعت ضلالت اور ہر ضلالت فی النار ہے۔ چنانچہ مولوی گنگوہی صاحب کے فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۸ میں ہے: ”طریقہ معینہ عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہذا بدعت ہے اور بلا تعیین کروینا درست ہے۔“ اور یہی مفہوم مولوی صاحب کی سائلۃ مسائل اربعین کا ہے کہ فرماتے ہیں: ”مقرر کردن روز عرس جائز نیست۔“ اور اس حدیث سے تعیین و تقرر ثابت۔ دن موت صاحب قبر کی نہیں۔ ابتدائے محرم ہی کی تعیین سہی۔

ثانی عشر حدیث مذکور کو حدیث لا تجعلوا قبیری عبداً کے معارض کہنا بھی عجیب بات ہے کہ جس امر کا وہاں حکم ہے، یہاں اس کی ممانعت ہے، نہیں، اس لئے کہ حدیث لا تجعلوا میں تو ممانعت اس امر کی ہے کہ میری قبر کے پاس مثل عید کے لہو و لعب کے ساتھ جمع نہ ہو کہ موجب غفلت و قسوت قلب ہے یا یہ کہ میری قبر کو تم عید نہ بنا لو، یعنی جس طرح عید کے لئے سال میں صرف دو دن جمع ہوتے ہیں، میری زیارت کو صرف دو دن پر منحصر و مقصور نہ کرو بلکہ اکثر حاضر ہوا کرو کہ مہبط ہزاراں ہزار رحمت و برکت اور ذریعہ حصول انواع سعادت ہے۔

ملا علی قاری حنفی مرقاۃ المفاتیح لمشکوۃ المصابیح میں تحریر فرماتے ہیں: ”لا تجعلوا قبیری عبداً فهو واحد الاعباد ای لا تجعلوا زیارۃ قبیری عبداً ولا تجعلوا قبیری مظهر عید فانہ یوم لہو و سرور و حال زیارۃ خلاف ذلك وقیل یحتمل ان یکون للحث علی کثرۃ زیارۃ ولا تجعلوا کالعید الذی لا یأتی فی العام الا مرتین قال الطیبی نہا ہم عن الاجتماع لہا اجتماعا لہم للعید تزہۃ وزینۃ اہ۔“

اور حدیث مذکور کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یاتی قبور الشہداء الحدیث میں یہ حکم کہاں کہ ہر سال میری قبر پر لہو و لعب و تماشا کنایہ جمع ہو یا قبر کو میری عید بنا لو اور ہر سال دو ہی مرتبہ مثل عید کے جمع ہو بلکہ ہر سال قبور شہدائے اُحد تشریف لے جانا اور سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار فرمانا مذکور۔ پس ایسی حالت میں اس حدیث کو اس کے معارض جاننا بھی خوش فہم ہی کا کام ہے۔

ثالث عشر اس حدیث کا مدلول صرف زیارت قبور جاننا اور جواز اعراس پر استدلال کو منع کرنا بھی تعجب خیز

امر ہے۔ آخر کان اور علیٰ راس کل حول بھی لفظ موضوع ہے۔، کچھ معنی رکھتا ہے یا یوں ہی زائد لقو و فضول ہے۔ زیارت قبور تو بانی قبور الشهداء ہی سے منہوم ہوتی ہے۔ ان دونوں لفظوں کا کیا فائدہ ہے، وہ ہم سے سنئے۔ علیٰ راس کل حول تو دلالت تعین و تخصیص یوم وفات پر کرتا ہے کما قدمنا اور لفظ کان قبل مضارع مداومت پر۔

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ص ۳۳۱ میں ہے: ”ووجه الکراهۃ مخالفة فعله الذی کان علیہ الصلوۃ والسلام مداوم علیہ کما یفیدہ لفظ کان فیما تقدم من الحدیث“ انتہی۔ غرض اس حدیث کو جواز عرس میں پیش کرنا بے سود نہیں۔

رہا وہاں لوگوں کا مرتکب بدعات و لہو و لعب ہونا، باجے گاجے کھیل تماشے کرنا یہ ہرگز جزو عرس نہیں۔ یہ ضرور ممنوع و حرام ہیں اور اس کو داخل مابیت عرس جاننا کم فہمی یا عناد ہے۔ جس طرح اکثر اعراس مع سماج و مزامیر و رقص فواحش ہوتے ہیں بہتیرے اعراس ان سب چیزوں سے خالی بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے والد ماجد کا عرس برابر کرتے اور امور مذمومہ آلات لہو و لعب سے اس میں کچھ نہ ہوتا، جسے شاید مولوی صاحب نے بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس عرس مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا، اسی طرح بدایوں شریف میں برابر ۱۹ ماہ جمادی الاولیٰ کو عرس حضرت تاج الفحول محبت الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب، ۲۰ جمادی الآخر کو عرس سیف اللہ المسلمول حضرت مولانا شاہ معین الحق فضل رسول صاحب قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما کا ہوا کرتا ہے۔ ہرگز ہرگز آلات لہو و لعب کچھ نہیں ہوتے۔ تو ان وجوہات سے نفس عرس ہرگز ممنوع و ناجائز نہیں ہو سکتا، نہ اس کے لئے تقرر یوم میں کوئی خرابی۔ مذمومات شرعیہ کو منع کرتے، کون منع کرتا ہے؟ یہ نفس و شیطان کا دھوکا ہی ہے کہ تنہی عن المنکر کے پردے میں مناع الخیر بناتا ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

رابع عشر ہاں جناب مولوی صاحب ایہ فرمائیے کہ عبارت میں تعارض بتا قبض ہونا تو لازم و ہابیت ہے۔ اسے تو شاید نفس کشی خیال فرما کر ایک نیک کام جان کر اختیار کیا ہوگا مگر استاد گلشی کس مصلحت سے اختیار فرمائی۔ یعنی جس چیز کو استاد و استاد سب جائز و مستحسن بتاتے اور اس پر عمل درآمد کرتے آئے وہ آپ کے نزدیک ناجائز و ممنوع ہے۔ کیا آپ کے برابر بھی شاہ عبدالعزیز صاحب کو علم نہ تھا کہ انہوں نے اسی مسئلہ عرس میں اسی حدیث سے استناد کیا اور یہ خیال نہ فرمایا کہ یہ حدیث تو صحاح کی نہیں کہ محل سخن نہ ہو بلکہ محمد بن جریر طبری کی کتاب کی ہے، جس میں ہر طرح کی حدیثیں موجود ہیں۔ معہذا یہ متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں کہ قابل استدلال ہو۔ کیا یہ قواعد ان کو معلوم نہ تھے یا اب جدید آپ کے عہد محدثیت عہد میں وضع ہوئے ہیں۔ طرفہ یہ کہ خود اپنا اس پر عمل نہیں۔ اپنے لئے بہتھی، دارقطنی، طبرانی سب سے استناد جائز، آثار صحابہ سے استنباد دردا اور ہم سے خاص صحیح مرفوع متصل الاسناد کی فرمائیں۔ کیا آپ

کو معلوم نہیں کہ آپ کے نانا صاحب اسی حدیث سے اپنے فتویٰ مجموعہ زبدۃ النصائح میں استدلال لائے ہیں۔ حضرت معلوم تو ضرور ہے بلکہ آپ نے اپنی مآۃ مسائل میں انہیں کار دیا کہ فرماتے ہیں: ”بعضے مردم کہ بجواز اعراس دلیل می آرند“۔ بعض کا ایہام کیا اور تصریح کو خلاف مصلحت جان کر تصریح نہ کی کہ بعد تصریح نام مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مقصود اصلی تعلیہ عوام ہاتھ سے جاتا رہے گا کہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب قول کے خلاف میرے قول کو کون پوچھتے گا۔

سند سوم تعین و تخصیص دو طرح کی ہوتی ہے۔ شرعی، عادی۔

اول: وہ کہ خود شرع مطہر نے کسی کام کے لئے اسی وقت کو خاص کر دیا ہو کہ اس کے سوا کسی دوسرے وقت میں نہ ہو سکے، جیسے ایام نحر اضحیٰ کے لئے کہ اس سے تقدیم و تاخیر درست نہیں یا اس قدر ثواب کہ اس وقت میں ہے دوسرے وقت نہیں جیسے ثلث لیل عشا کے لئے۔

دوم یہ کہ از جانب شرع اطلاق ہے۔ جب چاہیں بجلائیں کسی وقت گناہ نہیں، ہر وقت جائز ہے جیسے ایصال ثواب کہ روز ولادت اور روز وفات یا جس دن کرے، ہر روز درست ہے مگر جب خارج میں اس کا وجود ہوگا، کسی زمانے میں، کسی ہیئت خاص ہی کے ساتھ ہوگا کہ مطلق من حیث ہو جو بلا تعین و تخصیص خارج میں موجود نہیں ہو سکتا، جس طرح وجود مطلق بضمین افراد ہوتا ہے، زمانہ بغیر زید، عمرو، بکر کے انسان کہیں نہیں ہو سکتا، اسی طرح بغیر کسی زمانہ کسی ہیئت کے زمانیات کا وجود ممکن نہیں۔ جب انسان ہوگا تو زید عمرو وغیرہ ضرور ہوں گے۔ اسی طرح جب عرس ہوگا، کسی زمانہ، کسی تعین و تخصیص ہی کے ساتھ ہوگا۔ سخت تعجب ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کو وقوع کذب باری تعالیٰ شانہ کے معنی درست بتائے کو اتنی معقول یا درہی کہ وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے، انسان اگر ہوگا تو حیوان بالضرور موجود ہوگا۔ (یہاں پر وہ صریح الفاظ کفر یہ تھے جن پر علمائے حرمین شریفین نے تکفیر فرمائی۔ انہیں نقل بھی اپنے قلم سے لکھنا مناسب جان کر قلم انداز کیا۔ ۱۲۱ھ) اگرچہ بضمین کسی فرد کے ہو۔ یہاں یہ منطق یاد نہ رہی کہ وجود نوع بے وجود فرد ناممکن ہے اور عرس جب ہوگا تو ضرور کسی ہیئت خاص تعین و تخصیص ہی کے ساتھ ہوگا اور اگر نہیں تو اس یا وہ کوئی کے کیا معنی اور بلا تعین کر دینا درست ہے۔ کیوں مولوی صاحب! عرس کرنا بھی اور بلا تعین؟ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک مہینہ بیشتر سے تعین نہ کیجئے، ایک ہفتہ قبل بھی نہیں، تو ایک دن، ایک گھنٹہ، پانچ منٹ پہلے تعین کرنی ضروری یا یہ فطر اضطراری ہے کہ بلا ارادہ و تخصیص تعین لوگ جمع ہو جائیں، فاتحہ درود ہونے لگے۔ جب امر اختیار ہے تو انتظام کے لئے تعین یوم، تخصیص تاریخ ضروری ہے۔ آخر اپنے مدرسہ دیوبندیہ کے لئے کوئی فتویٰ نہ دیا کہ طریقہ معینہ مدرسہ ہذا کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہذا بدعت ہو اور ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت فی النار ہے اور بلا تعین اوقات مدرسہ و افعال مدرسین و احکام متعین درست ہے یا اس کے لئے کوئی خاص حکم آیا ہے کہ (۱) ۲۳ رزی الحجے بکے صبح

سے تقسیم انعام کا جلسہ نہایت رونق کے ساتھ بہ موجودگی رؤسائے شہر و ممبران مدرسہ و بعض دیگر خیر خواہان بیروں منعقد ہو (ب) طلبہ قرأت خواں شیرینی کے لئے دو روپے مدرسہ دیں اور دو روپے مولوی غلام محمد راندیری سے دلوائے جائیں (ج) دس دس بارہ بارہ روپے کے وظائف ایک مدت معینہ کے واسطے حاجت مند انٹرنس پاس طلبہ کو دیئے جائیں (د) ہر سال کم از کم ایک دفعہ عام ممبران مدرسہ کا اجتماع ضرور ہے (ہ) اہل مشورہ ایسے ہوں کہ ان کو شریک ہونے کا حتی الوسع التزام و اہتمام ہو (و) وقت درس موسم سرما میں ۷ بجے سے ۱۱ بجے تک اور ۲ بجے سے ۳ بجے تک اور موسم گرما میں ۶ بجے سے ۱۰ بجے اور ۳ بجے سے ۵ بجے تک ہو (ز) پابندی وقت درس کی جملہ طلبہ کو ضروری ہے (ح) امتحان سالانہ کے لئے شعبان کی تعیین ہو (ط) ۲۵ شعبان سے ۳ شوال تک مدرسہ میں تعطیل ہو (ی) عربی خواندگی کی آٹھ جماعتیں ہوں اور ہر سال مقررہ مندرجہ نقشہ کی خواندگی ضرور پوری ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر نہیں تو اپنے لئے دو دو روپیہ کی تعیین، مدت معینہ کی تعیین، انٹرنس پاس حاجت مند کی تعیین، ایک دفعہ عام ممبروں کے اجتماع کو ضروری جانتا، اہل مشورہ صاحب التزام و اہتمام کی تعیین وغیرہ وغیرہ کہاں سے جائز کر لیں اور اسے بدعت اور کل بدعت ضلالہ اور کل ضلالہ فی الناس بتا کر ناری جہنمی مستحق عذاب الیم نہ ہوئے؟

مسند چہارم عامہ مسلمین بلکہ علمائے دین بلکہ ائمہ مجتہدین بلکہ تابعین بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امور خیر کے لئے تعیین و تخصیص ایام و اوقات فرماتے آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد قبا تشریف لے جانے کو یوم شنبہ تعیین فرمایا۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی: کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یأتی مسجد فیاکل سبت ماشیاً و راكباً روضہ شکر و لادت رسالت کو یوم و شنبہ مقرر فرمایا۔

مسلم شریف میں حضرت ابد قناتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن صوم الاثنين فقال قبه ولدت وقبه انزل علی ای فاصومه شکرا لہما تین النعمتین۔ سفر جہاد کے لئے روز پنجشنبہ کی تعیین فرمائی: کما فی الصحیح البخاری عن کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتہ قال فلما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخرج اذا خرج فی سفر لا یوم الخمیس۔ انہیں سے ہے: ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخرج یوم الخمیس فی غزوة تبوک و کان یحب ان یخرج یوم الخمیس۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ و تذکیر کے لئے اسی دن کو مقرر کیا کما فیہ عن ابی وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان عبد اللہ یذکر الناس فی کل خمیس فقال لہ رجل یا ابا عبد الرحمن!

لو ددت ائک ذکر تناکل یوم قال اما انتہ یمنعنی من ذلک انی اکره ان املکم وانی اتحولکم بالموعظة
کما کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم يتحولنا بها مخافة السامة علينا۔

علمائے ہدایت درس کے لئے روز چہار شنبہ کو خاص فرمایا کما فی تعلیم المتعلم للامام برہان الاسلام
الیزرنوجی حکماء عن استاذہ الامام برہان الدین التمرغینانی صاحب الہدایۃ وقال ہکذا کان یفعل
ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال صاحب تنزیہ الشریعة وکذا کان جماعۃ من اہل العلم۔

غرض یہ سب تو قیامت عادیہ سے ہیں جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سوائے روز شنبہ کے مسجد قبا جانا، سوائے
روز ووشنبہ کے صوم شکر رسالت رکھنا، سوائے یوم پنجشنبہ کے سفر جہاد یا پند و نصیحت کرنا، سوائے یوم چہار شنبہ کے کتاب
شروع کرنا جائز ہی نہیں یا اس قدر ثواب کہ اس دن ہے اور دن نہیں۔ اسی طرح عرس کے لئے تعیین یوم وفات کا یہ
مطلب ہرگز نہیں کہ اور دن ایصال ثواب نہ ہوگا یا ثواب میں کمی آجائے گی۔

پھر اسی دن کی تعیین و تخصیص کیوں؟ اولاً معلوم ہو چکا کہ یہی سنت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور
خلفائے راشدین ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا علیکم بسنتہ و سنتہ الخلفاء الراشدین المہدیین
تمسکوا لہا وعضوا علیہا بالتواجد، رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ اہل سنت و جماعت
کثر ہم اللہ تعالیٰ کے لئے تو اسی قدر فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و خلفائے راشدین کافی ہے مگر
مفکرین کی تسکین خاطر کے لئے مولوی اشرف علی درشید احمد و ظلیل احمد کے پیر جناب حاجی امداد اللہ شاہ صاحب کے
فیصلہ بحث مسئلہ کی عبارت پیش ہے۔ بغور ملاحظہ ہو:

”چونکہ ایصال ثواب مستحسن ہے خصوصاً جن بزرگوں سے فیوض و برکات حاصل ہوئے ہیں، ان کا زیادہ حق
ہے۔ اور اپنے پیر بھائی سے ملنا موجب ازدیاد محبت و تزیید برکات ہے اور نیز طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش
میں مشقت نہیں ہوتی۔ بہت سے مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں۔ ان میں سے جس سے عقیدت ہو، اس کی غلامی اختیار
کر لے۔ اس لئے مقصود ایجا درسم عرس سے یہ تھا کہ سب سلسلے کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جائیں۔ باہم ملاقات بھی
ہو جائے اور صاحب قبر کی روح کو قرآن و طعام کا ثواب بھی پہنچایا جائے۔ یہ مصلحت ہے تعیین یوم میں۔ رہا خاص یوم
وفات کو مقرر کرنا، اس میں اسرار مخفیہ ہیں، جن کا اظہار ضروری نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب مفتی عبدالکلیم پنجابی کے
اس المتراض: ”کسانیکہ اقوال آنها مطابق افعال شان نیستند، عرس بزرگان خود مشکل فرض دانستہ سال بسالی بر مقبرہ
اجتماع کردہ طعام و شیرینی در آنجا تقسیم نمودہ مقابر را و ثانیہ مکئید“ ملخصاً کے جواب میں رسالہ ذبیحہ مطبوعہ مجموعہ زبدۃ
الصالح میں فرماتے ہیں: ”قولہ عرس بزرگان خود الخ اس طعن منی است بر جبل بہ احوال مطون علیہ زیرا کہ غیر از قرآن و

شرعیہ مقررہ رائج کس فرض نمیداند۔ آری زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشان بابدائے ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی مستحسن و خوب ہست باجماع علما و تعیین روز عرس برائے آنست کہ آن روز تذکرہ انتقال ایشان می باشد از دارالعمل بدارالثواب والا ہر روز کہ این عمل واقع شود، موجب فلاح و نجات است و خلف را لازم است کہ سلف خود را باین نوع برو احسان نماید۔

مجمع الزواہیات میں ہے: "اراد ان يتخذ السابعة فليتخذ بادرالک يوم موته ويحتاط في الساعة التي يفل فيها روحه في تلك الساعة فينبغي ان يطعم الطعام والشراب فان ارواحهم يفرحون بذلك ويدعون لهم"۔ اگر کسی کے فاتحہ کرنے کا ارادہ ہو تو چاہئے کہ موت کے دن موت کے وقت کرے، جس وقت روح اس کی دارقانی سے منتقل ہو کر دارجاودانی کو گئی ہے، اس وقت کھانا کھلائے، پانی پلائے کہ اموات کی روحمیں اس سے خوش ہوتی اور اس کے واسطے دعا کرتی ہیں۔

مسند پنجم: علاوہ اولہ ماضی و ماضی، اگر مان لیا جائے کہ جواز عرس کی کوئی دلیل نہیں تو کہیں ممانعت بھی تو نہیں اور یہ قاعدہ مسئلہ ہے کہ الاصل فی الاشياء الاباحۃ۔ اصل اشیا میں اباحت ہے، جب تک کوئی مانع شرعی موجود نہ ہو، ممنوع نہیں ہو سکتی۔ قائل جواز متمسک باصل ہے، اسے دلیل کی کیا حاجت ہے؟ دلیل تو ان وہابی صاحبوں کو دینی چاہئے جو شرک، بدعت، ممنوع، حرام کی پکار پکار رہے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے: "كان اهل الجاهلية ياكلون اشياء و يترکون اشياء تغذرافبعث الله نبيه و انزل كتابه و احل حلاله و حرم حرامه فما احل فهو حلال و ما حرم فهو حرام و ما سکت عنه فهو عفو"۔

شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: "از پنج معلوم می شود کہ اصل در اشیا اباحت است"۔
ترمذی و ابن ماجہ حضرت سلمان قاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: "احلال ما احل الله و الحرام ما حرم الله في كتابه و ما سکت عنه فهو مما عفا عنه"۔

علامہ قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں: "فيه ان الاصل في الاشياء الاباحۃ"۔
شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: "و این دلیل است بر آنکہ اصل در اشیا اباحت است"۔

رد المحتار میں ہے: "و صرح في التحریر بان المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمهور من المحتلین و الشافعية و تبعه تلميذه العلامة قاسم و قد جرى عليه في الهداية في فصل الاحد ادو في العافية في اوائل المحظر و الاباحۃ آه"۔

مدارک شریف میں تحت ارشاد باری تعالیٰ: ”قل لا اِلهَ اِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ“ ہے: وہ فیہ تنبیہ علیٰ ان التحريم انما يثبت بوحي من الله و شرعه لا بهوى النفس۔

اب ان سب حضرات مانعین کو دعوت عام دی جاتی ہے کہ چھوٹے بڑے جو ان بڑے سب مل کر اپنی مجموعی قوت سے ایک آیہ قطعی الدلالتہ یا ایک حدیث صحیح مرفوعہ متصل الاسناد مروی صحاح یا اجماع یا تحریم قول امام اعراس قنازع فیہ ثابت کر دیں تو البتہ، ورنہ جب اللہ و رسول جل جلالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت نہ فرمائی تو یہ منع کرنے والے کون؟ مولوی اسحاق شاہ صاحب جو اصل اشیا میں حرمت یا توقف کے قائل ہوئے ہیں اور اباحت کو رائے طائفہ اور مذہب معتزلہ ٹھہرایا ہے، وہ ان کے قلت تدبر سے ناشی کہ وہ اختلاف زمانہ فترت میں ہے کہ زمانہ فترت میں اشیا میں اصل کیا حکم ہے، حرمت یا توقف یا اباحت۔

علامہ محبت اللہ بہاری مسلم الثبوت کے منہیہ میں فرماتے ہیں: ”الذی یظهر من تتبع کلامہم هو الخلاف قبل الشرع و من ثم لم يجعلوا رفع الاباحة الاصلية نسخا لعدم خطاب الشرع بها فتدبراه و اقره العلامة بحر العلوم فی فواتح الرحموت و قرره بتقرير آخر وقال فاذا لم یس الخلاف الا فی زمان الفترة الذی اذ رسمت فیہ الشریعة بتقصیر من قبلہم اہ“۔ نہ اباحت شرعیہ کہ وہ متفقین کی متفق علیہا ہے۔ پس ایسی حالت میں یہ کوئی خیال کر ہی نہیں سکتا کہ باوجود اس علم و فضل کے مولوی صاحب کو اباحت اصلہ اور اباحت شرعیہ میں فرق تمیز نہیں۔ تمیز تو ضرور ہوگی مگر اس زمانہ ہی کو زمانہ فترت خیال فرمایا ہوگا اور کیوں نہ ہو کہ سرگروہ طائفہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی تقویۃ الایمان مطبع فخر المطابع لکھنؤ ۱۳۲۲ھ کی صفحہ ۳۹ پر وہ حدیث جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ختم دنیا کا حال ارشاد فرمایا ہے کہ (زمانہ فنا نہ ہوگا جب تک لات و عزے کی پھر پرستش نہ ہو اور وہ یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایک باؤ بھیجے گا کہ سب اچھے بندے حتیٰ کہ جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا، مرجائیں گے جب زمین میں بڑے کافر رہ جائیں گے پھر بتوں کی پوجا بدستور جاری ہو جائے گی) لکھ کر صفحہ ۴۰ پر صاف لکھ دیا: ”سو یہ غیر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا“۔ میں کہتا ہوں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اب ان کے اصل پر زمانہ فترت میں کون سا شک باقی رہ گیا۔ لہذا یہ حکم دیا کہ ”اصل اشیا میں یا حرمت ہے نزدیک جمہور کے یا توقف ہے جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے در اور اشباہ سے یا اباحت ہے جیسا کہ وہ مذہب ایک طائفہ اور رائے معتزلہ ہے“۔ اس مسئلہ کے اثبات کے لئے مولوی صاحب نے عوام کے دکھانے کو اگرچہ عبارات بھی تحریر فرمادی ہیں۔ مگر اس میں الامان وہ تحریف فرمائی کہ لوگ یہی کہیں گے کہ دیانت سے محض بعید ہے۔ ومن شاء الاطلاع علیہ تحریفانہ فعلیہ بتصحیح المسائل للسيف المستلول مولانا الشاہ فضل رسول البدایونی قدس سرہ الربانہ۔

علاوہ بریں طرفہ یہ کہ دلیلیں مولوی صاحب کی خود متعارض کہ تفسیر احمدی سے اصل حرمت ثابت کی اور اشباہ اور درمختار سے توقف ثابت ہوتا ہے۔ واذ انتعارضا تساقطا۔ دلیل تو دلیل مولوی صاحب کی کتب میں تو اقوال ہی متعارض کہ یہاں حرمت یا توقف کی ٹھہرائی اور اربعین میں اباحت پر رائے جمائی۔
صفحہ ۱۴ ساتویں سوال کے جواب میں ہے: ”پس وقت کتب تقسیم شیرینی و طعام مسنون نیست مگر آنکہ این تقسیم دریں وقت از قسم مباح باشد۔“

صفحہ ۲۲ چودھویں سوال کا جواب میں: ”از رسوم سلامی و رونمائی در شریعت محمدی اصل چیز پایافتہ نمی شود مگر ظاہر حال این قسم چیز ہا کہ داؤن سلامی و رونمائی است مباح است۔“

اے کاش! وہاں بھی آپ کو یہی اصل یاد رہتی اور فرمادیتے: پس ہر سال عرس اولیا مسنون نیست مگر آنکہ این عرس از قسم مباح باش یا از رسوم اعراس و فاتحہ در شریعت محمدی اصل این چیز پایافتہ نمی شود مگر ظاہر حال این قسم چیز ہا در آل کہ عرس و فاتحہ است، مباح است۔ غضب تو یہ کیا کہ حسب اقرار خود رسوم سلامی و رونمائی بے اصل ہے، شریعت محمدی میں اس کی اصل پائی نہیں جاتی پھر بھی مباح بتایا اور عرس کا تقرر کہ اصل اس کی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ثابت، ممنوع و ناجائز فرمایا۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر ایسی باتیں کوئی اور کرتا یا کوئی اور شخص لکھتا تو سب یہی کہتے صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذالم تستحي فاصنع ما شئت۔ ع بے حیا باش و آنچه خوانی کن رواہ الامام احمد فی مسنده و البخاری فی صحیحہ و ابو داؤد و ابن ماجہ و ابن عساکر فی تاریخہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مگر تعارض و متناقض تو شاید یہاں کوئی عیب نہ ہوگا۔ یہاں جائز تو وہاں حرام، یہاں مکروہ تو وہاں مسنون بتانا لازمہ مذہب ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۸ کی عبارت تو دیکھ چکے کہ ”طریقہ متعینہ عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہذا بدعت ہے اور بلا تعین کردینا درست ہے۔“ بلا تعین کو جائز بتانا۔ اب اسی کے صفحہ ۸۱ کی عبارت ملاحظہ ہو کہ فرماتے ہیں: ”اور عرس کے باب میں بھی جواب ہے کہ منع ہے۔“ اربعین میں مولانا ممدوح (مولوی اسحاق شاہ صاحب) لکھتے ہیں: ”مقرر کردن روز عرس جائز نیست در تفسیر مظہری می نویسند لا یحوز ما یفعله الجہال بقبور الاولیاء و الشہداء من السجود و الطواف حولہا و اتخاذ السرج و المساجد الیہا و من الاجتماع بعد الحول و سمنہا عرما الخ۔“ یہاں تعین، بلا تعین سب کا ایک ہی حکم کہ منع ہے۔

تعجب ہے کہ مولوی صاحب اپنی قدیمی عادت اجتہادی فتویٰ بے دلیل لکھنے کو کیوں چھوڑ بیٹھے اور عبارت نکھدی۔ شاید یہ خرق عادت اور آپ کی کرامت ہوگی لیکن مجھے تو بوجہ سخت افسوس ہے۔

اولاً اس علم و فضل پر کہ میں عالمگیری جیسی کتابیں آپ کے سید شریف میں بند ہیں، اربعین مردودہ علمائے دین سے دلیل لائے جو اس ہمدانی پر بالکل خلاف عقل ہے۔ اصل اشیا میں توقف ثابت کرنے کو قول غیر صحیح در مختار کو پیش کر دیا۔ کتاب کے معبر ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس کا ہر ہر لفظ کمال وحی ہو اور وہ اپنی ہر نوع مضمون میں معتد و مستند ہو نہ ہر قسم مضمون میں مستند ہونے سے یہ لازم کہ ہر فرد مضمون زلت قدم و لغزش قلم سے بری و مامون ہو۔ اتیان و مرسلین و ملائکہ مقررین صلی اللہ تعالیٰ علی نبینا و علیہم و سلم کے سوا کسی کے کلام میں عصمت نہیں آخر الا نسوان يساقون السیور و النیان تو ایک مشہور بات ہے۔ یہ مسئلہ صاحب در مختار کا چونکہ غیر صحیح مقابلہ اشراح نے اس میں کلام فرما دیا۔

علامہ شامی رد المحتار میں تحت قول (لعمان الصالح) فرماتے ہیں: "اقول و فیہ نظر من وجہ (الین ان قال) الرابع ان نسبة الاباحه الى المعتزلة مخالف لما فی کتب الاصول ففی تحریر ابن الہمام المختار الاباحه عند جمهور الحنفیة و الشافعیہ و فی شراح اصول الیزدی للعلامة الاكمل قال اکثر اصحابنا و اکثر اصحاب الشافعی ان الاشیاء التي يجوز ان یرد الشرع باباحتها و حرمتها قبل و روده علی الاباحه و هی الاصل فیها حتی ایج لمن لم یبلغه الشرع ان یاکل ما شاء و الیہ اشار محسد فی الاکراه حیث قال اکل المیتة و شرب الخمر لم یحرما الا بالنهی فحعل الاباحه اصلا و الحرمة یعارض النهی و هو قول الحبائی و ابی ہاشم و اصحاب الظاہرہ۔"

ثانیاً مولوی صاحب کا مولانا ممدوح کی مردودہ عبارت سے بھی مطلب حاصل نہیں ہوتا، تقریب تمام نہیں ہوتی کہ مولوی صاحب کا دعویٰ ممانعت عرس ہے اور مولانا ممدوح عرس کو جائز اور دن مقرر کرنے کو ناجائز فرماتے ہیں۔ ثالثاً قبل استشہاد یہ تو خیال کر لینا چاہئے تھا کہ ان مسائل مختلف فیہا میں قول علیل و اجتہادی بے دلیل، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ہی کا کہاں تک معتبر و مقبول ہے۔

رابعاً بر تقدیر مستند ہونے قول قاضی صاحب کے مولوی صاحب کو انصاف اس کی تفتیش ضروری تھی کہ اصل عبارت تفسیر مظہری کیا ہے کہ صحیح نقل یعنی مطابق اصل ہونے کی توقع مولانا ممدوح سے بالکل نہیں کہ نقل میں عبارت بیچ میں سے جو مضمر اپنے دعوے کی ہودور کر دینا، کہیں بیچ میں ایک فقرہ مفید اپنے سمجھ کر اپنی طرف سے بڑھا دینا، کہیں کسی کتاب کا نام لکھ کر ایک عبارت لکھ دینا جس کا اصل اس کتاب میں نام و نشان نہیں، کہیں قول مردودہ پر حوالے میں کفایت کرتا، یعنی لکھ دیا کہ فلاں کتاب میں یوں لکھا ہے، حالانکہ اس کتاب میں اس بات کو لکھ کر رد کر دیا ہے۔ یہ آپ کی عادت ہے۔ (دیکھو فتویٰ علمائے شاہجہان آباد مولوی مفتی محمد صدر الدین صاحب و جناب مولوی محمد مخصوص اللہ صاحب وغیرہ وغیرہ مسئلہ ملک تحقیق الحق مطبع گلزار حسنی بمبئی)

حامساً بعد تسلیم ان دو باتوں کے کہ قاضی صاحب کا فرمان بجا اور درست ہے اور مولوی صاحب کے مولانا ممدوح نے نقل مطابق اصل فرمائی ہے۔ قاضی صاحب تو اجتماع بعد الحول کمالاً عباد کو منع کرتے ہیں، نہ تقرر یوم عرس کو اور مولانا ممدوح کا دعویٰ منع تقرر یوم عرس ہے اور مولوی صاحب کا دعویٰ مطلق منع ہے۔ رہا قاضی صاحب کا یہ فرمان و بسمہ نبھا عرساً یہ ان کی سمجھ ہے ورنہ ہرگز اولیائے کرام کے مزارات کا طواف کرنا، اسے سجدہ کرنا، چراغ جلانا، سال بھر کے بعد مثل عید کے جمع ہونا حقیقت عرس میں داخل نہیں۔ پس ایسی حالت میں عرس کی ممانعت پر مولانا ممدوح کی اربعین کی عبارت پیش کرنا کتنے بڑے عاقل کا کام ہے۔

سند مشتم عرس کو جم غفیر و جماعت کثیرہ علماء و مشائخ اسلام اسی تعیین و تخصیص کے ساتھ کرتے چلے آئے ہیں اور جماعت کثیرہ گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی لقولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا تجتمع امتی الضلالة یعنی میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی و فی روایۃ ابن امی عاصم عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان اللہ تعالیٰ قد اجار امتی من ان یجتمع علی الضلالة و فی روایۃ ابن مساحہ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان امتی لیس یجتمع علی الضلالة۔

اسی واسطے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اتباع کا حکم دیا اس کی نصرت کا وعدہ فرمایا کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: ”یجد اللہ علی الجماعة“ رواہ الترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

ابن ماجہ شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شد شد فی النار۔ پیروی کرو بڑی جماعت کی کہ جو ان سے علیحدہ ہوا، جہنم میں پڑا۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں: ”السواد الاعظم یعبر بہ عن الجماعة الکثیرۃ والمراد ما علیہ اکثر المسلمین“ ۱۰۔ پس جب اسے جم غفیر علماء و صلحا کرتے چلے آئے تو ہرگز ہرگز یہ گمراہی و ضلالت نہیں۔

سند ہفتم اس مطلب پر تصریحات ائمہ و علماء سے بہتر تو ان ہی بزرگواروں (مولوی اسحاق صاحب و مولوی رشید احمد و ذلیل احمد صاحبان) کی شہادت ہے جو مدعی لاکھ بھاری ہے گواہی تیری۔ اور وہ جو تعیین و تقرر کو ناجائز و ممنوع بتایا اس سے اس طرح کی تعیین و تخصیص ہوگی کہ لوگ اسے لازم جان لیں اور اعتقاد کر لیں کہ سو اس دن کے اور کسی دن عرس ہو ہی نہیں سکتا، ورنہ تعیین و تخصیص یوم تو مولوی گنگوہی اور ان کے شاگرد صاحب مقدوح اور مولانا ممدوح کے

نزدیک بھی جائز بلکہ بہتر ہے۔

ماہ مسائل صفحہ ۲۵ میں ہے: ”سوال، مقرر کردن روز برائے زیارت قبور از روز ہا در شرع جائز است یا گناہ کد ام گناہ از گناہاں؟ جواب: مقرر کردن روزے از روز ہائے ہفتہ بوضعیکہ لازم شمار دو برآں اہتمام سازد از احادیث و روایت فقہ کتب معتبرہ ثابت نشدہ، مگر در فتاویٰ علمگیری ایں قدر نوشتہ اگر در چہار روز دوشنبہ و پنجشنبہ و جمعہ و شنبہ زیارت کند بہتر است۔ عبارتہ ہکذا: افضل ایام الزیارة اربعۃ ایام الاثنین والخمیس والجمعة والسبت“ آہ۔

فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۵۲ میں در بارۃ ایصال ثواب ہے: ”روز ولادت اور روز وفات بھی درست ہے۔“ اسی طرح مولوی صاحب موصوف کی اول سے آخر تک بغور دیکھی ہوئی مقرر کا کتاب پر اہین قاطعہ صفحہ ۷۹ میں فاتحہ مرسومہ کی بابت ہے: ”یہ تخصیصات و تعینات رسوم صالحہ اس وقت تک ہیں کہ التزام اس کا نہ ہو اور عوام کے قلب میں رسوخ کا اندیشہ نہ ہو۔ کبھی کبھی ترک بھی کر دیا کریں۔“

جس سے صاف ظاہر کہ صرف تعین و تخصیص کو ناجائز و حرام نہیں جانتے بلکہ بہتر اور رسم صالح سمجھتے ہیں۔ ہاں! اس التزام و اہتمام کو منع کرتے ہیں اور اگر نہیں تو لوگ اسے بھی ان حضرات کے تافعات میں گن لیں۔ اور ہاں صاحبو! یہ کیسا انصاف ہے کہ سنیوں کو تو کبھی ترک کر دینے کی نصیحت ہو اور اپنے کاموں میں التزام و اہتمام ضروری سمجھا جائے کما قد منا۔

مسند ہشتم تعامل علمائے حرمین شریفین ہے کہ جس بات پر وہاں کے حضرات بالاتفاق عمل کرتے اور اس کی مادہ رکھتے آئے، وہ بھی حجت ہے۔ فقہائے معتدین اور علمائے مستدین مسائل شرعیہ میں اس سے احتجاج کرتے۔ اس کی موافقت کو مستحب اور اس کی مخالفت کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

غنیہ شرح منہ صفحہ ۴۰۴ بحث تراویح میں ہے: ”وہذا الانتظار مستحب لعادة اهل الحرمین“۔ ”ہر دو ترویج کے درمیان بقدر ایک ترویج کے انتظار کرنا مستحب ہے، بوجہ عادت اہل حرمین کے کہ عادت اہل مکہ کی ہر چار رکعت کے بعد طواف کرنا اور دو رکعت نماز پڑھنا اور عادت اہل مدینہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحبۃ کی چار رکعت تھا نماز پڑھنا ہے۔“

ہدایہ میں ہے: ”والمستحب فی الحلوس بین الترویجین مقدار الترویۃ وکذا بین الحمامۃ والوتر لعادة اهل الحرمین“۔

غنیہ میں ہے: (وان استراح علی خمس تلیمات) ای عقیب عشر رکعات (قال بعضهم لا یأثم بہ) ای لایکفرہ (قال اکثر المشائخ لا یستحب) ذالک لمخالفة اهل الحرمین وقولہ لا

يستحب كناية عن الكراهة التنزيهية۔ ”اور اگر جملہ استراحت کیا دس رکعت کے بعد، بعضوں نے کہا کچھ حرج نہیں اور اکثر مشائخ نے فرمایا: مکروہ ہے بوجہ مخالفت اہل حریم کے۔“

یعنی شرح کنز میں ہے: ”الا استراحة على خمسة تسيحات مكروه عند الجمهور لانه خلاف فعل اهل الحرمين۔“

فتاویٰ امام فقید انفس قاضی خاں میں ہے: ”فان استراح على رأس خمس تسيحات ولم يسترح بين كل تسويحتين اختلفوا فيه قال بعضهم لا بأس به وقال بعضهم لا يستحب ذلك لانه مخالف لعمل اهل الحرمين۔“

اور بلاشبہ افعال حرمین شریفین میں بلکہ خاص اعراس و زیارت علماء و مشائخ و صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) و مقامات متبرکہ کہ تعیین ایام و تواریخ عام طور پر بابتکیر رائج ہے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں شہر ہر ماہ کو زیارت سیدتنا آمنہ ام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہا وسلم، یا زوہم ہر ماہ کو زیارت سیدتنا خدیجہ بنت خویلد ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، دوازوہم ربیع الاول شریف کو زیارت مولد النبی الامین علیہ افضل الصلوٰات من رب العالمین، سیزدہم صفر کو زیارت و عرس سیدتنا میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اسی طرح مدینہ طیبہ میں دوازوہم ربیع الاول شریف کو محفل میلاد فیض بنیاد یا عرس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، دوازوہم رجب المرجب کو عرس و زیارت اسد اللہ و اسد رسولہ سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱۸ شعبان کو عرس سید ابوصالح مدنی قدس سرہ عظیم محافل و ہجوم کثیرہ کے ساتھ جس میں علماء و صلحا و سادات و عامۃ اہل حریمین شریفین زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً و تکریماً سبھی ہوتے۔ مزارات طیبات پر حاضر ہوتے، سلام عرض کرتے، فاتحہ پڑھتے، ان کو وسیلہ بناتے، ان کے طفیل میں جنتیں پوری ہونے کی درخواست کرتے ہیں۔

مسند فہم صحیحین میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”احب العمل النی اللہ ما دام علیہ صاحبہ وان قل۔“ ”محبوب ترین عمل اللہ تعالیٰ نزدیک وہ ہے جس پر عامل مداومت کرے، اگرچہ تھوڑا ہو۔“ امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں اسی عنوان سے ایک باب وضع کیا۔ باب احب الدین النی اللہ اذومہ۔ امام شافعی اسی کے تحت فرماتے ہیں: الثالث فیہ فضیلة الدوام علی العمل والحث علی العمل الذی یتمو القلیل الدائم علی الكثير المتقطع اضعافاً کثیرہ۔

اسی واسطے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کار خیر کو شروع کر کے اس کے ترک پر تہدید فرمائی۔ صحیحین میں ہے: ”یا عبد اللہ لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترک۔“ ”اے عبد اللہ! فلاں جیسا نہ ہوتا کہ قیام اللیل کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔“

اور یہ آنکھوں کا مشاہدہ ہے کہ جس کام کے لئے دن تاریخ مقرر ہو، اس پر دوام ہوتا ہے جب وہ تاریخ آتی ہے۔ خیال آ جاتا ہے ورنہ آج کل میں عمر تمام ہو جاتی ہے لیکن کام نہیں ہوتا۔ رب العزت جل جلالہ نے حج میں یہ تعین ضروری نہ فرمائی کہ جس سال زادراہ کا مالک ہو، طاقت رکھے، اسی سال جائے یا دوسرے سال حج کرے یا کب کرنا چاہئے۔ بہترے لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی قدرت دی ہے، اس سال حج کریں گے، آئندہ سال حج کو جائیں گے، اسی طرح ہر سال قصد ہی کرتے رہ گئے کہ عزرائیل علیہ السلام نے ان کا کام تمام کر دیا اور فرض خدائے تعالیٰ کا بار ان کے سر ہی رہا۔ اسی غرض سے تاریخ مقرر کر کے ایصال ثواب مقادہوا کہ بوجہ مداومت احب العمل الی اللہ میں سے ہو جائے۔

سند دہم عرف عام اہل اسلام ہے کہ اسے علا و صلحا و فقرا و اولیا، مشائخ کرام و صوفیائے عظام شرقاً و غرباً کرتے چلے آئے اور یہ بھی ایک دلیل استحسان کی ہے۔ الاشیاء والظاہر میں ہے: ”العادة محكمة واصطلاحها قولہ علیہ السلام: ما رواہ المسلمون حسناً فهو عند اللہ حسن۔“

اسی میں ہے: ”واعلم ان اعتبار العادة والعرف يرجع الیہ فی الفقہ فی مسائل كثيرة حتی جعلوا ذلك اصلاً۔“

برجہی میں ہے: ”العرف ایضاً حجة حجة بالنص قال علیہ السلام ما رواہ المسلمون حسناً فهو عند اللہ حسن۔“

یہ روایت میں ہے: ”لا یکرہ الافتداء بالامام فی النوافل مطلقاً نحو القدر والرعائب وليلة النصف من شعبان ونحو ذلك لان ما رواہ المسلمون حسناً فهو عند اللہ حسن خصوصاً اذا استمر فی بلاد الاسلام والا مضار لان العرف اذا استمر نزل منزلة الاجماع“ آہ۔

یعنی شرح ہدایہ میں در باب عدم ارسال محرم صید ہے: ”وبذلك حوت العادة الفاشية وهي من احادی الحجج التي يحكم بها قال علیہ السلام: ما رواہ المسلمون حسناً فهو عند اللہ حسن قلت والحديث رواه البزار والطبرانی والطبرانی والامام احمد فی کتاب السنة عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال السخاوی فی المقاصد الحسنة هو موقوف حسن۔“

اور شک نہیں کہ عرس و فاتحہ کو علما و صلحا و عامۃ اہل اسلام اسی تعین و تخصیص کے ساتھ کرتے اور سے بہتر و مستحسن جانتے ہیں۔ حرمین شریفین کی حالت معلوم ہو چکی۔ ولیمز الحرمین جدہ میں بمقدیم ۷۱۷ھ رمضان المبارک کو عرس حضرت سید علوی، بست و چہارم ۲۳ کو عرس سید ابوسریہ، بست و ہفتم، کو عرس حضرت شیخ محمد عقیل، یمن میں یکم شعبان سے ۱۵ ادا

تک عرس حضرت شیخ محمد بن علوان جن کے نام کی برکت سے اشیائے گم شدہ کامل جانا، علمائے فرمایا اور بارہا تجرید ہوا اور برابر ہوتا ہے۔

رد المحتار طبع استامبول جلد ۳ صفحہ ۵۰۱ میں ہے: ”الانسان اذا ضاع له شئ و اراد ان يرد الله سبحانه عليه فليقف على مكان عال مستقبل القبلة ويقرأ الفاتحة ويهدي ثوابها للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم ثم يهدي ذلك لسيدى احمد بن علوان ويقول يا احمد يا ابن علوان ان لم يرد على صالتي ترعتك من ديوان الاولياء فان الله يرد على من قال ببركته اجهوري مع زيادة كذا في شرح المنتهج للداودي رحمه الله آه قلت و قد جربته مراراً فوجدته صحيحاً و الحمد لله على ذلك“۔

بقدر مقدس میں حضور پرنور غوث الثقلین سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس شریف نیم ربیع الآخر شریف کو ہوتا ہے۔ شیخ محقق محدث دہلوی مولانا شاہ عبدالحق صاحب ”ما ثبت بالسنۃ“ میں بعد ذکر تاریخ و اوقات حضور فرماتے ہیں: ”قلت بهذه الرواية يكون عرسه تاسع ربيع الآخر و هذا هو الذي ادر كنا عليه سيدنا الشيخ الامام العارف الكامل الشيخ عبد الوهاب القادري المتقي المكي فانه قدس سره كان يحافظ في عرسه رضي الله تعالى عنه هذا التاريخ اما اعتمادا على الرواية وعلى ما راى من شيخه الشيخ الكبير على المتقي او من غيره من المشايخ رحمة الله تعالى عليهم و قد اشتهر في ديارنا هذا اليوم الحادي عشر و هو المتعارف في مشايخنا من اهل الهند من اولاده رضي الله تعالى عنه كذا ذكر شيخنا و سيدنا السيد البهي الرضوي ابو المحاسن سيدى الشيخ موسى الحسيني الجيلاني ابن الشيخ الكامل العارف المعظم المكرم ابي الفتح الشيخ الحامد الحسيني الجيلاني تغلا من اوراد القادرية تصنيف المخدوم الاعظم الاكرم الامجد الافخم ولي الله بالافاق الذي يقال له المخدوم السامي الشيخ عبدالقادر الثاني قدس الله تعالى روحه مما نقل فيها عن ابائه الكرام رحمة الله عليهم اجمعين“۔

اسی طرح ہندوستان میں پاک پٹن شریف میں پنجم محرم الحرام کو عرس حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اجیر شریف میں ششم رجب المرجب کو عرس خواجہ غریب نواز معین الحق والہدۃ والدین قدس سرہ، مارہرہ مظہرہ میں دہم ۱۰ محرم الحرام کو عرس صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ، ۱۸ ربیع الاول شریف کو عرس حضرت سید آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہ، ہیزدہم ۱۸ ذی الحجۃ الحرام کو عرس حضرت سید شاہ آل رسول صاحب قدس سرہ العزیز، ۱۰-۱۱-۱۲ کو کبیر شریف میں، دوازدہم ربیع الاول شریف کو عرس حضرت علاء الدین

صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ردولی شریف میں ۱۱ جمادی الآخرۃ سے ۱۳ تک عرس حضرت شاہ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، دہلی اور بدایوں میں کتنوں کی تعداد بتائی جائے، گنج اولیا ہے، شاید ہی کوئی تاریخ خالی جاتی ہوگی، جو کسی نہ کسی کا عرس نہ ہوتا ہو۔ مراد آباد میں بست و ہنتم ۲۷ صفر کو عرس شیخ الشان شاہ بلاقی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، پنجم جمادی الآخر کو عرس شاہ محبوب علی صاحب، رامپور میں یازدہم صفر کو عرس مولوی عاشق احمد صاحب، ۱۵-۱۶-۱۷ جمادی الآخر کو عرس مولانا مولوی ارشاد حسین صاحب قدس سرہ، بریلی میں یکم جمادی الآخر کو عرس مولانا شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، کانپور میں ۲ صفر کو عرس حضرت مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ۳ رجب کو عرس مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب، گنج مراد آباد میں ۲۶ ربیع الاول شریف کو عرس مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ مستحب شریف میں ۹ شعبان کو عرس حضرت مخدوم شاہ درویش صاحب قدس سرہ، بہار شریف میں ۵ رثوال کو عرس حضور مخدوم الملک مخدوم شاہ شرف الملہ والدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ، ۳ جمادی الآخر کو حضرت جناب حضور شاہ امین احمد صاحب قدسنا للہ بارواحہم و نفعنا فی الدارين بہر کائناتہم کا عرس ہمیشہ یحییٰ تاریخ و ماہ وفات بلا تکثیر رائج ہے۔ وہابیہ لیام خدا لہم اللہ تعالیٰ اپنی بڑ کو تاج کلاب سے زیادہ نہ تصور فرمائیں۔

ماہ فشانہ نور و سنگ عمو کند ہر کسے بر خلقت خود میں تندر قرون ثلاثہ مشہور دہلیا بالکثیر بیعت کذا کی موجود نہ ہوتے سے کوئی چیز منوع و ناجائز نہیں ہو سکتی۔ علامہ نے صد ہا امور میں کہ قرون ثلاثہ میں رائج نہ تھے باوجود محدث ہونے کے حکم جواز بلکہ استحسان دیا، مثلاً نماز میں تلفظ نیت باوجود یکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، نہ خلفائے راشدین، نہ ائمہ مجتہدین سے ثابت، عامہ متون و شروح و فتاویٰ میں مستحب فرمایا۔

وقایہ میں ہے: ”والقصد مع لفظہ افضل“۔
مختصر وقایہ میں ہے: ”و مع اللفظ افضل“۔
جوہرہ نیرہ میں ہے: ”الذکر باللسان مع عمل القلب سنة فلا ولی ان يشغل قلبه بالنية ونسائه بالذکر ویدہ بالرفع“۔
غرر الاحکام میں ہے: ”و التلظظ مستحب“۔

در الاحکام میں ہے: ”اما الذکر باللسان فلا يعتبره و یحسن ذلك لا اجتماع عتریمة“۔
نہی تذکر الاحکام میں ہے: ”قوله والتلظظ بها مستحب یعنی طریق حسن احبہ الشائخ لانه من السنة لانه لم یثبت عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من طریق صحیح ولا ضعیف ولا

عن احد من الائمة الاثمة الاربعة بل المنقول انه صلى الله تعالى عليه وسلم كان اذا قام الى الصلوة كبر فهذه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة۔

حاشیہ در لای سعید خاوی میں ہے: "قوله ويحسن ذلك كونه حسنا هو اختيار الكافي والزبلي واختير في منية المصلي تبعاً للمحتجب بترجيح استحبابه وفي الاختيار تبعاً للبدائع سنية۔" محیط میں ہے: "الذكر باللسان سنة فينبغي ان يقول اللهم اني اريد صلوة كذا فيسرهما لي وتقبلها مني۔"

بحر الرائق میں ہے: "قد اختلف كلام المشائخ في التلظظ باللسان فذكر في منية المصلي انه مستحب وهو المختار وصححه في المحتجب وفي الهدية والكافي والتبيين انه يحسن لا اجتماع عزيمة وفي الاختيار معزيا الى محمد بن الحسين انه سنة وهكذا في البدائع۔"

در مختار میں ہے: "التلظظ عند الامة بها مستحب وهو المختار وقيل سنة يعني احب السلف او سنة علماء ناذلم ينقل عن المصطفی والصحابی والتابعین بل قيل بدعة۔" طحاوی میں ہے: "لكنها حسنة على المعتمد لا سنية۔"

رد المحتار میں ہے: "قوله بل قيل بدعة، تنقله في الفتح وقال في الحلية ونقل الاشبہ انه حسنة عند قصد جمع العزيمة لانسان قد يغلب عليه تفرق خاطره وقد استفاض ظهور العمل به في كثير من الاعصار في عامة الامصار فلا جرم انه ذهب في المبسوط والهداية والكافي الى انه ان فعله لجمع عزيمة قلبه فحسن فيندفع ما قيل انه يكره۔"

تفتیہ شرح منیہ میں بعد نقل اس بات کے کہ قرون ثلاثہ میں اس کا وجود نہ تھا، بدعت ہے، فرمایا: "فكونه بدعة لا ينافي كونه حسناً لقصد اجتماع العزيمة على ما اشار اليه في الهداية وصرح في التحفيس۔" مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: "الا كثرون على ان الجمع بينهما مستحب يسهل تعقل معنى

الصية واستحضارها الخ۔

شرح الممات میں ہے: "فقها گفته اند کہ اگر بزبان نیز گوئید بہتر است و مستحب تا زبان بادل موافق و ظاہر و باطن مطابق ہو۔ و نیز تعقل معنی نیت و استحضار آن در دل بذکر الفاظ آسان باشد۔"

اسی طرح تجویب کہ خیر القرون میں اس کا رواج نہ تھا لیکن عامۃ کتب مذہب متون مثل تنویر الابصار، وقایہ، نقایہ، کنز، غرر، وافی، ملتقى، اصلاح، نور الایضاح، شروح مانند در مختار، رد المحتار، طحاوی، عنایہ، نہایہ، تفتیہ شرح منیہ،

صغیری، بحر الرائق، نہر الفائق، تبيين الحقائق، برجندی، قہستانی، درر الحکام، کافی، مجتبی، ایضاح، امداد الفتاح، مراقی الفلاح، حاشیہ المراقی للعلامة الطحاوی، فتاویٰ مثل ظہیریہ، خانیہ، خلاصہ، خزائنہ المحتسین، جواہر اخلاطی، علمگیری وغیرہا میں جائز و مستحسن فرمایا۔

مختصر وقایہ میں ہے: "التَّوْبَةُ حَسَنَةٌ فِي كُلِّ صَلَاةٍ"۔

تویر الابصار علامہ غزی ترمذی میں ہے: "يَتُوبُ الْاَقْبَى الْمَغْرِبُ"۔

در مختار محقق علائی میں ہے: "يَتُوبُ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ فِي الْكُلِّ لِلْكُلِّ بِمَا تَعَارَفُوهُ"۔

غیتہ میں ہے: "وَاسْتَحْسَنَ الْمُتَأَمِّلُونَ التَّوْبَةَ زَادَ فِي شَرْحِ الْوَقَايَةِ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا"۔

اسی طرح خطبہ میں ذکر خلفائے راشدین اور عین مکرر میں رضی عنہم رب المشرقیین۔

بحر الرائق میں ہے: "وَذَكَرَ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدِينَ مُسْتَحْسَنَ بَدَائِلِ حُرَى التَّوَارِثِ وَبَذَكَرَ الْعَمِينَ"۔

در مختار میں ہے: "يَنْدُبُ ذَكَرَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ وَالْعَمِينَ"۔

اور اسی قبیل سے خطبہ میں دعائے سلطان ہے، جسے بعض علمائے مصلحت زمانہ واجب تک کہنا مجوز رکھا ہے۔

در مختار میں ہے: "لَا (أَي لَا يَنْدُبُ) لِلْسلطان وَحُوزَةِ الْقَهْطَانِي"۔

رد المحتار میں اس کی تائید فرمائی اور کہا: "وَإِيضًا قَانَ الدَّعَاءُ لِلْسلطان عَلَى الْمَن تَابَرَقَد صَارَ لَأَن مِّنْ

شَعَارِ السُّلْطَنَةِ فَمَنْ تَرَكَهُ يَحْشَى عَلَيْهِ وَلِذَا قَالِ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ لَوْ قَبِلَ أَنَّ الدَّعَاءَ لَهُ وَاجِبٌ لِّمَا فِي تَرَكَهُ مِّنْ الْفِتْنَةِ غَالِبًا لَّمْ يَبْعُدْ" الحج۔

اسی طرح تسلیم بعد الاذان کہ ربیع الآخر ۸۱ یا ۹۱ ہجری زمانہ سلطان ناصر صلاح الدین سے شروع ہوئی

اور اسے بدعت حسنہ فرمایا۔

در مختار میں ہے: "التَّسْلِيمُ بَعْدَ الْاَذَانِ حَدَّثَ فِي رُبْعِ الْاَخِرِ سِتَّةَ سَبْعِ مِائَةٍ وَاحْدَتَيْنِ

فِي عِشَاءٍ لَّيْلَةِ الْاِثْنَيْنِ ثُمَّ يَزِمُ الْجُمُعَةَ ثُمَّ بَعْدَ عَشْرِ سَنِينَ حَدَّثَ فِي الْكُلِّ الْاَلَا فِي الْمَغْرِبِ ثُمَّ فِيهَا مَرَّتَيْنِ وَهُوَ بَدْعَةٌ حَسَنَةٌ"۔

رد المحتار میں ہے: "قَوْلُهُ سَنَةِ ۷۸۱ هـ كَذَابُ الشَّيْخِ النَّهْرِيِّ عَنْ حَسَنِ بِالمَحَاضِرَةِ لِلْمَسِيوِيِّ ثُمَّ نَقَلَ

عَنِ الْقَوْلِ الْبَدِيعِ لِلْسخَاوِيِّ أَنَّهُ فِي سَنَةِ ۷۸۱ هـ وَأَنَّ ابْتِدَاءَهُ كَانَ فِي أَيَّامِ السُّلْطَانِ النَّاصِرِ صَلَاحِ الدِّينِ بِأَمْرِهِ"۔

اسی طرح مصنف بعد العصر۔ در مختار میں ہے: "فِي مَسْئَلَةِ الْمَصَافَحَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَوْلُهُمْ أَنَّهُ بَدْعَةٌ أَيْ حَسَنَةٌ مَّيْجَاةٌ

ما تحت
ما کچھ

آپ
لم ہو
لوگ

نہا

بقول

تعلی

فی سے

میری

لر تجھ کو

ل اللہ

رفوم

البقیع

ملی اللہ

فرماتے

واللہ ہم

البقیع

کما افاده النووي فی اذکارہ وغیرہ فی غیرہ۔

اسی طرح ہمارے بعد صبح۔ نیم الریاض میں ہے: ”الاصح انها بدعة مباحة“۔

اسی طرح قرآن شریف میں اسمائے سور اور آیات کی قعداؤں لکھنا، اسے مطلقاً کرنا۔

درمختار میں ہے: ”وجاز تحلیۃ المصحف لمصافیہ من تعظیمہ وفیہ وعلیٰ ہذا لا بأس بكتابة

اسامی السور وعدد الای والعلامات قہی بدعة حسنة“۔

جو اہر اخلاطی پھر فتاویٰ علمگیریہ میں ہے: ”لا بأس بكتابة اسمی السور وعدد الای وهو وان کان

احد اثافہو بدعة حسنة وکم من شئی کان احداثاً وهو بدعة حسنة وکم من شئی یختلف

باحتلاف الزمان والمکان“۔

”قرآن مجید میں سورتوں کے نام اور آیتوں کی گنتی لکھنے میں حرج نہیں اور وہ اگرچہ نو پیدا ہے مگر بدعت منہ

ہے اور بہت نئی چیزیں بدعت حسنة ہوتی ہیں اور بہت چیزوں کا حکم زمانہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے

راشدین میں نہ تھے، بدلتا رہتا ہے“۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی: ”ان المسجد کان علیٰ عبد

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبتدیان باللبین و مقفہ الحریذ و عمدہ عشب الجبل“۔

بلکہ حدیث میں تو اس کی ممانعت آئی۔ مندی بنانے کا حکم ہوا کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

”ابنوا المساجد واتخذوا حاجماً“۔ ”مسجدیں بناؤ اور انہیں بے کنگرہ رکھو“۔ رواہ ابن ابی شیبہ والبیہقی

فی السنن عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً۔

مگر تعمیر زمانہ سے جبکہ قلوب عوام تعظیم باطن پر متوجہ ہونے کے لئے تعظیم ظاہر کے محتاج ہو گئے۔ اس قسم کے امور کو علماء عامہ

مسلمین نے مستحسن رکھا، کما افتی بہ سیدی مدظلہ۔

اسی طرح ختم تراویح کے دن باجماعت دعا کرنا اخیر رکعت میں سورہ اخلاص تین بار پڑھنا۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ”تکلموا فی الدعاء عند ختم القرآن فی شہر رمضان بالجماعة

واستحسنہ المستأخرون فلا یمنع من ذلك وفراة سورہ الاخلاص ثلاث مرات عند ختم القرآن

استحسنہ مشائخ العراق الافی المکتوبة“۔

اسی طرح مجلس میلاد فیض بنیاد سرکار اید قرار حضور سرور کائنات علیہ علیہ افضل الصلوٰات واکمل التسلیمات

کہ خیر القرون میں اس ہیئت کذا فی کے ساتھ معمول نہ تھی پھر بھی علمائے کرام نے اسے جائز و مستحسن فرمایا۔

امام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”یستحب لنا ایضاً اظہار الشکر بمولده صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالاجتماع واطعام الطعام ونحو ذلک من وجوه القربات واظہار المسرات۔“
 امام ابوالخیر شمس الملتی والدین سخاوی وشیخ القراء محمد ابن الجزری و امام شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی وغیرہم فرماتے ہیں: ”واللفظ للمواہب لازال اهل الاسلام يحتفلون بشهر مولده عليه الصلوة والسلام ويعملون الولائم ويتصدقون في لياليه بانواع الصدقات ويظهرون السرور ويزيدون في العبرات ويعتنون بقراءة مولده الكريم ويظهر من بركاته كل فضل عظيم۔“

امام حافظ ابو محمد عبدالرحمن ”الساعت علی انکار البدع والحوادث“ میں فرماتے ہیں: ”ومن احسن البدع في زماننا هذا من هذا القبيل (ای البدعة المتفق علی حواز فعلها والاستحياب بها ورجاء الثواب من حسنت نيته فيها) ما كان يفعل بمدينة او بل كل عام في اليوم الموافق ليوم مولد النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من الصدقات والمعروف واظہار الزينة والسرور فان ذلک مع ما فيه من الاحسان الى الفقراء يشعر بمحبة النبي صلی اللہ علیہ وسلم وتعظيمه واحلاله في قلب فاعله وشكر الله علی ما من به من ايجاد رسوله الذي ارسله رحمة للعالمين صلی اللہ علیہ وسلم۔“
 علامہ شیخ صدر الدین بن عمر شافعی فرماتے ہیں: ”خذ البدعة لا بأس بها ولا يكره البدع الا اذا اغضت السنة واما اذا لم تراغمها فلا تكره ويناب الانسان بحسب قصده في اظهار السرور والفرح بمولد النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔“

الگوکب الانور علی عقد الجوهري تالیف سید جعفر برزنجی مفتی شافعی میں ہے: ”اعلم انه (ای عمل المولد) بدعة لانه لم ينقل عن احد السلف الصالح من القرون الثلاثة الفاضلة التي شهد النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بخيرتها لكنها بدعة حسنة لما اشتملت عليه من الاحسان الكثير للفقراء ومن قراءة القرآن واكثار الذكر والصلوة علی النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واظہار الفرح والسرور به ولا حيل ذلك لما ظهرت بعد تلك القرون الثلاثة لم يزل اهل الاسلام في سائر الاقطار يحتفلون في شكر مولده خصوصاً في ليلته بعمل المولد في ولائم مشتملة علی كثرة المطاعم والاحسان والصدقات والمعبرات مع الاكثار من قراءة القرآن المجيد والذكر وقراءة مولده۔“

امام محقق حافظ ابو ذر عدوی الدین عراقی فرماتے ہیں: ”الوليمة واطعام الطعام مستحب في كل وقت فكيف اذا انضم الى ذلك السرور بظهور نور النبوة في هذا الشهر الشريف ولانعلم ذلك من السلف ولا

یلتزم من کونه بدعة کونه مکروها فکم من بدعة مستحبة بل واجبة اذا لم يتضم الى ذلك مقسدة۔
امام جلال الملک والدين سيوطي شرح ابن ماجه شريف میں تحریر فرماتے ہیں: ”الصواب انه من البدع
الحسنة المندوبة اذا حلت من المنكرات شرعاً آه وقال في فتاواه عندي ان اصل المولد من البدع
الحسنة التي يشاب صاحبها لمافيته من تعظيم قدر النبي صلى الله عليه وسلم واظهار الفرح
والاستبشار بمولده الشريف۔“

اسی طرح قیام وقت ذکر ولادت پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
مولانا عثمان حسن دہلوی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ”القیام عند ذکر ولادة سيد المرسلين
صلى الله عليه وسلم في قراءة المولد الشريف تعظيماً له صلى الله عليه وسلم امر لا شك في
استحسانه ويحصل لفا حله من الثواب الحظ الا وفر والخير الاكبر۔“
عقد الجوهري مولد النبي الاذهر تالیف علامہ سید جعفر برزنجی میں ہے: ”وقد استحس القیام عند ذکر مولده
(صلى الله تعالى عليه وسلم) الشريف اتمة ذو ورواية و (ذو) رواية آه مع زیادة ما بین الہلالین“
المکوک الانور علی عقد الجوهري تالیف شیخ محمد بن احمد مفتی مالکیہ میں ہے: ”جرت العادة بقيام الناس
”هذه القیام بدعة لا اصل لها لكنها بدعة حسنة لاجل التعظيم۔“
القول المنجی علی مولد البرزنجی تالیف شیخ محمد بن احمد مفتی مالکیہ میں ہے: ”جرت العادة بقيام الناس
اذا انتهى المدح الى ذکر مولده صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وهي بدعة مستحبة لمافيها من
اظهار الفرح والسرور۔“

قال الصحرى نفعنا الله به

قليل لمدح المصطفى الخط بالذهب على فضة من خط احسن من كتب

واله تنهض الاشراف عند سماعه قياماً صفوفاً او جثياً على الركب

اما الله تعظيماً له كتب اسمه على عرشه يارتبة سمت الرتب

امام محمد الدين فيروز آبادي صاحب قاموس ”الشفاة العنبرية لا ثبات القیام في مولد خير
البرية“ میں فرماتے ہیں: ”قد استحس اهل مكة المعظمة والمدینة المنورة زادهم الله شرفاً وتعظيماً
ويقومون عند ذکر وضعه عليه السلام كما لا يخفى على الحجاج وقال الامام ابو زيد في مولده:
”استحس العلماء القیام عند ذکر الوضع۔“ وقال العلماء الحنبلية: ”عند ذکر ولادته صلى الله

تعالیٰ علیہ وسلم القیام واجب لہما نہ تحضر روحانیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ ہذا عمل اہل مکہ الشریفۃ فی زیارتہم موضع ولادۃ الشریفۃ۔“

اسی طرح تقلید شخصی کہ اب اہل سنت و جماعت میں امر اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں منحصر و محصور ہے۔ حالانکہ خیر القرون میں ہرگز اس طرح پر نہ تھی، بلکہ دوسری کے بعد شائع ہوئی مگر علمائے کرام نے اس کے وجوب کا حکم فرمایا۔ جو ان چار مذہبوں سے خارج ہو، اسے بدعتی جہنمی فرمایا۔

شاہ ولی اللہ صاحب ”انصاف فی بیان سبب الاختلاف“ صفحہ ۱۳ میں فرماتے ہیں: ”بعد المائتین ظہور بدعتہم التمدد بآدابہم وقل من کان لا یتمد علی مذهب معتہد بعینہ وکان ہذا ہو الواجب فی ذلک الزمان۔“ ”دوسری کے بعد خاص ایک مجتہد کا مذہب اختیار کرنا اہل اسلام میں شائع ہوا۔ کم کوئی شخص تھا جو امام معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتا ہو اور یہ واجب ہے اس زمانے میں۔“

لوطیہ حاشیہ در مختار میں ہے: ”ہذہ الطائفة الناجیة قد اجتمعت الیوم فی مذہب اربعۃ وھم الحنفیون و المالکیون و الشافعیون و الحنبلیون رحمہم اللہ تعالیٰ و من کان خارجاً عن ہذہ الاربعۃ فی ہذا الزمان فھو من اہل البدعة و النار۔“ ”اہل سنت کا گروہ ناجی۔ اب چار مذہب میں مجتہد ہے، جنکی مالکی شافعی حنبلی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے جو ان چار سے باہر ہے، وہ بدعتی جہنمی ہے۔“

”اسی غیر ذلک من الامور السی لم تکن فی خیر القرن و احد ث بعد ذلک وقد اباحتها و استحسنها بل اوجبھا العلماء۔“

بالجملہ عرس مسئول عنہ کی اباحت و جواز میں شک نہیں کہ وہ مجموعہ امور مستحسنہ کا ہے۔ اور مجموعہ امور مستحسنہ کا مستحسن ہونا ہے اور اجتماع سے کوئی حکم منافی آحاد کے پیدا نہیں ہوتا بلکہ حسن اس کا حسن، ہر واحد سے زیادہ ہو جاتا ہے جیسے بالوں کی رسی ہر بال سے زیادہ قوت رکھتی ہے اور بڑی جماعت کی خبر باوجود ظنیت آحاد کے مفید یقین کی ہو جاتی ہے اور حدیث ضعیف تعدد و طرق سے حسن ہو جاتی ہے کما قد مناعن الشعة اللمعات۔ اور جب ان سب امور خیر کی طرف خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت و ہدایت فرمائی اور مزارات شہدائے کرام پر ہر سال تشریف لے جا کر اس کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد اور کس موجد کی ضرورت ہے؟

(۴) جس جگہ ہو، ہند یا سندھ یا ماعراس وغیرہ میں قوالی ہوتی ہے یا طوائف مزین ہو کر با ساز و مزامیر رقص و بجا کیا کرتی ہیں۔ چونکہ خود ایسی قوالی حرام، حاضرین سب گنہگار ہوتے ہیں اور ان سب کا گناہ قوالوں پر اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے سر قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ

میں کچھ کمی واقع ہو یا اس کے اور قوالوں کے ذمے حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف نہ ہو، نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا پورا گناہ الگ اور ان سب حاضرین کے برابر جدا اور ان سب کا مجموعہ ایسا عرس کرنے والے پر۔ یہ وجہ کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا اور ان کے لئے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا، یہ وصول سارنگی نہ کرتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے، اس لئے ان سب کا گناہ قوالوں پر ہوا۔ پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا۔ وہ نہ کرتا، نہ بلاتا تو یہ کیونکر آتے، بجاتے۔ لہذا قوالوں کا گناہ بھی اسی بلانے والے پر ہوا۔

حدیث شریف میں ہے: ”من دعا الى هدى كان له من له من الاجر مثل اجور من تبعه لا ينقص ذلك من اجور هم شيئا ومن دعا الى ضلالة كان عليه من الاثم مثل آثم من تبعه لا ينقص ذلك من آثامهم شيئا“۔ ”جو کسی امر ہدایت کی طرف بلائے، جتنے اس کا اتباع کریں، ان سب کے برابر ثواب پائے، بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے۔ اور جو کسی امر ضلالت کی طرف بلائے، جتنے اس کے بلانے پر چلیں، ان سب کے برابر اس کے اوپر گناہ ہو اور ان کے گناہوں میں کچھ تخفیف نہ ہو۔ رواہ الاثمة احمد و مسلم والاربعة عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

باجوں کی حرمت میں احادیث کثیرہ شیعہ ہیں۔ بخاری شریف میں ہے: حضور اقدس صلی تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”لکونن فی امئی اقوام يستحلون الحرو والحریر والنخمر والمعاز فحدیث صحیح حلیل متصل وقد اخرجه الاثمة احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ و الا اسفعلی و ابو نعیم یاسانید صحاح لا مطعن فیہا و صححه جماعة آخرون من الاثمة کما قاله بعض الحفاظ قاله الامام ابن حجر المکی فی کف السراغ (۱۰ افادہ سیدنا العلامة فی عطایا النبوت ۱۲ منہ) ”ضروری امت میں کچھ لوگ ایسے ہونے والے ہیں کہ حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ یعنی زنا اور ریشمی کپڑے اور شراب اور باجوں کو“۔

بعض جہال بدست یا نیم ملاہوس پرست کہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبانِ خدا کا برسلسلہ عالیہ چشت قدس اسرار ہم کے سر و ہرستے ہیں۔ نہ خدا تعالیٰ سے خوف، نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں۔ حالانکہ خود حضور محبوب الہی و مولائی نظام الحق والدین سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم و عنہم فواد الفوید شریف میں فرماتے ہیں: ”مزامیر حرام است“ مولانا فخر الدین زراوی، خلیفہ حضور سیدنا محبوب الہی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور کے زمانہ مبارک میں خود حضور کے حکم احکم سے مسئلہ سماع میں رسالہ کشف القناع عن اصول السماع تحریر فرمایا۔ اس میں صاف ارشاد ہے: ”اما سماع مشائخنا رضی اللہ تعالیٰ عنہم فیرئی عن ہذہ التہمة و هو مجرد صوت

القبول مع الاشعار المشعرة من كمال صنعة الله تعالى۔ ”ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ عنہم کا سماع اس مزامیر کے بہتان سے بری ہے۔ وہ صرف قوال کی آواز ہے، ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الہی سے خبر دیتے ہیں۔“
 اللہ انصاف! ان امام جلیل خاندان عالی چشت کا یہ ارشاد مقبول ہو گا یا آجکل مدعیان خام کار کی تہمت بے بنیاد
 ظاہر الفساد ولا حول ولا قوة الا باللہ العلیٰ العظمیٰ۔ جو لوگ اس کی ممانعت پر قدرت رکھتے ہیں انہیں منع کرنا لازم۔
 مسلم شریف میں ہے: ”من رای منکم متکبرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یقدرفیلسانہ فان لم یقدرفیقلہ و ذلک اضعف الایمان و فی روایۃ و لیس وراء ذلک حبة خردل من الایمان۔“ جو تم میں سے کوئی
 برائی دیکھے تو چاہئے کہ مٹا دے اپنے ہاتھ سے اور جو اس پر قدرت نہ رکھے تو زبان سے اس کی برائی بیان کر دے اور جو
 اس پر بھی قدرت نہ رکھے تو چاہئے کہ دل سے برا جانے اور یہ بہت ہی ضعیف درجے کا ایمان ہے اور دوسری روایت
 میں ہے اور اس کے اندر رائی کے دانہ برابر ایمان نہیں۔ جس طرح امر بالمعروف اہم فرائض دینیہ ہے، اسی طرح نہی
 عن المنکر بھی ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: ”کلا واللہ لئن امرن بالمعروف
 ولتنہون عن المنکر اولیٰ ضرر من اللہ فلوب بعضکم علی بعض ثم لیلعتکم کما لعتہم۔“ ”یوں نہیں
 خدا کی قسم! یا تو تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو گے یا اللہ تعالیٰ تمہارے دل آپس میں ایک دوسرے پر
 مارے گا پھر تم سب پر لعنت اتارے گا، جیسی ان بنی اسرائیل پر لعنت اتاری۔“ قال تعالیٰ: لعن الذین کفروا امن
 بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسیٰ بن مریم ذلک بما عصوا و کانوا یعتدون کانوا الایتناء ہون عن
 منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون۔“ ”بنی اسرائیل کے کافروں پر لعنت پڑی داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان
 سے کا یہ بدل تھا ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا۔ برے کام سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے ضرور یہ فعل ان
 کا تحت بُرا تھا۔“

علامہ نسفی تفسیر مدارک میں تحت اس آیت کے فرماتے ہیں: ”وفیہ دلیل علی ان ترک النہی عن المنکر
 من العظام فیما حسمہ علی المسلمین فی اعرا۔“ ”اور اس آیت میں دلالت اس بات پر ہے کہ
 نہی عن المنکر نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ افسوس ہے مسلمانوں کے حال پر اس کے چھوڑ دینے میں۔“
 اگرچہ مانا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ ہر شخص پر فرض، نہ ہر حال میں واجب بلکہ بعض صورتوں میں شرع ہی اس کے ترک
 کی ترغیب دے گی جبکہ اس سے کوئی فتنہ اشد پیدا ہو۔

شرح عقائد جلالی بحث الامر بالمعروف والنہی عن المنکر میں ہے: ”وشرطہ ای شرط وجوبہ و ندبہ ان

لا یؤدی الی القتلة فان علم انه یؤدی الیہا لم یجب ولم ینتدب بل ربما کان حراماً۔ ”مگر جو لوگ ذمی قوت اور اہل اختیارات ہیں کہ ان کے منع کر دینے سے لوگ رک جائیں گے، ان پر فرض ہے کہ جس طرح ممکن ہو لوگوں کو روک دیں۔ انہیں صرف قلب سے برا جاننا کافی نہ ہوگا۔“

فتاویٰ عظیمہ یہ میں محیط سے ہے: ”ان الامر بالمعروف علی وجہ ان کان یعلم یا کبر رأیہ انہ لو امر بالمعروف ویقبلونہ ویستعولون عن المنکر فالامر واجب علیہ ولا یسعه ترکہ۔“ ”اگر جانتا ہے کہ اس کے امر بالمعروف کرنے کو لوگ قبول کریں گے، برائی سے باز آئیں گے تو اس پر امر بالمعروف واجب ہے، اسے چھوڑ نہیں سکتا۔“

شرح شفا ملا علی قاری میں ہے: ”الا انکار القلیسی لا یسکون کافیاً الا للمعاجز عن انکار بیدہ اولیائہ۔“ ”انکار قلبی کافی نہ ہوگا مگر اس شخص کے لئے جو عاجز ہے انکار لسانی یا ہاتھ سے منع کرنے سے اور جو شخص اس پر قدرت رکھتا ہے اور پھر باوصف قدرت ترک کرے گا، ضرور گتہ کار ہوگا۔“

مسائل کا مطلقاً اہل قیور سے استمداد کو شرک بتانا، اختلاط و ہابیائیں سے ناشی۔ اولیائے کرام سے انہیں واسطہ فیض الہی جان کر استمداد و استعانت ہرگز گناہ تک نہیں۔ حدیثوں کی تو گنتی نہیں۔ بے شمار احادیث میں حکم استعانت وارو۔ خود رب العزت جل و علا فرماتا ہے: واستعینوا بالصبر والصلوة۔ اور استعانت کرو صبر اور صلوٰۃ سے اور یقینی قطعی اجتماعی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا حکم نہیں دیتا اور نہ شرک میں تفریق ہے کہ صبر و صلوٰۃ خدا تعالیٰ کے شریک ہو سکتے ہوں، انبیاء و اولیائے نہیں اور اگر یہ شرک ہی ہے تو جب خدائے تعالیٰ مجھے حکم دیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر فرماتے ہیں تو ہم اس کے بندے ہیں، اس کا اتباع واجب۔ ایسے شرک پر جس کا اللہ تعالیٰ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں، ان چہر تو حیدریوں کی لاکھ تو حیدیں قربان۔

قال اللہ تعالیٰ: ما اتکم الرسول فخذوہ۔ وقال اللہ تعالیٰ: ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ وقد افرد الحضرة الشیخ فی هذا الباب رسالۃ سماها ”برکات الامداد لاهل الاستمداد“۔

متعدد احادیث میں زیارت قیور کو عورتوں کے لئے ناجائز فرمایا بلکہ لعنت تک آئی۔ قال هذا حدیث حسن صحیح والامام احمد فی مسنده وابن ماجہ فی سننہ والحاکم فی المستدرک عن حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مگر بعد کو اجازت دے دی گئی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ”نہینا کم عن زیارة القبور فزورہا رواہ محرر المذہب النعمانی الامام محمد بن الحسن الشیبانی فی الآثار عن امامنا الاعظم عن ابن بريدة الاسلامی عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال وبہذا تاخذ لا بأس

بزیارۃ القبور للدمع اللیمت ولذکر الآخرة وهو قول ابی حنیفۃ ومسلم وابو داؤد والترمذی وابن حبان والحاکم عن ابن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
 علما کو اختلاف ہوا کہ اس اجازت میں عورت بھی داخل ہیں یا صرف مردوں کے لئے حکم ہوا۔ ارجح مذہب میں عورتیں بھی داخل ہیں۔

فتاویٰ عظیمیہ میں ہے: "اختلف المشائخ فی زیارۃ القبور للنساء قال شمس الائمة السرخسی الاصح انه لا بأس بہا۔"

جامع الرموز میں ہے: "وزیارة القبور مستحب للرجال وكذلك للنساء علی الاصح۔"
 مختار الفتاویٰ میں ہے: "لا بأس بزیارة القبور وهو قول ابی حنیفۃ وظاہر قول یفتی الجواز للنساء ایضاً لانه لم یخص الرجال۔"
 کشف بزووی علامہ فخر الاسلام علی بن محمد جلد ۳ صفحہ ۱۸۶ میں ہے: "والاصح ان الرخصة ثابتة للرجال والنساء جميعاً۔"

بحر الرائق میں ہے: "الاصح ان الرخصة ثابتة لهما۔"
 درمختار میں ہے: "لا بأس بزیارة القبور ولوللنساء لحديث كنت نهيتكم عن زیارة القبور الا فزروها۔"

رد المحتار میں ہے: "قبولہ و زیارة القبور بل تندب کما فی البحر عن المحنبي فکان ینبغي التصريح لالا مریہا فی الحديث المذكور کما فی الامداد۔"

مگر غیبتہ وغیرہ میں اسے مکروہ فرمایا تو نصہ "ویمستحب زیارة القبور للرجال و تکرہ للنساء"۔ مالا نے اسے تطبیق دی اور فرمایا کہ اگر تجدید حزن و بکاء کے لئے ہے جیسی ان کی عادت ہے تو ناجائز و ممنوع ہے اور اگر غیرت حاصل کرنے کے لئے اور قبور صالحین کے ساتھ برکت حاصل کرنے کی غرض سے ہے تو بوڑھیوں کو اجازت ہے مگر جوان عورتوں کے لئے اجازت نہیں جیسے مساجد میں حضور جماعت سے منع کی گئیں

شامی میں ہے: "وقال الخیر الرملي ان كان ذلك لتجدید الحزن والبكاء والتندب علی ما جرت به عادتهن فلا يحوز و علیہ حمل حديث لعن الله زائرات القبور وان كان للاعتبار والترحم من غیر بکاء والتبرک بزیارة قبور الصالحين فلا بأس اذا كن عرائز و یکرہ اذا كن شواب کحضور الجماعة فی المساجد أه و هو توفیق حسن۔"

مگر از انجا کہ احکام زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہو جاتے ہیں، فتاویٰ رضویہ میں فرمایا: "اقول قبور اقرباء
بر خصوصاً بحال قرب عہد مہمات تجدید حزن لازم نساء ہے اور مزارات اولیائے کرام میں احداثا عتین کا اندیشہ یا ترک
ادب یا ادب میں افراط ناجائز، تو سبیل اطلاق منع ہے ولہذا غیبتہ میں کراہت پر جزم فرمایا۔ البتہ خاکبوسی آستان عرش
نشان سرکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اعظم المہندویات بلکہ قرب واجبات سے ہے۔ اس سے نہ روکیں گے اور
تعدیل ادب سکھائیں گے۔"

خزائن المقتنین و فتاویٰ علیمیریہ میں فتح القدیر سے ہے: "قال مشائخنا رحمہم اللہ تعالیٰ انہا افضل
المنذوبات۔"

مناسک الفاری شرح المختار میں ہے: "انہا قریبۃ من الوجوب لمن لہ سعة۔"

شفائے امام قاضی عیاض مع شرح ملا علی قاری میں ہے: "(زیارۃ قبرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وسلم سنۃ من سنن المسلمین مجمع علیہا) ای مجمع علیٰ کونہا سنۃ ومن ادعی الاجماع
الشووی وابن الہمام بل قبل انہا واجبة اہ والہ تعالیٰ اعلم قلت و کذا العلامة ابن حجر فی
الحوہر المنظم فی زیارۃ قبر النبی المکرم۔"

اللہم ارزقنا زیارۃ حرمک و حرمة الابقی و ادم علیہا الاقامة بحرمة صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
الہی ان تنوفی و متعن بشفاعتہ الی شقی و اوردنا حوضہ الاصفی و اسقنا بکأسہ الا و فی امین و احرر عیننا ان
الحمد للہ رب العلمین و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہ و آلہ و صحبہ اجمعین الی یوم الدین۔"

(اس فتوے پر اخیر میں سیدنا علی حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ اور مولانا عبدالمقتر بدایونی علیہ
الرحمۃ کی تصدیقات بھی ہیں، لیکن ان کا یہاں ذکر کرنا بے محل ہے، اس لئے حذف ہوئیں۔ ۱۲ سرحل)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد تحریرات فریقین نظر سے گذریں۔ محرمین فاتحہ نے جس حیا و دیانت سے کام لیا ہے، عیاں ہے۔ عیاں را
چہ عیاں۔ مسئلہ فاتحہ کو علمائے اہل سنت کثیر اللہ تعالیٰ امثالہم نے اس طرح ثابت فرمایا ہے کہ با حیا مخالف کو بھی بجز
تسلیم، چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ بقدر ضرورت انہی حضرات کے فیوض سے فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر نے بھی اسے رسالہ "مواہب
ارواح القدس لکشف حکم العرس" میں بعض تصریحات اور دس سندیں اس مضمون پر ذکر کیں۔ اگرچہ
روئے سخن وہاں جانب عرس تھا مگر حکم، فاتحہ و عرس دونوں کا ایک۔ فالبيان والبيان والدلیل والدلیل۔ اس تحریر میں تمام

انہو بے تعلق مباحث مناظرہ و حملہ ہائے ذاتی این و آن و بہ ہماں و فلاں سے قطع نظر اور صرف وضاحت مرام و ازاحت اوہام مقصود و ماسو فیقی الا بالملک المعبود۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ مجمل و مختصر جواب، موضح حق و صواب، مدافع شک و ارتباب، مفتح اولی الالباب ہو۔ ناظرین سے مامول کہ براہ بشریت خطا پائیں، دامن عقوبت چھپائیں اور حق کے لئے تکلم "النظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال" امید قبول۔ وما توفیقی الا باللہ العزیز الحلیل وهو حسبی ونعم الوکیل فاقول باللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذریئہ التحقیق۔

اموات مسلمین و علمائے عالمین و صلحائے کاملین و انبیاء و مرسلین علیہم التحیۃ والتسلیم کو فاتحہ و درود و قرآن خوانی و طعام خورانی و غیرہ اعمال صالحہ کا ثواب پہنچانا گوشتین تاریخ و دیگر قیود جائزہ رائجہ ہو، بے شبہ جائز و مباح بلکہ مستحسن و مندوب و شرعاً مقصود و مطلوب ہے۔ جس کے لئے قطع نظر تمام اسناد و دلائل و تصریحات معتمدان فرقہ مخالفین و تلوینات ائمہ منکرین، اصل اشیاء میں مذہب صحیح و معتمد و حقار جمہور خفیہ کرام حصہم اللہ باللطف والا کرام پر اباحت ہونا ہی کافی و واقعی دلیل ہے کہ قائل جواز متمسک باصل ہے۔ اسے دلیل کی کیا حاجت؟ دلیل تو ان حضرات کو دینی چاہئے جو اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراء کرتے، حرمت یا الاقل کراہت کی پکار پکارتے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

رہا یہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے بھی یا خواہ مخواہ قائل جواز متمسک باصل ہے؟ اجلہ اکابر علمائے اہل سنت نے ایسے واضح اور صاف لفظوں میں ثابت فرمایا ہے کہ

گر آں جملہ راسخدی الملائکہ مگر دفتر دیگر انشا کند

مگر بمضمون "مالا یدرک کلمہ لا یرک کلمہ" ان میں سے صرف بعض کا افاضہ اور نظر اتمام حجت تاکہ پھر کسی کو، پرانا مغالطہ اور "وحو کے کی ٹٹی" کہنے کی جرأت نہ ہو، تحریرات "متمدن مخالفین بلکہ ائمہ منکرین کا اضافہ ضرور۔
قال عز من قائل: "هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ حَبِيبًا" (البقرة ۲۹) "وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے" (کنز الایمان)

علامہ حافظ ابن ابوالبرکات نسبی عارک التوہیل میں تحت اس آیت کے فرماتے ہیں: "قد استدللہ السکر حیی و ابو یکر الرازی والمعتزلہ بقولہ خلق لکم علی ان الاشیاء الی یصلح ان یتفع بہا خلقت مباحۃ فی الاصل۔"
مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی: "کان اهل الجاهلیۃ یا کلون اشیاء و یتربکون اشیاء تقدرا فبعث اللہ نبیہ وانزل کتابہ و احل حلالہ و حرم حرامہ فما احل فهو حلال و ما حرم فهو حرام و ما حکمت عنہ فهو عفو (مشکوٰۃ المصابیح کتاب العید، باب ما یحل اکلہ و ما یحرم)۔"

شیخ محقق محدث دہلوی اغتہ المعتمدات میں فرماتے ہیں: "انہ ایں جا معلوم می شود کہ اصل در اشیاء اباحت است۔"
ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں تحت حدیث "الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ

فی کتابہ وما سکت عنه فهو مما عفی عنه رواہ الحاکم فی المستدرک عن سلمان الفارسی "فرماتے ہیں:"
 فیہ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ

اشیاء المباحات میں ہے: "وایں دلیل است برآن کہ اصل در اشیاء اباحت است۔"

مرقاۃ میں زیر حدیث "ان الله فرض فرائض ولا تضیعوها وحرم حرمات فلا تنہکوها وحد حلالہا فلا
 تعتدوها وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبخروا عنہا" ہے: "دل علی ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔"
 علامہ قاسم ابن قطلوبغا، شاگرد رشید محقق علی الاطلاق اپنے بعض تعالیق پھر علامہ حموی "نزع العیون والبصار شرح
 الاشیاء والنظار" میں تحت قول "الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" تحریر فرماتے ہیں: "ذکر العلامة قاسم ابن قطلوبغا
 فی بعض تعالیقہ ان المختار ان الاصل الاباحۃ عند جمهور اصحابنا۔"
 ہدایہ فصل حداد میں ہے: "الاباحۃ اصل۔"

علامہ زین ابن نجیم صاحب بحر الرائق نے اشیاء میں اسے نقل کر کے مقرر رکھا اور اس پر مسائل متفرع فرمائے۔
 حیث قال: "و یتخرج علیہا ما اشکل حلہ فمنہا حیوان المشکل امرہ والنبات المجہول مسیتہ۔"
 حموی میں ہے: "فولہ النبات المجہول الخ یعلم منہ حل شرب الدخان"

رد المحتار جلد ۱ ص ۱۰۹ میں ہے: "صرح فی التحریر ان المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمهور من
 الحنفیۃ والشافعیۃ او تبعہ تلمیذہ العلامة قاسم وجرئ علیہ فی الہدایۃ فی فصل الحداد وفي الخانیۃ من اوافل
 الحظیر والاباحۃ وقال فی شرح التحریر "هو قول معتزلۃ البصرۃ وکثیر من الشافعیۃ واکثر الحنفیۃ لا منہما
 العراقیین قالوا" والیہ اشار محمد فی من ہدد بالقتل علی اکل المیتۃ او شرب الخمر قلم فی فعل حتی قتل بقولہ
 حلفت ان یكون انما لان اکل المیتۃ وشرب الخمر لم یحرما الا بالنہی عنہما فجعل الاباحۃ اصلا والحرمة بعارض
 النہی ویقول ایضا انہ قول اکثر اصحابنا واصحاب الشافعی، الشیخ اکمل الدین فی شرح اصول البزدوی ا۔"

اس میں علامہ عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی سے ہے: "لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ
 باثبات الحرمة او الکراهۃ الذین لا بد لہما من دلیل بل فی الاباحۃ النہی ہی الاصل۔"

علمائے اہل سنت کی تصریحات کے تو دریا اندر سے ہیں، کہاں تک کوئی لکھے۔ اب ایک دو فتویٰ وہابیہ حال کے معتد
 النکل فی الککل مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے
 نزدیک بھی اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اگرچہ وہ وسعت علم و فحمت ذکا و فہم سے اپنی تحریر کو بھی نہ سمجھیں۔ اور اصل اشیاء میں
 اباحت ہونے کو پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی کہتے جائیں۔

چونچیسویں سوال "رتگین کپڑے پہننا، نیلا تہہ باندھنا، موٹی تسبیح رکھنا، بال سر کے بڑھانا اس خیال سے کہ اگلے
 پیشواؤں کا معمول ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت ہے یا نہیں؟" کے جواب میں ہے "ان بیانات میں کوئی معصیت نہیں۔"

بری نیت سے برا، بھلی نیت سے بھلا ہے۔ فقط۔“

یہ جواب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تو بے کھٹکے بول اٹھے کہ کوئی معصیت نہیں۔
مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی کی طرح (جیسے انہوں نے فاتحہ کے لئے کہا) یہ نہ کہا کہ ”فقہ کی کتاب میں ان چیزات کا کہیں نام و نشان نہیں۔ لہذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بے اصل ہے۔“ نہ ٹھٹھی صاحب کی طرح یہ کہا کہ ”بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے۔ تو جب تک اس کا جواز اولہ فقہیہ سے نہ ثابت ہو ممنوع و ناجائز رہے گا۔“ نہ مجتہد صاحب کی طرح یہ کہا کہ ”اصل اشیاء میں اباحت پرانا مغالطہ ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیں، یہ تمام اشیاء یا افراد یا جائز ہیں تو جو امور یا افراد یا جائز ہوں ان کو مجموعہ کر کے یہ ہیئت بنا لینا، دھوکے کی ٹٹی ہے۔“ نہ نکلے کی پانچ والی وہ ورقی کے مشترک کی طرح یہ لکھا کہ ”یہ فعل حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سے منقول نہیں (ص ۳۳)“ اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو، بدعت جانیں۔ (ص ۱۱) نہ یہ کہا کہ ”یہ ہیئت کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک ان بیانات کا منقول ہوتا یا اس کو کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ کریں گے، تب تک یہ بیانات بدعت سیئہ رہیں گے اور جو برائی بدعتیوں کی اوپر قریب ہی بیان ہوئی یعنی جس نے اس کی توفیر کی گویا اس نے بدعتی اسلام کے ڈھانے پر یا ایسے شخص اور جو اسے جگہ دے، اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی، سب کی اور قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے نفل اور نہ فرض وغیرہ ذلک من الاحکام، وہ سب اس ہیئت والے پر ثابت ہوگی“ ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

اسی طرح اسی کے ص ۳۷ سوال ”رنگ انگریزی پڑیا کا جو کس میں آتا ہے، رنگنا کپڑے کا اس سے درست ہے یا نہیں، اگر ناجائز ہے تو بوجہ رنگت کے یا کسی اور وجہ سے؟“ کے جواب میں لکھتے ہیں: ”رنگ انگریزی میں شراب پڑتی ہے۔ لہذا اس رنگ کا استعمال درست نہیں۔“ اسی طرح اس کے ص ۸۵ پر اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں ”پڑیا کا رنگ تو بسبب نجاست شراب کے، مرد و عورت دونوں کو درست نہیں۔“ دیکھئے حرمت بوجہ عارض شراب مانا، جو صاف بتا رہا ہے اصل میں اباحت ہے۔ ہاں اس عارض کی وجہ سے ناجائز ہوا۔ یہ نہ کہا کہ فقہ کی کتاب میں انگریزی پڑیا کے رنگ کا کہیں نام و نشان نہیں۔ لہذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالکل بے اصل ہے، نہ یہ کہا کہ ”بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے تو جب تک اس کا جواز اولہ فقہیہ سے نہ ثابت ہو، ممنوع و ناجائز رہے گا۔“ نہ یہ کہا کہ انگریزی پڑیا کا رنگ کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک اس کا منقول ہونا یا کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ ہو، تب تک یہ بدعت سیئہ رہے گا۔ وغیرہ ذلک من التقریرات التي لا طائل له تحتها۔

اسی طرح ص..... پر سوال ”کاج کی چوڑیاں جو عورتیں پہنتی ہیں، جائز ہیں یا نہیں؟ کے جواب میں لکھا ”درست ہیں۔“ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ الدِّينِ دیکھئے حکم درستی دے کر، آیت شریفہ لکھ کر یہ پوچھا کہ اسے حرام کس نے کیا؟ یعنی جب حرام کسی نے نہیں کہا، تو اصل اباحت پر درست ہے، وہ تقریریں جاری نہ کریں۔

اسی طرح ص ۴۹ پر سوال، نمازی کے روبرو جوتیوں کا موجود رہنا کہ جو مستعمل ہوں، موجب کراہت ہے یا نہیں؟ کے جواب میں لکھا ”مصلیٰ کے آگے اگر جوتا مستعمل رکھا ہے، اس کی کوئی کراہت منقول نہیں۔ لہذا کچھ حرج نہیں۔“ کراہت کا نہیں منقول ہونا ہی اباحت کو پس ہے۔ اس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔ وہ نفس تقریر جاری نہ کہ ”مصلیٰ کے آگے جوتا مستعمل کا رکھنا، حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور احمد وین سے منقول نہیں۔ اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو بدعت جائیں۔ لہذا مصلیٰ کے آگے جوتا مستعمل کا رکھنا، بدعت و لعنت ہے۔ وغیرہ لک من الاحکام۔“

پس تقریر بالا سے جب ثابت ہو چکا کہ جمہور حنفیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اسے ”پرانا مغالطہ“ اور ”دھوکے کی ٹٹی“ کہنا صریح مغالطہ ہے۔ تو جب تک مخالفین فاتحہ بیعت کذائی کی حرمت یا کراہت، ادلہ شرعیہ سے ثابت نہ کریں گے، اپنی اصل پر رہے گا۔ حرام یا بدعت یا مکروہ وغیرہ ثابت ہوگا۔

رہائشی روداد اور ”صاحب فاتحہ مروجہ کا فیصلہ“ کا عبارت درمختار سے دھوکا کھانا اور اصل اشیاء میں توقف بتانا، اباحت کو رائے معتزلہ کہنا، اصل اشیاء میں اباحت کے قائل کو معتزلیت کا مقرر بنانا، محض ”پاؤر ہوا“ اور ”رودر قفا“ اور بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ جس کا کشف بعونہ عزوجل فقیر نے اپنے رسالہ ”مواہب ارواح القدس“ میں بروجہ تام نہ مالا کلام کر دیا ہے فلسططالع۔ صاحب ”دافع التلبسات“ نے اسی مضمون کے متعلق زیر قول دوم و سوم، صادق مجیب تحریر محمد عبد الرحیم نو لکھا: ”ناقل کی اعلیٰ درجہ کی حماقت و جہالت ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ خدا عبارت کا ترجمہ بھی نہ سمجھا، حق تحریف خوب ادا کیا وغیرہ لک“۔

راقم الحروف ان پاکیزہ الفاظ کے جواب میں صرف ”المعرء یقیس علی نفسه“ کی شہرت پر استفا کر کے اس بات کا جواب دینا مناسب جانتا ہے کہ فرماتے ہیں: ”الاصول فی الاشیاء الاباحۃ“ حنفیہ کا متفق علیہ قاعدہ نہیں الخ۔ غلط عالم! عبارت سمجھنے والے! تحریر میں یہ رقم ہے کہ جمہور حنفیہ کا مختار، یہ ہے۔ اس میں کیا حماقت و جہالت ہوئی؟ عبارت تحریر ابن ہمام والی یہ ہے ”المختار الاباحۃ عند جمہور الحنفیۃ و الشافعیۃ“ اس عبارت کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو مجیب یہ سمجھا سکے۔ انصاف سے کہئے! یہ تینوں گرامی اوصاف آپ کے ہوئے یا مجیب کے؟ رع چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

فاتحہ کے جواز میں دلیل کو پیش کرنا، بے موقع کیوں؟ کیا جو چیز یا اس کے تمام اجزاء قرآن و حدیث سے ثابت ہوں وہاں اس قاعدہ کو پیش کرنا بے موقع لکھ دیا ہے یا صرف رائے شریف ہے؟ جسے تصنیفات علماء تک و سترس، وہ اس کی صمد بنظیریں کتب ائمہ میں پائے گا۔ ایک نظیر حاضر ہے۔

زینت کے بارے میں کھلے الفاظ قرآن شریف کے ”قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ“ (الاعراف: ۳۲) ”تم فرماؤ! کس نے حرام کی اللہ کی زینت“ (کنز الایمان) موجود تھے۔ پھر امام برہان مرغینانی نے ام ولد اور منکوحہ بیکاح

فاسد پر عدم اہدای کی دلیل میں فرمایا: ”لانہا ما فاتہا نعمة النکاح لتظهر التعسف والاباحۃ اصل“ (الہدایہ ۲/۴۰۸)۔ قرآن شریف سے ثابت ہونے کے بعد پھر الاباحۃ اصل پیش کرنا بے موقع ہے یا نہیں؟ اعظم گڑھی صاحب کا کہنا ”تیسرا قول مسلم الثبوت اور اس کی شروح سے نقل کیا ہے باوجودیکہ حق تحریف خوب ادا کیا ہے“، منصف مزاج خیال کر سکتا ہے کہ اس پر اپنے موقع محل پر ہے۔ اس نقل میں کیا تحریف ہوئی؟ کیا کوئی فقرہ درمیان سے اپنے مخالف گھٹا دیا یا کچھ الفاظ زائد کر دیے، کیا کیا؟ شاید اپنے خیال میں پورے مسئلہ سے دوسرے مسئلہ تک عبارت نہ لکھنے کو تحریف خیال کر رہے ہیں۔

جناب من! ایسا کہیں نہیں ہوتا کہ استدلال ایک جملہ سے ہو اور دلیل، صنفی دو صنفی یا کمائش کی عبارت نقل کر دی جائے۔ ہاں نقل میں کچھ الفاظ انہوں نے ضرور چھوڑ دیئے مگر وہ اہل سنت کو مضرت نہ واپسہ کو مفید۔ اب میں آپ کے لئے پوری عبارت نقل کر کے پوچھتا ہوں کہ اس عبارت سے آپ نے کیا فائدہ اٹھایا اور عجیب کو کیا ضرر ہوا؟

فاضل بہاری فرماتے ہیں ”واما الخلاف المنقول بین اهل الحق ان اصل الافعال الاباحۃ کما هو مختار اکثر الحنفیۃ والشافعیۃ او الحظر کما ذهب الیہ غیرہم وقال صدر الاسلام الاباحۃ فی الاحوال والحظر فی الانفس فقیل هذا الخلاف وقع بعد الشرح بالادلة السمعیۃ ای دلت علی ان ما لم یکن فیہ دلیل التحريم ماذون فیہ او ممنوع عنه وفیہ ما فیہ“

بلکہ خدا نصاب دے تو آپ کو عجیب کا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا کہ اس نے پوری عبارت نقل نہ کرنے سے آپ کی دو بھارت فاحشہ پر پردہ ڈالا۔ عبارت منقول کے قبل یہ الفاظ ہیں ”واما الخلاف المنقول بین اهل الحق“۔ دیکھئے کیسا رد ہے آپ کے فتویٰ صاحب کا کہ تھوٹا منہ بڑی بات۔ اہل حق کے درمیان جو خلاف ہے، جس کے دونوں فریق اہل حق۔ یا صاف لفظوں میں مسلم الثبوت کا دوسرا نسخہ دیکھئے ”بین اهل السنة“ تو جس کے قائل اہل سنت اور نہ صرف اہل سنت بلکہ علماء و اکابر اہل سنت کہ عوام کیا اور ان کی بات کیا؟ تو ضرور یہ خلاف اکابر علماء اہل سنت میں ہے۔ مشہر صاحب اپنی کمال عقل مندی و وسعت علم سے جسے پرانا مغالطہ اور ”دھوکے کی ٹٹی“ فرما رہے ہیں۔ سچ ہے اذالہم تستحی فاصنع ما شئت۔ بے حیاباش و ہرچہ خوانی کن

اسی طرح اخیر کی عبارت بھی آپ کا کھلا رد ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر مان بھی لیا جائے کہ اکثر حنفیہ و شافعیہ کا مذہب اصل اشیاء میں تحریم کا ہے تو واپسہ کو کیا مفید ہے؟ کہ صحیح مذہب پر یہ خلاف تو زمانہ فترت کا ہے۔ دیکھئے فاضل بہاری نے ”تاکمین بعد الشرع“ کے قول کو ”نیل“ کے ساتھ تعبیر فرمایا، جو مشہور ہے کہ ضعف کی طرف جاتا ہے۔ پھر اسی پر بس نہ فرمایا بلکہ صاف فرمایا ”وفیہ ما فیہ“۔

حضرت بحر العلوم شرح میں فرماتے ہیں: ”اذ يظهر من تتبع كان الخلاف قبل ورود الشرع ومن ثم لم يجعلوا رفع الاباحۃ الاصلیۃ نسخا لعدم خطاب الشرع فتدبر“

حضرت بحر العلوم نے اس کی طرف اشارہ فرما کر اس مضمون کی ایک تمہید کے بعد بہت واضح طور پر تصریح فرمائی: ”

فَاَذِنَ لَيْسَ الْخِلَافُ الْاِثْنِ زَمَنِ الْفَتْرَةِ الَّتِي اَنْتَرَسَتْ فِيْهِ الشَّرِيعَةُ بِتَقْصِيْرٍ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ کہ اذ کیا تو ”قید مافیہ“ ہی سے سمجھ لیں گے۔ مگر متوسّطین اگر اس سے نہ سمجھ سکے تو ”منہیہ“ سے ضرور حق جان لیں گے۔ مگر آپ جیسے عالی و مانع و روشن خیال حضرات سے ضرور خیال تھا کہ ”قید مافیہ“ کا مطلب بجز ”اس میں وہ ہے جو اس میں ہے“ کچھ نہ سمجھیں گے اور اگر حاشیہ کا مطلب کچھ سمجھ بھی لیں تو ضرور ”قدیر“ دیکھ کر اسے اپنے پس پشت ڈال دیں گے۔ لہذا صاف فرمایا ”فَاَذِنَ الْخ“

اب ذرا انصاف سے کہئے کہ محبت نے تحریف کی یا اس نے آپ پر احسان کیا اور آپ نے احسان فراموشی فرمائی۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

جناب من! تحریف اسے کہتے ہیں جو قدیم زمانہ سے منکرانِ فاتحہ کرتے چلے آئے۔ ”مشتہ نمونہ از خردارے“ بعض کبراء طائفہ کی بعض تحریفات دیکھئے اور برعایت فرمائیے کہ دراصل تحریف اسے کہتے ہیں۔ میرا محض افتراء تھا جو عجیب کو لکھا ”حق تحریف خوب ادا کیا“۔ سب وہابیہ کے پیشوا اور مولیٰ متبئی سلاسلِ وہابیہ، مولوی اسماعیل دہلوی کی ”تقویت الایمان“ ملاحظہ ہو۔ آیہ کریمہ ”وَيَذْكُرُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ“ (البقرة: ۱۸) ”اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو ان کا کچھ بھلا نہ کرے“ (کنز الایمان) لکھ کر ترجمہ کیا ”اور پوجتے ہیں وہ اللہ سے ایسی چیز کو کہ نہ کچھ فائدہ دے، نہ کچھ نقصان۔“ آفت کی ف لکھ کر یہ فائدہ چڑھایا ”یعنی جن کو لوگ پکارتے ہیں، ان کو اللہ نے کچھ قدرت نہیں دی۔“ کہئے! وہ آیت کہ کفار کے حق میں نازل ہوئی، براہِ دیانت مسلمانوں پر ڈھالنا، یسجدون من دون اللہ کا مطلب ”جن کو لوگ پکارتے ہیں“ لینا تحریف ہے کہ نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔

آیہ کریمہ ”اِنْ تَكُلُّ مِنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اَنْتَ الرَّحْمٰنُ عَبْدُ الْاَلٰه“ (مریم: ۹۳) ”آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں، سب اس کے حضور بندے ہو کر حاضر ہوں گے“ (کنز الایمان) لکھ کر مطلب یہ لکھا ”کسی کو کسی کے قابو میں نہیں دیتا“ یہ کس لفظ کا مطلب ہے؟ اور اگر یہ سالبہ کلیہ صحیح ہو تو ”وَلَا يَكْفُرُ اللَّهُ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ“ (الحشر: ۶) کا کیا مطلب ہے؟ اس سے بڑھ کر کھلی تحریف دیکھئے۔ ”وَتَكْلُمُهُمْ اَيُّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ قَرْدًا“ (مریم: ۹۵) کا مطلب لکھا ”اور ہر کوئی اپنے معاملہ میں اس کے روبرو اکیلا اکیلا حاضر ہونے والا ہے“۔ اور اگلی آیت ”اِنَّ السَّيِّئِينَ افْعُلُوا وَاعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا“ (مریم: ۹۶) ”بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھا کام کئے عنقریب ان کے لیے رخصت محبت کر دے گا“ (کنز الایمان) آیہ کریمہ ”وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ“ (الانبیاء: ۲۵) ”اور ہم نے تم سے پہلے کوئی کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے“۔ (کنز الایمان) لکھ کر فائدہ لکھا ”یعنی جتنے پیغمبر اللہ کے ہیں، اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو ماننے اور اس کے سوا کسی کو نہ ماننے“۔ کہئے! فاعبدون کا معنی ”اللہ کو مانجئے اور کسی کو نہ مانجئے“ اس کا کلام مطلب کہ رسول، کتاب، ملائکہ، جن، دوزخ، جنت وغیرہ ضروریات کسی چیز کا ماننا رد نہیں، بلکہ نہ ماننے کا حکم، اور وہ بھی ایسا مستمر کہ سب شریعتوں میں اس کا حکم آیا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔ کہئے صاحب یہ تحریف ہے یا نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔

غرض یہ سوختی کتاب تمام اسی قسم کی تحریف سے بھری پڑی ہے۔ جہاں آیت یا حدیث لکھ کر فائدہ چڑھایا، کوئی نہ کوئی آفت ڈھائی۔

اب دوسرے امام مولانا شاہ محمد الحق صاحب کو دیکھئے ان کی بھی ”ماہ مسائل“ و ”مسائل اربعین“ اسی قسم کی تحریفات سے پُر ہے۔ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو آپ کے مولوی امداد مصنف رسالہ ”المداد المسلمین“ نے کی کہ صلوٰۃ الرغائب و نماز نصف شعبان کے بارے میں کہا: ”اگرچہ بعض فقہاء نے جیسے صاحب درمختار وغیرہ، حدیث پر اعتماد کر کے جواز لکھ دیا ہے۔ لیکن ائمہ محققین واجلہ فقہاء کرام مثلاً امام ابو شامہ اور امام یافعی اور ابن حجر کی اور صاحب فتح الباری اور ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق دہلوی، غرض سب محدثین و فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور یہ نماز مذموم بلکہ اس پر بہت کچھ تشنیع کی ہے اہل ملتقطاً۔“ حالانکہ امام یافعی نے باب نقل قول ذم، اپنی تحقیق فرمائی کہ تباہ پڑھے اور سنت نہ جائے تو حرج نہیں۔

”حيث قال نعم لو صلاهما انسان وحده مع اعتقاده انهما ليس بسنة، لم ارى بذلك بأساً“ اہ محضراً۔
ملا علی قاری شرح عین العلم میں تحریر فرماتے ہیں: ”ويحافظ الرواية وسائر الحسنين وكل ما ورد في فضيلته كصلاة الرغائب وليلة النصف من شعبان وكاتبوا يواظبون عليها۔“

اسی طرح ملک مظفر سلطان اربل کہ مولد شریف میں غایت درجہ اہتمام، بحالات، ڈپٹی صاحب نے اس جرم پر خفا ہو کر تاریخ ابن خلکان سے اس کا فسق ثابت کرنے کو چند فقرے نقل کئے اور ان کی نقل میں حسب واپ طائفہ دو تین حرف جو مذمت پر دال تھے، نقل کئے۔ باقی تعریفوں کے عظیم دفتر ہمسم۔ دیکھئے جہاں پر مذمت نقل کی، اسی جگہ اسی بیان میں یہ عبارت اُٹرائی گئی ”كان له في فعل الخير غرائب ولم يسمع ان احدا فعل في ذلك ما فعله“ کیا یہ الفاظ نہ تھے؟
انہ کان لا يتعاطى المنكر“ کیا یہ الفاظ نہ تھے؟ ”كان كريم الاخلاق كثير التواضع حسن العقيدة“ کیا یہ الفاظ نہ تھے؟ ”لو استقصيت في تعداد محاسنه لطال الكتاب في شهرة معروفة غنية عن الاطالة۔“

مصباح الضمیٰ میں لکھا کہ ”معانقہ غیر قدوم سفر کا باجماع حنفیہ و شافعیہ کے مکروہ ہے۔“ حالانکہ ان کے اقراری امام، محقق و فقیہ و محدث جلیل شیخ محقق قدس سرہ شرح سفر السعاده میں فرماتے ہیں: ”فقہاء را در جواز معانقہ ذکر است آں اختلافی و تفصیلی ست و حجج جواز اوست اگرچہ در غیر قدوم سفر نیز باشد۔“ نہ معلوم ڈپٹی صاحب کے نزدیک اجماع کس چیز کا نام ہے؟ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں مصنف کچھ فرمائے، آپ کچھ اس کے سر تھوپ رہے ہیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ صرف اپنے مطلب کے دو لفظ لے لئے، باقی سے آنکھیں میچ لیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ دعویٰ بے دلیل کرویا، جو منہ میں آیا کہہ بیٹھے۔ دیکھئے اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو مولوی بشیر قوجی نے کی۔ ”تفہیم المسائل“ ص ۷۲ پر انکار استمداد کے لئے ”مطالب المؤمنین“ سے نقل کیا ”یکرہ الانتفاع بالقبر“ اور اس کا مطلب یہ لکھا کہ ”قبور سے مدد مانگنا جائز نہیں۔“ حالانکہ اصل عبارت اس کی یہ ہے: ”یکرہ التمتع بالمقبرة وان لم يبق آثاره“ قبرستان سے فائدہ لینا مکروہ ہے اگرچہ اس کے آثار باقی نہ رہیں۔

آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔ اسی لئے ”اگرچہ“ کہہ کر ترقی کرتے ہیں کہ قبر کا نشان نہ رہنے کے بعد جواز انتفاع کا گمان ہو، لہذا تصریح کر دی کہ گو اثر نہ رہے تاہم انتفاع روا نہیں۔ فتوحی صاحب! وہ لفظ جو بالکل ان کے خلاف مطلب بلکہ صریحاً رو تھا، اڑا گئے اور براہِ دانشمندی مقبرہ کو قبر بتایا؟ کہتے یہ تحریف ہوئی یا نہیں؟ کہو ہوئی!

جناب فتوحی نے اسی کے ص ۱۸، ۱۹ پر مسئلہ بناء علی القبر میں عبارت تنویر الابصار ”ولا یحصص ولا یعطین ولا یرفع علیہ بناء وقیل لا یاس بہ“ کی نسبت دعویٰ کیا کہ لا یاس یہ کی ضمیر تطہین کی طرف ہے نہ بناء کی۔ اور براہِ تعلیط عوام، طوابع الانوار کا حوالہ دے دیا حالانکہ طوابع میں خود مرجع دونوں بیان کیا ہے۔ عبارت اس کی یہ ہے ”قیل لا یاس بہ ای بالسطین والبناء“ کہتے یہ تحریف ہوئی یا نہیں کہ باوجودیکہ طوابع میں صاف خلاف مذکور تھا، اس کو ہضم کر کے اور الٹا الزام طوابع کے سر دھر؟

اسی کے ص ۵۲ پر مسئلہ الرحال کے مسئلہ میں طوابع کی صرف اتنی عبارت نقل کی کہ امام الحرمین اپنے استاد سے منع نقل کرتے ہیں کہ کبھی مکروہ کہتے، کبھی حرام اور امام سب کو ممنوع یا قریب بہ بحث کہتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں قولوں کے بیچ کا یہ ٹکڑا ”وقال الشیخ ابو علی لا یحرم ولا یکرہ“ اور اخیر سے اس کی ترمیم ”بقولہ فیترجیح ما قالہ ابو علی“ کہتے جناب اعظم گروہی صاحب تحریف اسے کہتے ہیں۔

یہ سب جانے دو۔ معتد الکل فی الکل، اپنے آقا و مولیٰ و بیکل شیء اولیٰ، گنگوہی صاحب، برائین قاطعہ طبع جدید ص ۵۹ پر جب علم غیب کی نفی پر اترتے، تو لکھتے ہیں: ”اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں“۔ وہ تو یہ سفید ”سچ“ لکھ کر چلتے بنے۔ اب آپ ہی لوگ مہربانی فرما کر دکھائیے کہ شیخ محقق نے کہاں روایت فرمایا ہے؟ شیخ محقق نے تو مدارج شریف میں صاف تحریر فرمایا:

”اِس جاکمالی آرند کہ در بعض روایات آمده است کہ گفت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من بندہ ایم، نمی دانیم آنچه پس اِس دیوار است۔ جوابش آنست اِس سخن اصلے ندارد و روایت ہذا صحیح نہ شدہ است۔“

دیکھئے حکایت کا روایت بنایا اور صاحب کتاب نے ایک قول مردود نقل کر کے اس کا رد کیا کہ ”اِس سخن اصلے ندارد و روایت ہذا صحیح نہ شدہ“ گنگوہی صاحب نے ابتدا سے الفاظ نسبت، آخر سے عبارت رد اڑا دی۔ اور بیچ کا جملہ پکڑ کر صاحب کفایت کی طرح نسبت کر دی۔ انصاف سے کہتے! اس کا نام تحریف ہے یا اُس کا جو مجیب نے کیا؟

بیانات سابقہ ابنین من الشمس واطھر من الامس سے ثابت ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ تو جب تک مانعین، فاتحہ مروجہ کی حرمت یا کراہت کا ثبوت نہ دیں گے، حرمت یا کراہت کا حکم محض غلط اور خطا بے ربط ہے۔

سید دوم جسے..... صاحب نے پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی فرمایا، وہ یہ کہ فاتحہ مجموعہ امور خیر کا ہے اور مجموعہ خیر کا خیر ہی رہتا ہے۔ اجلہ اکابر علماء اسی دھوکے کی ٹٹی اور پرانے مغالطہ سے صد ہا مسائل پر دلیل لائے۔

موافق الکلام میں ہے: "وان حصول کل حرف مشروط بانقضاء الآخر فیکون له اول فلا یکون قدیما فکذا المجموع المركب منها۔"

شرح عقائد کئی میں حدوث جوہر و اعراض سے حدوث عالم پر استدلال کیا کہ جب اجزا حادث ہیں، مجموعہ یا الضرور حادث ہوگا۔ (ناقص الآخر)

☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ از موضع بیہودی ضلع بریلی مرسلہ طالب حسین خان ۵ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ بنانا اور تعزیہ پر مہندی اور علیحدہ اور کھچڑی وغیرہ چڑھانا یعنی تعزیہ کے سامنے رکھ کر فاتحہ دینا اور علم یعنی نشان چڑھانا کیسا ہے اور مرثیہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینو او تو جردا۔

الجاب

تعزیہ داری رائج الوقت قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔ ہاں روضہ اقدس حضور سید الشہداء کے صحیح نقشہ بقصد تبرک، بے آمیزش منہیات، جس طرح حریمِ محترمین سے کعبہ معظمہ و روضہ عالیہ کے نقشے آتے ہیں، اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ فاتحہ امام ہمام و دیگر شہداء کرام و اولیائے عظام و سائر اہل اسلام کھچڑی، ملیدہ پر ہوا کسی اور کھانے پینے وغیرہ پر یا تھا فاتحہ ہر طرح جائز و مندوب و موجب اجر ہے۔ مگر وہ فاتحہ تعزیہ کی نہ ہو کہ تعزیہ کو ثواب پہنچانے کے کوئی معنی نہیں۔ نہ تعزیہ رکھ کر ہو کہ یہ محض فضول بلکہ قرآن شریف کے ساتھ اسانت ادب ہے۔ خصوصاً جب کہ تعزیہ میں پری یا براق وغیرہ کی تصویریں ہوں کہ اس میں قرآن شریف کی زیادہ بے حرمتی اور نزولِ رحمت سے بالکل اجنبی اور ذکرِ شہادت شریف نظم میں ہو یا نثر میں، جب کہ روایات صحیحہ مقبولہ سے ہو اور منکرات شرعیہ مثل کلمات توہینِ انبیاء و مرسلین و ملائکہ معقرین و اہلبیت طاہرین و صحابہ مکرمین وغیرہ مخرمات سے بالکل خالی ہو، بلاشبہ جائز و مستحسن و موجب ثواب و نزولِ رحمت و باب ہے اور اگر شہادت مذکورہ پر مشتمل ہو تو حرام و گناہ ہے۔ نص علیہ الامام ابن حجر العسکری فی الصواعق المحرقة۔

اس لئے یہ مرعیے کہ رائج ہیں، مطلقاً حرام ہیں۔ اور ان کا پڑھنا سننا اور سیدہ کوئی و ماتم و نوحہ سب حرام ہیں۔ حدیث میں ہے: "نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المراثی۔" "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مرثیاں سے۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس امر میں کہ مذہب اہل سنت میں تعزیہ بنانا اور مجلس مرثیہ خوانی و کتاب خوانی کرنا کیسا ہے؟ اور شربت سمیل و طعام نذر حسین معین کردہ کا، جیسے بعض مسلمان ایامِ محرم میں کیا کرتے ہیں اور تعزیہ چڑھایا ہوا کھانا، پینا کیسا؟ اور اگر کوئی مسلمان سنی مذہب ہو کر تعزیہ و علم شدہ بناوے یا اس کی زیارت کے

واسطے جاوے یا اس پر مٹھائی وغیرہ چڑھاوے یا جو لوگ کھانا و شربت وغیرہ پیش تشریف رکھتے ہیں، یہ ان پر فاتحہ دے دے یا دلاوے اور جو کچھ اس پر چڑھایا گیا ہے، پے، اور ایام محرم مجالس تعزیہ داری میں مثل شیعہ مرثیہ خوانی و کتاب خوانی میں سرگرم رہے اور شیعہ کی مجالس میں شریک رہے اور بعد مجالس کے تبرک لے کر نوش کرے اور اپنی مجلس میں شیعہوں سے مرثیہ پڑھوائے، اس پر خوشی اور موقع غم میں ہر اوقات روانفس کی طرح عزاداری، ہنر، منت، مجلس، مرثیہ خوانی معین کیا کرے اور جب مجلس ترتیب دے، روٹلانے پٹانے کی غرض سے مرد اور عورتیں فراہم کرے اور ارتکاب ان تمام امور کو ذخیرہ نیکوئی اور ثواب عظیم تصور کرے۔ اور دعویٰ کہ ہم یقینی محبت امام و اہل بیت رسول علیہ السلام ہیں اور کسی بزرگ کے نام زد کر کے کسی مسلمان نے چھتری و جھنڈا و نشان وغیرہ نصب کی ہو یا گور مصنوعہ قائم کیا ہو اور ان پر لوگ روپیہ پیسہ اور اور شیرینی و مٹھائی اور چادر وغیرہ چڑھاوے یا ان پر مرغی و بکرا وغیرہ ذبح کرے اور یہ شخص اس کھانے اور لباس کو کھائے پے اور نظریات وغیرہ کھم کو پاک اور طیب سمجھ کر صرف میں لائے اور اس کو اپنی ملک و جاگیر آبادی بتلائے اور وہی شخص لوگوں کو نماز پڑھاوے، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے میں کیا حکم ہے؟ اور وہ جو روپوش وغیرہ کیسا ہے؟ اور اگر تعزیہ داری کی خدمت یا صلہ یا جھنڈا و نشان نصب کردہ وغیرہ پر کسی نے زمین و مکان وغیرہ دیا ہو، اس زر آمدنی و اشیائے مسطورہ سے نفع اٹھانا کیسا؟ فقط بیٹو اتو جروا۔

دوسرا سوال: ایک شخص قوم کا فقیر، تو اتنا تندرست، صاحب نصاب ہے۔ کسی اور طرح پر بھی معاش حاصل کر سکتا ہے مگر عادیۃً مدام لوگوں کے گھر جا کر در بدر روٹی وغیرہ مانگتا پھرتا ہے۔ اور وقت نماز وہی شخص مسجد میں پیش امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھایا کرتا ہے۔ اس ذلت گدگری کو معیوب نہیں سمجھتا ہے بلکہ کہتا ہے، یہ ہمارا پیشہ آبائی، ریاضت و درویشی میں شمار ہے۔ ایسے فقیر کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور اہل نصاب کو سوال کرنا از روئے شرع شریف کیا حکم رکھتا ہے؟ و نیز کسی ایسے بٹے کئے آدمی کو کہ زر و مال قابل نصاب نہیں رکھتا مگر اپنی معاش کسی پیشہ اور محنت و مزدوری وغیرہ سے بہم پہنچا سکتا ہے، ترک کر کے صرف ذلت و ریوزہ گری میں قوت و پوشش وغیرہ رکھنا اس پر کیا امر قرار پائیگا؟ فقط

تیسرا سوال: بعد ختم و عطل، سامعین کا عالم و اعظم سے مصافحہ کرنا درست یا مسنون ہے یا بدعت یا ممنوع؟ فقط

چوتھا سوال: قریب و بعید اگر قریب و شہر میں مرض و بانی حیض و طاعون کا غلبہ ہو، اس مقام پر اور لوگوں کا آمد و رفت رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ اور مرض مذکورہ، کسی وجہ سے ایک کا دوسرے کو لگتا، آیا صحیح ہے جیسا کہ عوام میں شہرت رکھتا ہے یا محض غلط؟ اور جس مقام پر یہ مرض لاحق ہو وہاں سے ساکنین کا بخوف موت اور بنیت دفعیہ مرض اور جگہ چلا جانا کیسا؟ اور دوسری جگہ پہنچ کر مسلمان کا مرنا کیسا سمجھا جائیگا؟ بیان کرو جزائے نیک یا وگے۔

ال جواب

تعزیہ مرویہ زمانہ کہ مجموعہ صد باخراقات و ہزاہا و اہیات ہے، قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔ ذکر شہادت، سراپا سعادت جب کہ روایت صحیح مقبولہ سے ہو اور منکرات شرعیہ مثل کلمات توہین انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقررین و اہل بیت

ظاہرین و صحابہ معظمین و مشائخ مکرّمین و توحید و مرثیہ ممنوعہ و تکلف و تصنع غم پروری و سینہ کوئی و گریبان درمی و غیرہا محرمات سے خالی ہوں، بلاشبہ جائز و مستحسن و موجب نزول رحمت ذی المنن ہے۔ اور اگر شناعیات پر مشتمل ہو تو حرام و گناہ۔ کما نص علیہ العلماء فی کتبہم۔ یوں ہی فاتحہ امام علیؑ جدہ الکریم و علیہ السلام و دیگر بزرگان دین و اولیاء کرام و سائر اہل اسلام شیرینی، مالیدہ، شربت پر ہوا کسی اور کھانے اور کپڑے وغیرہ پر، تنہا فاتحہ ہر طرح جائز و مندوب و موجب اجر ہے۔ تعزیہ کا چڑھایا کھانا سے اگر یہ مراد کہ اس فاتحہ کا ثواب تعزیہ کو پہنچایا گیا ہو، تو اس میں قرآن شریف کی بے ادبی خصوصاً اس حالت میں کہ تعزیہ میں یراق یا اور کسی کی شکل بنی ہو، سخت اسائت ادب ہے مگر تب بھی اس کے کھانے پینے میں حرج نہیں۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ، اس کو امام بنانا گناہ ہے۔ کہ ایسے شخص کے فتنے میں شگ کہ تعزیہ و علم شدہ بنانا، اس کی زیارت کو جانا، اس پر مٹھائی وغیرہ چڑھانا، ایام محرم میں مثل ردائش مرثیہ خوانی کرنا، بلکہ اس میں سرگرم رہنا شیعوں سے میل جول، سلام و کلام، ان سے مواکلت، مشاربت کرنا، ان کی ناپاک مجلس میں شریک ہونا، کہ تمرا سے خیالی نہیں ہوتی، ان کے یہاں کھانا کھانا، ان سے تبرک جانا، اپنی مجالس میں ان خبیثاء سے مرثیہ پڑھوانا، مجلس میں رونے پینے کی غرض سے مرد عورتیں فراہم کرنا، اور معاذ اللہ ان سب باتوں کو ذخیرہ نیکی اور ثواب جانا، اور کسی بزرگ کے نام سے کسی مسلمان کا چھتری، نشان، جھنڈا قائم کرنا، یا معاذ اللہ گور مہنوعہ قائم کرنا، کس قدر سخت و حرام ہے۔ حدیث میں ہے: ”من زار قبراً بلا مقبور فیہو ملعون“ جو جھوٹی مصنوعی قبر کی زیارت کو جائے، وہ ملعون ہے۔ اس مصنوعی قبر پر جو کچھ روپیہ، پیسہ، شرفی، مٹھائی، چادر وغیرہ چڑھائی گئیں ہوں، ان کا حکم لفظ ہے۔ یعنی ملک مالک سے وہ زائل نہیں ہوتی۔ بے اجازت صراحت یا دلالت لینے والا اس کا مالک نہیں ہوتا۔ صراحت کا یہ معنی ہے کہ مالک وقت چڑھانے کے یہ کہہ دے کہ جو اسے لے لے وہی مالک ہے۔ تو اگر لینے والے کو مالک کے اس قول پر اطلاع ہو اور وہ اسی بنا پر لے تو مالک ہو جائے گا۔

رد المحتار کتاب الملقطہ میں شرح سیر کبیر سے ہے: ”القی شیا و قال من اخذہ فہو لہ فلعن سمعہ او بلغا

ذالک القول ان یاخذہ والا لم یملکہ۔“

اور دلالت حال کی یہ صورت ہے کہ عرف و عادت واضح طور پر حکم کرے کہ یہ چھوڑنا، پھینکنا، چڑھانا، اسی غرض سے ہے کہ جو پہلے اس کا مالک ہو جائے جیسے لوگ شادی میں دولہا کے گھوڑے یا دلہن کی پاکی پر سے روپے نچھاور کرتے ہیں یا آرائش کی مٹھائیاں لٹواتے ہیں یا بعد نکاح شکر چھوہارے لٹاتے ہیں یا جیسے عورتیں مسجد کی طاق میں گھٹکے وغیرہ رکھ جاتی ہیں یا جیسے لوگ کھیت کاٹ کر کچھ بالیاں لگی ہوئی چھوڑ جاتے ہیں کہ غریب لوگ انہیں جن لیتے ہیں جیسے دیہات میں سیلابینا کہتے ہیں ان میں سیروں اناج نکلتا ہے یا جیسے پالیز والے شتم پر کچھ خربوزے چھوڑ جاتے ہیں اور لیجانے والے کو مانع نہیں آتے۔ تو ان سب چیزوں کا بوجہ عرف و عادت لینا جائز اور لینے والا اس کا مالک ہے۔ و فیہ عنہ و بقرہ

ان مجرد الالتقاء من غیر کلام یفید هذا الحکم کمن نشر السكر و الدراہم فی العمر من وغیرہ

خزانۃ المفتیین میں ہے: ”کذا من دخل ارض رجل للاحتماس او لالتقاط السبلة ان ترکها صاحبها فصار ترکہ کالاحیة“۔

عالمگیری میں تاتارخانیہ سے ہے: ”مبطلحة یقیت فیہا بطاطیخ فانتہبہا الناس قال الفقہ ابو بکر اذا ترکها اہلہا لیاخذ من شاء من ذلک فلا بأس“۔

اور اگر یہ مقصود نہیں ہوتا کہ جو چاہے لے لے بلکہ ان چیزوں کا اس قبر پر رکھنا رہنا منظور ہو تو اس کا لینا اس سے نفع اٹھانا سب ناجائز ہے۔ اس کا حکم ہندوؤں کے سائڈ اور ان روپوں کا ہے جو وقت غسل و بار سے ننگ وغیرہ میں ڈالتے ہیں لینے والا اس کا مالک نہیں ہوتا۔

عالمگیری میں ہے: ”لو سب وانه قال لاحاجة لى الیہا ولم یقل لى لمن اعدھا فاحدھا انسان لا یكون له“ وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اس کا لوٹنا نا واجب ہے۔ لان الفاسق من فعل کبیرة او اصر علی صغیرة۔

صغیری میں ہے: ”یکره تقدیم الفاسق کراهة تحریم وعند مالک لا یجوز تقدیمہ ہو رواية عن احمد وکذا المیتلخ“۔

ثبتہ میں ہے: ”لو قدموا فاسقا یا ثمونا“۔

ابو السعوی حاشیہ کنز جلد اول میں ہے: ”علل الزیلعی الکراهة فی الفاسق بان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علینا اہانتہ شرعاً فمقاده کون الکراهة تحریمیة“۔

در مختار میں ہے: ”کل صلاة ادیت مع کراهتہ تجب اعادتها“۔

وہ وقف باطل ہے کہ وقف امور خیر کے لئے ہوتا ہے اور یہ قررت نہیں۔ وہ زمین و مکان ملک مالک پر باقی ہے۔ اگر اس کی اجازت سے افتقار ہے تو جائز ہے ورنہ حرام۔

تنویر البصار میں ہے: ”وشرطہ ان یكون قریة فی ذاقہ“۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ حل محدہ اتم و احکم

(۲) ایسا شخص بھی فاسق ہے۔ اس کے پیچھے بھی نماز نہ پڑھنی چاہئے۔ اہل نصاب کو سوال حرام۔ اسی طرح فقیر تو انا تندرست کو سوال ناجائز و ممنوع ہے۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت قیس بن مہارق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”ان المسالة الا لاحت تلسمہ رجل تحسّل حمالة فحلت له المسالة حتی یصیبھا ثم یمسک ورجل اصابته جمانة احتاحت ماله فحلت له المسالة حتی یصیب قواما من عیش ورجل اصابته فافقة حتی یقوم من ثلثة من ذوی الحجاج من قومه لقد اصابته فلانا فافقة فحلت له المسالة حتی یصیب قواما من عیش فما سواهن من المسالة“۔

یا قبصة مسحت یا کلها صاحبها مسحتا۔“

فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنا تین شخصوں کے علاوہ کسی کے لئے حلال نہیں:

- (۱) جو شخص کسی کی دیت یا غرامت کا ضامن ہو اس کے لئے سوال حلال ہے جب تک اتنا مال پالیوے پھر رک جائے۔
- (۲) جو شخص کسی آفت میں مبتلا ہو کہ ہلاک ہو گیا، مال اس کا اس کے لئے بقدر رسد حاجت سوال درست ہے۔
- (۳) جو شخص فاقہ میں مبتلا ہو کہ تین شخص اس کی قوم سے گواہی دیں کہ فلاں شخص کو فاقہ پہنچا ہے۔ تو ان تینوں شخصوں کے لئے سوال حلال ہے اور ان کے سوا دوسروں کے لئے اسے قبیصہ! سوال حرام ہے۔ کھانا ہے سائل حرام کو۔“

اسی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم: ”من سأل الناس أمیراً لیسہم تکثر فانما یسال الناس جھراً فلیستقل أو لیتکثر“ ”جو شخص لوگوں سے مال زیادہ ہونے کے لئے سوال کرے یعنی مال نصاب بقدر ضرورت رکھتا ہو اور وہ سوائے اس کے نہیں کہ لوگوں سے جہنم نکلا جائے۔ ایسا ہر شخص کو اختیار ہے۔ چاہے زیادہ کرے یا کم، جتنا سوال کرے گا، اتنا ہی نکلا جہنم کی کا اس کے لئے ہے۔“

اور وہ امام احمد بن محمد بن ماجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں: ”ما یزال الرجل یسال الناس حتی یأتی یوم القیامة لیس فی وجہہ مرغۃ لحم۔“ ”یعنی ہمیشہ رہتا ہے آدمی کہ سوال کرتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن آئے گا اس حال میں کہ اس کے منہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا ہوگا۔ لوگ اس سے پہچان لیں گے کہ یہ شخص دنیا میں لوگوں سے سوال کرتا تھا۔“

چوتھی حدیث میں ہے: ”السائل کلوح یکدح بها الرجل وجہہ فمن شاء القی علی وجہہ ومن شاء ترکہ۔“ ”سوال کرنا زخم ہے جس سے آدمی اپنا منہ دھکی کرتا ہے۔ تو جو چاہے اپنے منہ پر باقی رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی عن سمرة بن حنبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔“

پانچویں حدیث میں ہے: ”من سأل وعنده ما یغنیہ فانما یتکثر من النار۔“ ”جو شخص سوال کرتا ہے حالانکہ اس کے پاس ایک رات دن کا کھانا ہے تو وہ اپنے لئے جہنم کی آگ زیادہ کرتا ہے۔ رواہ ابو داؤد۔“

چھٹی حدیث میں ہے: ”من سأل من غیر فقر فکانما یاکل الحمر۔“ ”جو شخص بغیر حاجت کے سوال کرے جس جہنم کا انکار کھاتا ہے۔“ رواہ الامام احمد بن محمد بن حنبلہ و ابن حزمہ و الضیاء عن حبش بن حناذہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ساتویں حدیث میں ہے: ”لان یأخذ احدکم حيلة فیاتی بحزمة حطب علی ظہرہ فیبيعہا فیکف لیلہ بها وجہہ غیر من ان یسال الناس اعطوه أو منعوہ۔“ ”البتہ یہ کہ ایک تمہارا، رسی لے کر کلتری کا گٹھ اپنی پیٹھ پر لائے اور اسے بیچ کر کھائے، یہ اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ لوگوں سے مانگے۔ دیا یا نہ دیا۔“

اور اس کو جائز اور ریاضت درویشی سمجھنا اور بھی گناہ۔ شریعت مطہرہ میں نفس ریاضت کوئی چیز نہیں بلکہ وہ جو

موافق شریعت ہو۔ ورنہ جوگیوں نے تو وہ وہ ریاضتیں کیں اور کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے کبھی نہ ہو سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) درست و مستون ہے، نہ بدعت و مشون۔ کہ نفس مصافحہ احادیث کثیرہ شہیرہ، قولیہ، فعلیہ سے ثابت اور زمان برکت شان، سید الانس والجان رحمۃ اللہ علیہ، ہر قرن، ہر زمان میں رائج و موجود و مستون و محمود رہا۔ فقد صافحت (۱) سیدنا و مرشدنا مجمع الطریقین، مرجع الفریقین، مجدد المائۃ الحاضرۃ، مؤید الملة الطاهرة حضرة الشيخ احمد رضا خان متع اللہ المسلمین بطول بقائه (۱) والسید الشاہ ابی الحسین احمد النوری نور اللہ مرفدہ الشریف بآل نوری المعنوی والصوری (۲) صافحاً سیدہما و سندہما و شیخہما السیدال آل رسول الاحمدی المارہروی قدس سرہ (۳) صافح السید السند عمہ السید آل احمد الملقب بواجہی میان المارہروی قدس سرہ (۴) صافح السید التقی السید الشاہ حمزہ الحسنی البلجرامی الواسطی (۵) صافح السید طفیل محمد الاترولوی (۶) صافح البارع الاورع السید مبارک فخر الدین البلجرامی (۷) صافح الشیخ الاقحہم استاذہ و مولاہ الشیخ نور الحق (۸) صافح الشیخ المقتدی والدہ و شیخہ و استاذہ الشیخ المحقق مولانا عبد الحق المحدث الدہلوی قدس سرہ (۹) و هو قد صافح الشیخ عبد الوہاب بن فتح اللہ البروجی (۱۰) و هو قد صافح الشیخ محمد ابن اقلح الیمنی (۱۱) و هو قد صافح الشیخ عبد الرحمن بن علی الدبیح (۱۲) و هو قد صافح الشیخ زین الدین الشرحی (۱۳) و هو قد صافح شمس الدین ابی الخیر الجزری (۱۴) و هو قد صافح الشیخ ابی المحاسن السرمدی (۱۵) و هو قد صافح الشیخ ابی التنا محمود بن علی بن بغدادی (۱۶) و هو قد صافح الشیخ عبد الصمد البغدادی (۱۷) و هو قد صافح الشیخ یوسف ابن الحافظ ابی الفرج عبد الرحمن بن علی الجوزی البغدادی (۱۸) و هو قد صافح ابی الفضل محمد ابن جعفر الخزاعی (۱۹) و هو قد صافح الامام العباس احمد بن محمد سعید المطوعی (۲۰) و هو قد صافح الشیخ ابی غانم ابن زکریا (۲۱) و هو قد صافح الشیخ محمد ابن کامل (۲۲) و هو قد صافح الشیخ ایاناں العطار (۲۳) و هو قد صافح سیدنا ثابت البنانی (۲۴) و هو قد صافح سیدنا انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال (۲۵) "صافحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم ارجعوا ولا قرأ البین من کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" والحديث رواه البخاری وابن عساکر فی تاریخہ والخطیب وقد ذکرہ الشیخ جلال اللہ بن فہد فی کتاب المواہب المنیہ الدیاجی وابن المفضل والتمیمی فی سلسلہہم۔

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام سے ملے، ان سے مصافحہ فرماتے۔

حدیث شریف میں ہے: "قلت لابی ذر هل كان رسول الله صلى الله عليه يصفحكم اذا

لقیتموہ؟ قال مالقیتہ قط الا صافحتی۔"

ورق الشجر۔ ”جب مسلمان اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ گرجاتے ہیں جیسے درخت کے پتے۔“
- رواہ البزار عن رواية مصعب بن ثابت رضي الله تعالى عنه۔

آنھوں کی حدیث میں ہے: ”قال رسول الله ﷺ ان المسلمين اذا التقيا فصفا فحوا وتساوا انزل الله بينهما ما قرحة تسعة وتسعين لا يشبههما واطلقهما وابرهما واحسنهما مسائلة باخيه۔“ ”جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ اور اللہ تعالیٰ سے سوال کریں، حق سبحانہ تعالیٰ سورحت نازل فرماتا ہے، واسطے بیش ترین اور کشادہ پیشانی سے ملنے والے اور ان دونوں میں نیکی اور احسن کے لئے اور ایک اس کے بھائی کے واسطے۔ رواہ الطبرانی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔“

نویں حدیث میں ہے: ”اذا التقى الرجلان المسلمان فسلم احدهما على صاحبه فان احبهما الى الله احسنهما بشرا فاذا تصافحا نزلت عليه مائة رحمة للبادي منها تسعون وللمصافح عشرة۔“ ”جب دو مرد مسلمان ملیں اور ایک دوسرے پر سلام کریں پھر جب مصافحہ کرتے ہیں، ان پر سو رحمتیں اترتی ہیں۔ نوے ابتدا کرنے والے اور دس مصافحہ کرنے والے کے لئے۔ رواہ البزار عن عمرو بن الخطاب رضي الله تعالى عنه۔“
دسویں حدیث میں ہے: ”المسلمان اذا تصافحا لم يبق بينهما ذنب الا منقطعة۔“ ”جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا سب جھڑ جاتا ہے۔ رواہ البيهقي في شعب الایمان عن البراء ابن عازب رضي الله تعالى عنه وفي رواية لو كانت ذنوبهما مثل زيد البحر۔“ ”اگر چہ ان دونوں کے گناہ سمندر کے جھاگ جیسے ہوں۔“

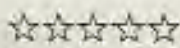
ان تمام احادیث میں کہ فضائل مصافحہ ارشاد ہوئے، حضور اقدس ﷺ نے عام و مطلق ارشاد فرمایا تو بحکم عموم و اطلاق اپنے تمام افراد کو شامل ہوگا۔ حکم عام جمہور علماء کے نزدیک یہی ہے کہ اپنے سب افراد کو شامل ہو۔
اور تکیوں کا شیعہ تفسیر میں ہے: ”وعند جمهور العلماء اثبات الحكم في جميع ما يتناول من الافراد قطعاً وبغضاً عند مشايخ القرآن وعامة المتأخرين وقلنا عند الجمهور الفقهاء او المتكلمين وهو مذهب الشافعي والمختار عند مشايخ سمرقند۔“

پھر ایک فرد کے ساتھ جواز، دوسرے پر کراہیت کا حکم، حسب تصریح مجدد ملت وہابیہ بے فائدہ و بدعت ہے۔ محرر مذہب رشیدی، مولوی خلیل احمد انٹھوی کی براہین قاطعہ طبع دوم ص ۷۳ میں ہے ”لفظ عام کے معنی میں معنی خاص لینے کا کوئی فائدہ نہیں۔“ اس کے ص ۱۰۱ پر ہے۔ ”مطلق کو مقید کرنا بدعت ہے“ اور جب مطلق مصافحہ کی اجازت دی بلکہ مستون بتایا اور اس سے کسی وقت کو مستثنیٰ نہ فرمایا تو بحکم قاعدہ لم يستثن من دأخلا مصافحہ بعد نماز فجر وعصر ونماز عید و ختم وعظ وغیرہ سب مجاز و ماذون و مستحب و مستون رہا۔ اگر یہ شبہ ہو کہ جب احادیث میں مطلق مصافحہ آیا تھا تو پھر بعد نماز فجر یا عصر اور عید و وعظ کی کیا خصوصیت؟ ہر وقت کیا کرو اور جب نہیں کرتے بلکہ انہیں خاص وقتوں میں، تو معلوم ہوا کہ تم لوگوں نے عام کو خاص اور

خاص کو مقید کر دیا، نہ مانعین نے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ ہم نے کب کہا کہ ان اوقات کے سوا اور کسی وقت مصافحہ کرنا جائز نہیں۔ بخلاف وہابیہ کے کہ وہ ان وقتوں میں ناجائز بتاتے ہیں۔ تو عام کو خاص اور مطلق کو مقید کرنے والے وہ ہوئے، نہ ہم۔ رہا خاص کسی وقت کی عادت کر لینا، یہ اس کو اس مصافحہ مسنونہ سے نہیں نکالتا۔ کما صرح بہ الشاہ ولی اللہ الدہلوی فی المسوئ شرح المؤطا عن النووی حیث قال: "قال النووی اعلم ان المصافحة مستحبة عند کل لقاء وامام اعادہ الناس من المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر فلا اصل له فی الشرع علی هذا الوجه لکن لا یاس به فان اصل المصافحة سنة وکونهم حافظوا علیہا فی بعض الاحوال وفرطوا فیہا فی کثیر من الاحوال لا یخرج ذلك البعض عن کونه من المصافحة التي ورد الشرع باصلها اقول هنکذا یتبعی ان یقال فی المصافحة يوم العیداء" قلت فعلی هذا المصافحة بعد الوعظ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) طاعون سے فرار گناہ کبیرہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "المفار من الطاعون کالمفار من الزحف"۔ "طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جہاد میں کافروں کے مقابلے سے بھاگنے والا۔" اور اللہ عز وجل کفار کو پیچھے دے کر بھاگنے والے کی نسبت فرماتا ہے: "فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبِ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَیَسَّسَ الْمَصِیْرُ"۔ "وہ بے شک اللہ کے غضب میں پڑا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور کیا بری بازگشت ہے۔" اور اس طرح جہان طاعون ہو، وہاں سے جانا بھی نہ چاہئے کہ فرمایا حضور ﷺ نے: "اذا سمعتم با الطاعون بارض فلا تدخلوها واذ اوقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا منها"۔ "جب سنو تم کسی جگہ طاعون ہوتا، تو وہاں نہ جاؤ اور جہاں تم ہو، اگر وہاں ہو تو بھاگو نہیں۔"

ہاں اگر کوئی شخص تقدیر پر صابر اور کامل الامان ہو اور "لَنْ یُصِیْبَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا" (التوبة: ۵۱) ہمیں نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا۔ (کنز الایمان) کی بشارت اس کے دل میں ساری ہو کہ اگر طاعون شہر میں کسی کام کو جائے اور مبتلا ہو جائے، تو پشیمانی نہ ہو کہ ناحق آیا، بلانے لے لیا یا کسی کام کو باہر جائے تو یہ خیال نہ ہو، تو خوب ہو کہ اس بلا سے نکل آیا، تو اسے اجازت ہے۔ وہاں سے آنے اور جانے میں کوئی حرج نہیں۔ والتفصیل التام لهذه المسئلة فی فتاویٰ سیدنا وشیخنا المسماة بالعظایم النبویة فی الفتاویٰ الرضویة المجلد الرابع من کتاب الحفظ والاباحة۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



مسئلہ مسئلہ اعلیٰ حضرت، تاج العارفین، سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی کیم صفر ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ طاعون کی جگہ سے دوسری جگہ یا دوسرے محلے
میں آنا اور دوسری جگہ سے طاعون زدہ مقامات میں آنا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجاب

طاغون زدہ مقامات سے بھاگنا سخت گناہ و اشد کبیرہ ہے۔ اور اس میں کوئی خصوصیت شہر و محلہ کی نہیں، بھاگنے کی نیت سے ایک قدم بھی چلنا حرام ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تدخلوا علیہ و اذا وقع وانتم بارض فلا تخرجوا منها فرارا عنه۔"

"جب تم کسی زمین میں طاغون ہوتا سنا تو اس پر داخل نہ ہو۔ اور جب وہاں طاغون آئے، جہاں تم ہو تو طاغون سے بھاگنے کے لئے وہاں سے نہ نکلو۔" رواہ الشیخان و ابوداؤد و النسائی و مالک و احمد عن عبد الرحمن بن عوف و البخاری و مسلم عن اسامة بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

امام اجل احمد بن حنبل اپنے مستند میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الفرار من الطاعون كالفرار من الرحف ومن صبر فيه كان له اجر شهيد۔"

"طاغون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جہاد میں کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والا اور جو اس میں صبر کئے بیٹھا رہے، اس کے لئے شہید کا ثواب ہے۔"

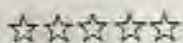
ابن سعد نیز امام احمد، ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الفرار من الطاعون كالفرار من الرحف۔" "طاغون سے بھاگنا ایسا ہے جیسے جہاد میں کافروں سے بھاگ جانا۔"

طبرانی معجم اوسط اور البیہیم فوائد بن ابی بکر بن خالد میں انھیں سے مستند حسن راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الطاعون شهادة لامتى و حر اعدائكم من الحن غدة كغدة البعير تخرج فى الاباط والمراق۔ من مات فيه، مات شهيدا ومن اقام فيه كان كالمرابط فى سبيل الله ومن فر منه كان كالفرار من الرحف۔"

"طاغون میری امت کے لئے شہادت ہے اور وہ تمہارے دشمن جنوں کا کونجا ہے۔ اونٹ کی گٹھنی کی طرح گٹھنی ہے کہ بغل اور پیٹ سے نیچے نرم جگہوں میں نکلتی ہے۔ جو اس میں مرے شہید مرے۔ اور جو اس میں ٹھہرا رہے وہ راہِ خدا میں سرحد کفار پر بانتظار جہاد اقامت کرنے والے کے مانند ہو۔ اور جو اس سے بھاگ جائے وہ جہاد سے بھاگ جانے والے کے مثل ہے۔"

جہاد سے بھاگنے والے کے متعلق فرماتا ہے: "فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبِ مِنَ اللَّهِ وَمَا وَهُ جَهَنَّمَ وَبُشَّ الْمَصِيرِ" (الانفال: ۱۶) "تو وہ اللہ کے غضب میں پلٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کیا بری جگہ ہے پلٹنے کی۔" (کنز الایمان)

اللهم احفظنا والله تعالى اعلم۔



مزارات اولیا تو مزارات عالیہ ہیں، عام مسلمانوں کی قبریں مستحق اکرام و تعظیم اور ان کی توہین شرعاً سخت ممنوع

و گناہ ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قبر پر پاؤں رکھنا بھی ناروا اور ایسا کرنا گناہ ہے، کہ قبر کی چھت میت کا حق ہے۔ علامہ زاہدی قنیہ میں تصریح فرماتے ہیں: ”یا نم یوطا القبور لان سقف القبر حق المیت۔“ اور تحفہ بدائع وغیرہ میں ہے: ”ان ایا حقیقة کرہ و طء القبر۔“ علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں شرح درر سے نقل: ”یکرہ ان یوطا القبر لعلما روی عن ابن مسعود لان اطاء علی حفرۃ احب الی من ان اطاء علی قبر مسلم۔“ اس میں محیط سے ہے: ”یکرہ ان یطاء بالرجل“ بلکہ پاؤں رکھنا تو درکنار قبر پر سر رکھنا ٹیک لگا کر موتا یہ سب ناجائز ہے۔

حضرت سیدنا ابوقلابہ بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”اسی ذہبت من الشام الی البصرۃ فسنزلت الحندق فتوضات و صلیت رکعتین باللیل ثم وضعت راسی علی قبر فمت ثم اثبت فاذا صاحب القبر یشتکی ویقول لقد اذیتنی اللیلۃ“ رواہ ابن ابی بکر بن ابی الدنیا۔ حضرت ابوقلابہ فرماتے ہیں: ”میں ملک شام سے بصرہ کو جاتا تھا، رات کو خندق میں اترا، وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا۔ جب جاگا تو صاحب قبر کو دیکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے اور کہتا ہے: اے شخص! تو نے رات بھر مجھے ایذا دی۔“

امام احمد حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے نکلیے لگائے ہوئے دیکھ کر ارشاد فرمایا: ”لا تؤذ صاحب هذا القبر۔“ اب عقل سلیم سے فیصلہ طلب ہے کہ جب شرعاً جن پر پاؤں رکھنا حرام، سر رکھنا حرام، ٹیک لگانا حرام، کہ ان سب میں میت کو ایذا پہنچتی ہے اور مسلمانوں کو جس طرح زندگی میں ایذا دینا جائز نہیں اسی طرح بعد وفات بھی ناجائز۔ تو کس طرح ایک جگہ سے اکھیڑ کے دوسری جگہ دفن کرنا جائز ہوگا؟ اور پھاؤڑا کدال چلانا، قبر کو کھود ڈالنا، میت کو نکال کر اس کی تحقیر و توہین کرنا، کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسائل مرسلہ شاہزادہ علی خاں از سرسپاہی ڈاکخانہ شاہی ۱۴ ارجب المرجب ۱۳۲۳ھ

- (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کی زیارت پر چادر یا سجدے دینا درست ہے یا نہیں؟ مینو اتوجروا۔
- (۲) میلاد شریف پڑھنا، ذکر پیدائش سرور کائنات پر کھڑا ہونا اور تاریخ دن تقرر کر کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
- (۳) سر پر سہرہ باندھنا درست ہے یا نہیں؟ مینو اتوجروا۔
- (۴) منیاں شیخ سند و غیرہ کا مرغا، بکرا پالنا اور اس کا کھانا درست ہے یا نہیں؟ مینو اتوجروا۔

جواب

- (۱) چادر چڑھانا، شیرینی پر فاتحہ دلانا، اپنا مطلب کہہ کر ان کے وسیلہ سے مانگنا، بلاشبہ درست ہے۔ سجدہ حرام ہے۔
(۲) سب کچھ درست ہے۔ والنفسیل فی الرسالة المبارکة "اذافة الاثام لمانعی عمل المولد والقیام"

والله تعالى اعلم

(۳) سہرا صرف بچوں کا ہوتا جائز ہے لعدم المانع ولان الاصل فی الاشياء الاباحۃ۔ وہابیہ کا اس کو ناجائز ٹھہرانا، تشبہ بالکفار بتانا، محض جہالت و خیال خام ہے۔ جو امر فی نفسہ شرعاً مذموم نہ ہو اس میں بلا قصد مشابہ ہونا، منع نہیں ہے بلکہ اس نیت سے کرنا کہ کفار کی سی شکل پیدا ہو یا اگر چہ ارادہ نہ کرے مگر وہ فعل خود شعار کفار ہو، جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں تو ناجائز ہے اور اس کی بعض صورتوں پر "من تشبه بقوم فهو منهم" بھی صادق۔ ورنہ اگر مطلقاً اشتراک، موجب ممانعت ہو تو انگریز کھا کر نہ ہو تو پی پی پی پی پی پی وغیرہ وغیرہ بھی حرام ہو جائیں کہ یہ سب ہندو بھی پہنتے ہیں۔ مگر جس طرح وہاں پروئے کا فرق کفایت کرتا ہے، یہاں بھی شعار نہ ہونا کافی ہے۔

ورمختار میں ہے: "التشبه بهم لا یسکرہ فی کل شیء بل فی المذموم وفيما یقصد به التشبیہ۔"

والله اعلم۔

(۴) اصل اس میں وقت ذبح خاص ذابح کی نیت و قول کا اعتبار ہے اگرچہ پہلے سے شیخ سدومیاں یا کسی کے نام سے مشہور ہو۔

روالمختار میں ہے: "المदार علی المقصد عند ابتداء الذبح" اور یہی معنی آیت شریفہ "وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ" (البقرہ: ۱۷۳) "اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔" (کنز الایمان) کے ہیں۔ فقط مشہور ہو جانا کسی کے نام سے موجب حرمت نہیں، ورنہ چاہئے کہ تمامی جانور حرام ہو جائیں۔ کیونکہ ہر جانور کسی نہ کسی کے نام سے ضرور مشہور ہوتا ہے۔ (مثلاً عمر کی گائے، خالد کی بکری، زید کا مرغ وغیرہ وغیرہ)

جلالین میں ہے: "ای ذبح علی غیر اسمہ تعالیٰ و تقدس" جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے۔
قال فی المدارک والبیضاوی والکبیر واللفظ للاخیر "یعنی وما ذبح علی الاصنام" وما فی الجلالین اعم واشد مطابقة للفظ۔

روالمختار میں ہے: "من ظن انه لا یحل فقد خالف القرآن والحديث والعقل فانه لاریب ان القصاب یدبح للمریح ولو علم انه ینحس لا یدبح فیلزم هذا الجاهل ان لا یاکل ما ذبحه القصاب وما ذبح للولائم والاعراس"
اور جب ذبیحہ حلال ہو تو کھانا بھی درست ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَا لَكُمْ اَنْ لَا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اَنْتُمْ
اللہ علیہ" (الانعام: ۱۱۹) تمہیں کیا ہوا کہ نہ اسے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از راہ پور مسئلہ علی شاہ ۲۹ رجب ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مسلمان شخص جو علم سے واقف ہے، بیان کرتا ہے کہ ۱۶ یا ۱۵ سال سے میرے داڑھی نکلی ہے۔ جب سے اب تک برابر داڑھی منڈواتا اور کتر و اتا ہوں اور ایسا کتر و اتا ہوں کہ جلد سے ملی رہے یعنی بالکل معلوم نہ ہو کہ داڑھی نکلی ہے۔ اور وقت مرگ تک ایسے ہی منڈواتا اور کتر و اتا رہوں گا۔ یہ بھی کہتا ہے کہ اس فعل کا کرنا صغیرہ گناہ ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسا شخص فاسق ہے یا گناہگار؟ بیسواؤ تو جبر و یوم الحساب۔

الواجب

ایسا شخص سخت گناہگار، فاسق، فاجر، مرتکب کبارہ، مستحق ناروغضب جبار و مورد لعنت پروردگار ہے۔ اور باوصف اس علم کے کہ وہ گناہ ہے، اس کا یہ اصرار و اظہار کہ تادم مرگ مرتکب رہے گا اس پر اور سخت تر ہے۔ قال تعالیٰ: "وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّبِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ" (البقرة: ۲۰۶) "اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ ایسے کو دوزخ کافی ہے اور وہ ضرور بہت برا بچھونا ہے۔" (کنز الایمان)

فتح القدیر، بحر الرائق، در مختار، تہذیب وغیرہ میں ہے: "والعقظ للسغبية: "الاعوذ من اللحية وهو دون القبضة كما يفعل بعض المغاربة ومحنة الرجال قلم يحبه احد واحد وكلها فعل المحوس الاعاجم واليهود والهنود وبعض اجناس الافرنج۔"

در مختار میں ہے: "قطعت شعر راسها اثم ولعنت ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته والمعنى الموشر التشبه بالرجال اه" مختصراً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء۔"

اس مسئلہ میں تمام تفصیل و بیان طویل کتاب مستطاب "لمعة الضحیٰ فی اعفاء اللحي" میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم جزی اللہ المحبب ویشیب۔ یہ سوال پہلے بھی آیا۔ اس عبارت میں صرف اتنا تفاوت ہے کہ کلام زید میں اس فعل کا صغیرہ ہونا ارادہ مداومت تادم مرگ کی علت نہ تھا۔ بلکہ اس کا کلام "منڈواتا رہوں گا" تک نقل کر کے سائل نے لکھا تھا: "یہ بھی کہتا ہے کہ اس فعل کا کرنا صغیرہ ہے۔" ایسا وہ لفظ کہ "یہ بھی کہتا ہے" قلم سے متروک ہوا، جس نے اس جملہ کو اس ارادہ کی تقیل کر دیا اور کلام زید کے معنی یہ ہو گئے کہ تادم مرگ ایسا ہی کرے گا، اس لئے کہ یہ کوئی بڑا گناہ نہیں ہے، صرف صغیرہ گناہ ہے۔ اس کی مداومت چنداں محذور نہیں۔ اگر واقعی کلام زید اس طرح ہے تو اس کا حکم اور سخت تر گناہ ہو گا کہ یہ کلام صاف جانب استخفاف جا رہا ہے اور گناہ کو ہلکا سمجھتا، نہایت شدید و اشد ہے کہ حد کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

ہاں اگر کسی ضرورت سے کریں تو مضاائقہ نہیں۔ اور یہی قول علقمہ اور نجفی کا ہے۔

خزانہ میں ہے: ”وان كان للمسلم اليه حاجة لا باس بالسلام عليه لان فيه ليس توفير۔“
مگر اس کا ہندوستان کے رواج کے موافق تو ضرورت بھی انہیں سلام شرعی کرنے کی حاجت نہیں، کافی ہے لالہ صاحب، بابو صاحب، منشی صاحب، وغیرہ۔ ربا ہنود کے یہاں کھانا، اس کی اصل یہ ہے کہ اگر ان کے یہاں کھانے سے عام مسلمانوں کو نفرت یا سبب بدنامی یا انگشت نمائی ہو تو شرعاً ناجائز ہے جیسے بھنگی کے یہاں کھانا۔ اور اگر یہ بات نہیں، تب بھی شک نہیں کہ عام ہنود سخت ناپاکیوں میں آلودہ اور مملوث ہیں مگر شریعت آسان ہے۔ جب تک کسی شے میں حرمت یا نجاست کا حال معلوم نہ ہو، ہمارے لئے بحکم قاعدہ کلیہ ”الاصل الطہارۃ“ پاکی و حلال ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: ”قال محمد وبہ نأخذ سالم نعرف شيئاً حراماً بعينه وهو قول أبي حنيفة واصحابه كذا في الظهيرية۔“ مگر گوشت کہ وہ مطلقاً حرام ہے۔ ہاں اگر حلال گوشت مسلمان کے سامنے پکا ہو کہ ایک لمحہ بھی اس سے جدا نہیں ہوا ہو تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبد الکریم از علی گڑھ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

روافض کے گھر کا کھانا ناجائز ہے یا ناجائز، کس واسطے کہ یہ لوگ بڑے متعصب ہوتے ہیں، اہل سنت و جماعت کو کھانے میں ناجائز کھلاتے ہیں؟

الجواب

اگر یقیناً معلوم ہو کہ اس کھانے میں کچھ ناپاک شے ملا دی ہے جب تو ظاہر ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے قطعی۔
قال الله عز وجل: ”وَيُحَرِّمُ عَلَيْكُمُ الْخَبِيثَاتِ“ (الاعراف: ۱۵۷) ”اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا“ (کنز الایمان) اگر یقیناً نہ بھی ہو معلوم بلکہ بالفرض اس کا وہم بھی نہ ہو، تب بھی روافض و دیگر مرتدین بلکہ تمامی اہل ہوا اور مبتدعین کے یہاں کھانے سے احتراز لازم کہ یہ میل جول ہے اور ان سے میل جول ممنوع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ”لا تحالسوهم ولا توادوهم ولا تشاربوهم ولا تناکحوهم“ ان کے پاس نہ بیٹھنا، ان کے ساتھ نہ کھانا پینا، نہ شادی بیاہ کرنا۔ رواہ العقيلي والله تعالى اعلم۔

☆☆☆☆

مسئلہ از جواہر پور تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ طالب حسین خان

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ الحمد شریف کے اندر بے قاعدہ پڑھنے کی وجہ یعنی ایک لفظ کے حرفوں کو دوسرے حرف کے لفظوں سے ملا کر پڑھنے کی وجہ اور یا کسی بے قاعدگی سے شیطان کا نام آجاتا ہے یا ہو جاتا ہے یا نہیں اور کن مواضع میں؟ بیوقوف تو جروا

الـ و ا ب

یہ جو عوام میں رائج ہے کہ ایک لفظ کے حرفوں کو دوسرے لفظ کے حرفوں میں ملا کر پڑھنے سے مثلاً ذیل جسر ب کینو کتبع کتعلی بعلی تخی شیطان کا نام آ جاتا ہے، محض غلط اور اختراعات باطلہ سے ہے۔ علمائے ان سکات کو برا جانا، اس کے باطل ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں غیریٹ سے ہے: "قال فی فتاویٰ الحجة" اذا بلغ فی الفاتحة "ایاک نعبد وایاک نستعین" لا ینعی ان یقف علی قوله ایاک ثم یقول نعبد وانا الاولی والاصح ان یصل ایاک نعبد وایاک نستعین" فلا اعتبار بمن یفعل ذلك السکت من الجهال المتفقهین بغير علم اه۔"

اس میں علامہ علی قاری کی منہج الفکر یہ ہے: "اقول ما اشتهر علی لسان الجهلاء من القراء ان فی سورة الفاتحة للشیطان کذا من الاسماء فی مثل هذه التراکیب من البناء فخطاء قاحش واطلاق قبیح ثم سکتهم عن نحو ذال الحمد وکاف ایاک وامثالها غلط صریح۔" واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ مرسلہ محمد سلیمان محلہ مہولی، باسدیو پور ضلع موگیہ ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

جناب مولانا دام مجیدہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ضروری گزارش یہ ہے کہ (۱) اہل صرف کا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے، باب افعال کا ہمزہ قطعی ہے۔ چنانچہ آپ بھی اپنے رسالہ ص ۲۲ میں تحریر فرماتے ہیں: "ملائی مزید مطلق ہے ہمزہ وصل کے پانچ باب ہیں اور اس کے باب اول کا ہمزہ قطعی ہے، وصلی نہیں۔ اس لئے حالت وصل میں نہیں گرتا۔ باب اول افعال۔ پھر لکھتے ہیں "علامت اس کی فاکلمہ کے قبل ہمزہ قطعی ہونا ہے۔" قطعیت ہمزہ کا مطلب تو یہی ہے کہ حالت وصل میں اس کا قائم رہنا واجب اور ضروری ہے۔ پھر ص ۳۳ میں تحریر فرماتے ہیں: "قاعدہ ہمزہ منفردہ متحرک ماقبل صحیح ساکن غیر نون افعال ویائے التغیر ہو تو حرکت اس کی نقل کر کے ماقبل کو دے کر اس کو گرا دینا جائز ہے۔ ایک کلمہ میں ہو تو جیسے لیسل یاد و کلمہ میں جیسے قدح کماصل میں قدح فلاح تھا اور یسأل تھا۔" انتخاب ملخصاً۔ اس باب افعال کا ماضی ہے مگر اس قاعدے کی رو سے قد کے لانے کے بعد اس کے ہمزہ کا گرا دینا جائز ہے تو پھر قطعیت ہمزہ کا کیا مطلب ہے؟ اور قدح قدح فلاح میں کیا فرق رہا؟ اس صورت میں ہمزہ کی تقسیم قطعی اور وصلی کی طرف لغو و بیکار ہو جاتی ہے۔

(۲) یہ لفظ قرآن مجید میں متعدد جگہوں میں آیا ہے۔ ہر جگہ با ثبات ہمزہ ہے، باسقاط ہمزہ کہیں نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کی پیش کردہ مثال کی رو سے قرآن شریف میں قدح کی جگہ قدح پڑھے تو چائز ہے یا نہیں؟ اور اس طرح کی قراءت قراء سبعہ میں سے کسی سے مروی ہے یا نہیں؟ اگر قدح پڑھنا جائز ہے تو پھر اس قاعدے کی رو سے قرآن مجید میں جس جگہ اثبات ہمزہ ہے وہاں اسقاط ہمزہ جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً سل بنی اسرائیل کی جگہ اسسل بنی اسرائیل، فاسئلوا اہل الذکر فسلوا اہل الذکر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں چائز ہے تو کیوں؟ مہربانی فرما کر جواب مع دلائل تحریر کر کے ذیل

کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔ جواب کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجتا ہوں۔ والسلام
مکرر گزارش ہے کہ جواب پرنسپل صاحب و دیگر مدرسین صاحبان سے دستخط کرائیں تو بہتر ہے۔

الواجب

(۱) ہمزہ وصل وہ ہے کہ وجہ کلام میں اس کا گرا نا ضروری ہو، باقی رکھنا خطا ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں مطلقاً ہر جگہ با اتفاق جمع قراءتہائی ہمزہ وصل گرا دیے جاتے ہیں۔ بخلاف ہمزہ قطعی کے کہ وہ درجہ کی وجہ سے کلام سے نہ گریے گا بلکہ باقی رکھا جائے گا۔ رہا بقاعدہ تخفیف ہمزہ کا گرا نا تو وہ کچھ اس قسم کے ہمزہ پر موقوف نہیں بلکہ اصلی ہمزہ بھی اس قاعدے سے گری جائے گا۔ جیسے یہاں کہ ہمزہ عین کلمہ ہے اور پھر کے آخر کا ہمزہ زائد نہیں۔ پس اسی قاعدہ سے یہ قصر ہو گا لہذا کہ اصل اس قاعدے سے لے کر ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ علامات مضارع ہے غرض اس قاعدہ کی رو سے ہر طرح کا ہمزہ اصلی زائد قطعی زائد سب گری جائے گا اور وجہ کلام میں ہمزہ وصلی گری جائے گا، ہمزہ قطعی نہ گریے گا کہ ہمزہ وصلی زائد متعلق ہے۔ صرف بقدر ابتداء سکون کی وجہ سے لایا جاتا ہے تو جب کوئی کلمہ اولیٰ میں آئے گا، یہ ہمزہ گری جائے گا۔ قد فلیح اور قد حسب میں فرق ظاہر ہے۔ اول یہ کہ قد فلیح پڑھنا جائز ہے اور قد حسب پڑھنا واجب ہے۔ قد افلیح بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس میں کوئی غلطی نہیں۔ جبکہ قرآن شریف میں ہماری قراءت میں اسی طرح وارد ہونے کی وجہ سے قد افلیح ہی پڑھنا اولیٰ ہے اور قد حسب پڑھنا غلط ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ قد فلیح کا ہمزہ اس قاعدے سے گرا ہے، نہ فقط اول میں لفظ کے آنے سے۔ بخلاف قد حسب کے کہ اگر یہ قاعدہ سرے سے نہ ہوتا جب بھی فقط درج کلام اور اول اس کے کسی لفظ کا آ جانا ہی اس کے گرا دیے کو کافی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہمزہ کی تقسیم قطعی اور وصلی کی طرف افتوا در یکا نہیں ہے۔

(۲) یہ شبہ قد فلیح پڑھنا جائز ہے اور اسی طرح کی قراءت قرآن کی مروی اور منقول ہے۔ تیسرے علامہ ابو عمر عثمان حرائی متوفی ۳۴۳ھ مطبع نجف بانی دہلی ص ۳۰ میں فرماتے ہیں:

”اعلم ان كان يلقى حركته المعهزة على الساكن يتحرك بحر كتبتا وتسقط من اللفظ الخ“ پھر اس کی تین قسم کر کے اول و دوم کے بعد تیسری قسم کو بیان کرتے ہیں۔ ”و الثالث ان يكون ساكن حروف المعجم نحو قوله تعالى من امن الخ۔“

امام شاطبی شاطبیہ مطبوعہ مصر ص ۶ میں فرماتے ہیں:

وحرك لورش كل ساكن اخر صحيح بشكل الهمز واحذفه مسيلا

تیسری مجموعہ قراءت میں رسالہ طیبہ حافظ محمد ابی جزری ص ۱۱۰ میں فرماتے ہیں:

وانقل لي الآخر غير حرف مد لورش الا كتابيه اسد

اس قاعدہ عامہ سے استدلال اگرچہ اثبات مدعی میں تام ہے مگر خاص اسی قلع کی تصریح بھی مفسرین نے فرمادی۔
تفسیر روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی جلد ۵ ص ۲۸۰ سورہ مومنون میں ہے: ”وقرء ورش عن نافع قد فلع
بامتقء حرة الهمزة على الدال وحذف فيها لفظ الالتقاء الساكنين كما قال ابو البقاء وهي الهمزة الثالثة
بعد نقل حركتهما والدال الساكنة بحذف الإصملا لانه لا يعتد بحركتها العارضة۔“
اور بلاشبہ اسی قاعدہ کی رو سے جس جگہ یہ قاعدہ پایا جاتا ہو اس جگہ ہمزہ کو گرا دینا جائز ہے اگرچہ مروی اثبات ہو۔
تیسرے ص ۷۲ میں ہے: ”ابن كثير والكسائي وسلوا الله من فضله وسل الذين اذا كان امرا مواجها
وكتان السنين والواو والفاء بغير همزة حيث وقع الوجوه في اتمام القراءات العشرة۔“
حافظ شیخ محمد ص ۱۶۷ میں ہے: ”ونقل حلق و اسال وفاسئل وسلوا وفاسئلوا كالکسائي۔“
معلوم ہوا کہ اسئلوا کو وسلوا اور فاسئلوا کو فسلوا پڑھنا صرف قاعدے کی رو سے جائز ہی نہیں ہے بلکہ عبد
اللہ ابن کثیر داری کی اور علی بن ہمزہ نجوی کسائی کو فی اور خلف ابن ہشام بزاز سے مروی و منقول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
☆☆☆☆

کتاب الفرائض ۱۲

مسئلہ از شہر بریلی بعض اصحاب اہلسنت بواسطہ مولانا حسن رضا خاں ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے انتقال کیا۔ اس کے ایک وارث نے اس کی تجویز و تکفین
 و فاتحہ سوم و پہلیم کے مصارف اپنے مال سے کئے۔ مگر وہ ہندہ سے یہ کل مصارف بخرادے جائیں گے یا نہیں یا بعض؟
 اور بعض کون کون سے؟ بینوا بالصواب تو جروا بیوم الحساب۔

الجواب

صرف مصارف تجہیز و تکفین اگر مطابق سنت کے ادا کیا ہو یعنی جس قدر صرف کفن و دفن میں ہوا، بشرطیکہ اس میں
 قدرست پانچ کپڑوں اور کفن مثل سے زیادتی نہ کی ہو، اور اگر پانچ کپڑوں یا کفن مثل سے زیادتی کی تو یہ بھی بخرانہ ہوگا۔
 بلکہ یہ ٹھہرے گا کہ وہ ایک سلوک تھا، جو اس نے بطور خود کیا۔

فقہ الددریہ میں ہے: "خانیہ اور اس میں عیون سے ہے۔" "اذا کفنت المیت من مال نفسه
 والا حبس لا۔"

وراس میں فتاویٰ القرویہ اور اس میں جمع الفتاویٰ سے ہے: "ان کفنته بما کثر من کفنت المثل لا یرجع لان احد
 الورثة لا یسلک وکل له ان یرجع فی التركة بقدر کفنت المثل قالوا لا یرجع لان اعتبارہ ذلک دلیل التصرع اہ۔"
 اور کفن و دفن کے علاوہ فاتحہ سوم و پہلیم وغیرہا کے مصارف بخرانہ ہوں گے۔

خطاوی حاشیہ در مختار میں ہے: "الصحیح لا یدخل فیہ السح و الصدقة والجمع والموائد لان ذلک لیس من الامر
 اللازمة فالفاعل لذلک ان کان من الورثة یحب علیہ من نصیبه ویكون مترعاً وکذا لو کان اجنبیاً۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ ۲۶ رجب المرجب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ میں کہ یہ جواب اور صحیح صحیح ہیں یا غلط؟ بر تقدیر ثانی صحیح
 جواب کیا ہے؟ (نقل سوال)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی بیماری کی حالت میں ڈھائی مہینہ
 بیشتر مرنے سے کہا کہ مکان میں نے اپنے پسر زید کو دیا، چاہے مجھ سے لکھوالو۔ اس صورت میں تر کہ ہندہ کا درمیان ایک
 لڑکی تہشب اور پسر زید کے کتنے مہام پر منقسم ہوگا؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: اس صورت میں گو ہندہ نے کل مکان پسر کو بیہ کر دیا مگر مرض کی وجہ سے بیہ فی الثلث ہوگا اور وثلث درمیان

بیٹا بیٹی کے حسب قاعدہ و فرائض تقسیم ہوگا لہذا معلوم من الفقہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبد الوہاب البھاری رحمۃ اللہ علیہ الباری
الجواب صحیح بشرطیکہ قبضہ محبوب لے لیا اس کے متولی کا حالت حیات ہندو پایا گیا ہو۔
محمد یحییٰ عفی عنہ مدرس اول مدرسہ سرائے خادم بریلی۔

ا ب ج و اب

جواب اور تصحیح دونوں غلط ہیں۔ اولاً صورت مسئلہ میں (کہ اپنے وارث کو ہیہ کیا۔) بوجہ مرض ہیہ فی الثلث نافذ
ماننا، تمامی نصوص شرعیہ بھیہ کو پس پشت ڈال کر اجتہاد کی ٹھاننا ہے۔ دعویٰ حنفیت اور نہ صرف حنفیت بلکہ سرگروہ احناف کرام
بن کر اس طرح تصریحات علماء احناف کرام سے ڈیڑھ ایتھ کی چٹنا، فاضل بہاری سے سخت تعجب خیز اور حیرت انگیز امر
ہے۔ عبارات کتب تو پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں کہ وہ ہیہ بے اجازت وغیرہ دیگر ورثہ، محض باطل و بے اثر ہے۔ کیونکہ مرض
الموت میں ہیہ حکم وصیت میں ہے۔

علامہ عبد اللہ بن احمد بن محمود، کنز الدقائق کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبوعہ مجتہائی دہلی ص ۳۳۷ میں
فرماتے ہیں: ”تحریر فی مرض موتہ وقولہ بانہ وھبتہ وصیۃ۔“ اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ
باطل ہے، بقولہ کہ ثلث وغیرہ کسی حصہ میں اصلاً نافذ نہیں ہو سکتی۔

علامہ سراج الدین اوشی فتاویٰ سراجیہ مطبوعہ مصطفائی کانپور ص ۳۲۲ میں فرماتے ہیں: ”الوصیۃ للمواریث تنفذ
باجازۃ الورثۃ بعد الموت۔“

اگر فتاویٰ و مطولات پر نظر نہ تھی تو وقت افتاء حواشی درسیات ہی ملاحظہ فرمائے ہوتے کہ اس میں صاف تصریح
فرماتے ہیں: ”الوصیۃ للاحسانب بالزائد علی الثلث وللأقارب مطلقاً بدون الاجازۃ اہ بقدر الحاجة“
(السراجی مطبع النجفی ص ۳۳۸ فی حاشیۃ الشریعی العطیۃ فی شذوۃ الاسلام للکھنوس ص ۹)۔

ثانیاً آپ کا دو ثلث درمیان بیٹا بیٹی کے تقسیم کرنا، بناءً فاسد علی الفاسد ہے۔ بلکہ ہر نقد یر صدق مستفی و عدم موانع
ارث و وارث اخر و تقدیم مقدم کل مکان ہندو کا بموجب ”الذکر مثل حظ الانثیین“ تین سہام پر منقسم ہو کر، دو سہام پر
اور ایک دختر کو ملے گا۔

ثالثاً مجیب صاحب کا ”ھکذا یعلم من الفقہ“ تحریر فرما دینا، عجیب دلاوری و بکف چرائے، ہے۔ اجتہاد بے
بنیاد اور فقہ کی طرف اسناد؟ حضرت مجیب صاحب! یہ پتھو شریف نہیں کہ چونے پر عدم جواز تقسیم کا فتویٰ دے کر ساختہ
حدیث کے دامن میں چھپ بیٹھے۔ جب کسی نے نقد دیا تو فوراً فرمایا! ہاں: وہ حکم نقد کا ہے اور میں نے حدیث کی رو سے کہا
ہے اور پھر حنفی کے حنفی بلکہ سرگروہ احناف کرام۔

رابعاً صاحب نے اگرچہ حکم شرعی یا دفرما کر بشرطیکہ الخ بڑھا کر مجیب صاحب کی اصلاح چاہی و لکن صدق
القائل رحمہ لن یصلح العطار ما افسدہ الدھر۔

خامساً قبضہ متولی کی بھی ایک ہی کمی۔ مولانا نابالغ کے لئے ولی ہوتا ہے اور متولی وقف پر۔ اللہم احفظنا من الغیۃ والغوایۃ۔

بالجملہ کل ترکہ ہندہ تین حصہ ہو کر ایک زینب اور دو حصے زید کو ملیں گے واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ جل مجدہ اتم واختم۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ وتصلی علی رسولہ الکریم

۱- زید نے انتقال کیا۔ دو لڑکا ایک لڑکی اور ایک بیوی وارث چھوڑا۔ ہر ایک وارث کو شرعاً کتنا کتنا حصہ متروکہ چیزوں میں ملے گا؟

۲- زید کی متروکہ اشیاء میں مکان بھی ہے تو کیا مع اس کی زمین کے اس مکان میں لڑکی کو بھی حصہ ملے گا یا نہیں؟ اور بصورت شق اول کیوں؟

۳- زید کے وارثوں میں جو زمین اجمال سے حاصل کی گئی ہے۔ تو کیا اس حاصل کردہ زمین میں لڑکی اور بیوی کو بھی حصہ ملے گا یا صرف دونوں لڑکے ہی کو؟

۴- زید کے انتقال کے بعد وارثوں نے مکان بنایا۔ اس میں کچھ اسباب مثلاً دھرن، کڑی وغیرہ زید کے بڑے لڑکے کے سر مال کی ہے۔ تو کیا ان اسبابوں میں اور وارثوں کا بھی حصہ ہوگا؟

۵- نمبر ۱ میں جو ورثاء مذکور ہیں۔ قبل اس کے کہ جائیداد متروکہ زید آپس میں تقسیم کی جائے، زید کا بڑا لڑکا نوکری کرتا ہے اور چھوٹا کاشتکاری، بڑے لڑکے نے اپنی نوکری کے ذریعہ سے کچھ زمین حاصل کی تو کیا اس زمین میں کل وارثوں کو حصہ ملے گا یا کسی کو نہیں یا صرف دونوں لڑکے ہی کو؟

۶- اہلیہ زید نے قبل تقسیم جائیداد، اپنی لڑکی سے کچھ روپیہ قرض لے کر شرکت میں خرچ کیا۔ تقسیم جائیداد کے وقت زید کے چھوٹے لڑکے نے اپنی والدہ کے کہنے سے اپنے حصہ رسدی قرض کا دو آدمی کے مقابل میں اقرار کر کے اس دین کے بدلے میں اپنی ہمیشہ کو کچھ زمین ہی زبانی بلا دستاویز دے دیا تھا۔ اب کچھ روز کے بعد زید کا چھوٹا لڑکا اس دین سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس وقت مصلحتاً دین کو لازم کر لیا تھا۔ کیا شرعاً وہ لازم کردہ دین چھوٹے لڑکے پر واجب الادا ہے یا نہیں؟ فقط۔ بیواؤ تو جردا۔

المستفتی سید ابوالقاسم درہنگوی ۲۱ شعبان ۱۳۲۰ ۲۳ ستمبر ۱۹۴۰ء

الجاب

۱- کل ترکہ زید کا چالیس حصہ ہو کر شریعتاً یعنی پانچ حصے بیوی اور سات حصے بیٹی اور چودہ چودہ حصے دونوں بیٹے کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲- زید کے ترکہ میں جو پچھرائی رتی ہوگا، مکان، دوکان، اثاث البیت وغیرہ سب کا سب، ورثاء کو حصہ رسدی ملے

گا۔ لڑکی کا حصہ بھی واجب ہے۔ قال تعالیٰ: "لِلذَّكَرِ مِثْلُ مَثَلِ الْأُنثِيَّةِ" (النساء: ۱۱) "بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔" (کنز الایمان) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۔ جواب مطابق نمبر ۲ ہے۔ جو زمین اجمال سے حاصل کی گئی اور زید کی ملک ہے۔ وہ اس کے مرنے کے بعد تمام ورثاء و حصہ مقررہ کے مطابق ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴۔ زید کے انتقال کے بعد جس وارث کو جو چیز بذریعہ خریداری یا ہبہ، سہم ال سے یا کسی جگہ سے حاصل ہو، وہ خاص اس کی ملک ہوگی۔ وہ زید کے ترکہ میں دیگر ورثاء کو نہ ملے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵۔ بڑے لڑکے نے نوکری کے ذریعہ سے جو زمین حاصل کی اور وہ اس کے نام سے ہے، وہ اس کی ملک ہے۔ اس میں کسی دوسرے کو کچھ نہ ملے گا۔ اس لئے کہ ترکہ زید کی ملک میں تقسیم ہوگا، نہ اس کے بیٹے کی کمائی اور اس کی حاصل کردہ شے میں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۶۔ جو روپیہ اہلیہ زید نے اپنی لڑکی سے قرض لیا اور جس کے حصے رسدی کا زید کے چھوٹے لڑکے نے اقرار کیا تو بموجب قاعدہ مقررہ "السمرء یوخذ یافقرارہ" وہ دین اس کے ذمہ واجب ہے۔ اس کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم ہے، انکار بے سود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین از روئے شرع متین اس مسئلہ میں کہ حکیم نظام الدین صاحب نے، جس کو عرصہ بارہ سال ہوا انتقال کیا اور چھوڑا چار لڑکے ایک لڑکی، ایک بیوی کو۔

۲۔ حکیم نظام الدین صاحب نے اپنے عین حیات میں متعدد شادیاں کیں۔ ایک بیوی سے ایک لڑکی صدیقہ، ایک بیوی سے ایک لڑکا نصیر الدین، ایک بیوی سے دو لڑکے معین الدین و نعیم الدین اور ایک بیوی سے ایک لڑکا محمد اسحاق اور ایک بیوی مسماۃ منیران۔ حکیم نظام الدین صاحب کے انتقال کے وقت بڑے لڑکے نصیر الدین کی عمر تقریباً چوبیس برس تھی اور شادی باپ کی زندگی میں ہو چکی تھی۔ باپ کی جگہ پر پیشہ طبابت کرنے لگے۔ معین الدین کی عمر تیس سال تھی اور شادی ہو چکی تھی۔ اور دو لڑکے نابالغ تھے۔ نعیم الدین جس کی عمر بارہ سال تھی اور محمد اسحاق جس کی عمر چھ سال تھی۔ صدیقہ کی عمر تیس سال، شادی شدہ تھی۔

۳۔ از روئے شرع کس کو کتنا ترکہ ملے گا۔ بحساب انگریزی آند پائی کے لکھا جائے تاکہ تقسیم میں آسانی ہو۔

۴۔ حکیم نظام الدین صاحب کے انتقال کے بعد ان کی تمام جائیداد بڑے لڑکے حکیم نصیر الدین کے حصے میں آئی۔ اور برابر مطب کی آمدنی سے جو باپ کی راج گدی تھی، فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ دریافت طلب یہ بات ہے کہ باپ کی گدی اجمال میں شمار کی جائے گی یا نہیں؟ کیونکہ فائدہ اور نقصان اسی گدی سے حاصل ہوتا رہا ہے۔ یعنی گدی سے جواب تک فائدہ اٹھا رہے ہیں وہ رقم بھی اجمال میں شامل کر دی جائے گی یا نہیں؟

۵۔ اگر چند شخص مل کر اپنی رائے اور تہمینہ سے بغیر لیا طہ شریعت، متوفی کا متروکہ، تقسیم کر دیں تو ایسے اشخاص عند اللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟ اور ایسی تقسیم کو ماننا چاہیے کہ نہیں؟ فقط بینوا بالکتاب ونوحروا بیوم الحساب

الجواب

حسب ضابطہ فرائض بعد تقدیم مایقدم، کل ترکہ حکیم نظام الدین کا ۷ حصے ہو کر ۹ حصے سماء بی بی منیران زوجہ متوفی اور ۱۳-۱۳-۱۳ چاروں لڑکے نصیر الدین، معین الدین، نعیم الدین، محمد اسحاق اور ۷ حصے دختر سماء صدیقہ کو ملیں گے۔ ترکہ میں بڑے چھوٹے، شادی شدہ، کنوارے کی کوئی تفریق نہیں، نہ اولاد میں ایک بیوی یا چند بیویوں سے ہونے میں کچھ فرق ہے۔ سب اولاد ہونے میں برابر ہیں، ترکہ میں بھی برابر ہوں گے۔ جو جائیداد یا اشیاء ملک حکیم نظام الدین کی ہے، سب ترکہ میں تقسیم ہوں گے، چاہے کسی کے قبضہ میں ہو۔ اگر کوئی شخص خلاف شریعت متوفی کا ترکہ تقسیم کرے گا، وہ باطل و بے اثر ہوگا۔ "إِنْ السُّكَّانُ إِلَّا لِلَّهِ" (الانعام: ۵۷ / یوسف: ۴۰ / یوسف: ۶۷) "حکیم نہیں مگر اللہ کا"۔ (کنز الایمان) ایسے لوگ عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔ ایسی تقسیم کو ماننا صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر سب ورثہ بخود مصالحت کر لیں اور کوئی شخص کم یا زیادہ لینے پر آپس میں بلا دباؤ و اکراہ کے راضی ہوں، تو اس میں مضاقتہ نہیں۔ لیکن خلاف شرع کسی کا حصہ نہ دینا یا متروکہ مورث میں سے کسی چیز کا، کسی وارث کا دبا لینا اور قبضہ ناجائز کر لینا، صحیح نہیں۔ تخریج مسئلہ کی حسب قاعدہ فرائض اس طرح ہوگی۔ رہا آنہ پائی کے حساب سے مسائل کا مطالبہ کرنا، یہ بے سود اور بے نتیجہ محض ہے۔ اگر ترکہ صرف ایک روپیہ ہوتا تو ایک بات بھی ورثہ پھر پائوں کی کسرات کو پائی بنانا اور پائوں سے آنہ کرنا اور ان آنوں کو روپیہ کر کے تقسیم کرنا یہ خود ایک مشکل کام ہوگا۔ لیکن حسب خواہش مسائل آنہ پائی بنا کر بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ سینئر مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ

مسئلہ: ۷۲ حکیم نظام الدین

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن
سماء بی بی منیران	نصیر الدین	معین الدین	نعیم الدین	محمد اسحاق	سماء بی صدیقہ
۹/۹	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳	۷
۱۲	۳/۱۰۳	۳/۱۰۳	۳/۱۰۳	۳/۱۰۳	۳/۲۰۶/۱

یعنی روپیہ میں سے ۲ حق زوجہ سماء بی بی منیران کا ہوا اور چاروں لڑکے میں ہر ایک ۳ پائی ۳/۱ یعنی انگریزی پائی کی تہائی اور سماء بی بی صدیقہ دختر کا اس کا نصف ۶/۱ پائی اور انگریزی پائی کا دو تہائی۔ واللہ اعلم

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسئلہ از موضع ابو سعید پور، مجید پور، عظیم لڑہ، مرسلہ مولوی عبدالکریم خاں خفی ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید سنی المذہب خفی نے انتقال کیا اور ان کے

ورثاء شیعہ مذہب ہیں اور بعض اہلسنت وجماعت۔ پس متروکہ متوفی موصوف الذکر سے شریعت اہلسنت وجماعت کو ہی دی جائے یا غیر ملت کو بھی؟ بیوا تو جروا۔

الجواب

زید کے ورثاء شیعہ مذہب اگر حضرات شیخین خواہ ان میں سے ایک کی بھی شان میں گستاخی کرتے ہوں، اگرچہ صرف اسی قدر کہ انہیں امام و خلیفہ برحق نہ جانتے ہوں یا قرآن شریف میں تحریف و تبدیل کے قائل ہوں یا حضرت مولیٰ علیؑ کرم اللہ وجہہ وائمہ اطہار رضی اللہ عنہم اثناء اللیل وثناء النہار کو حضرات انبیاء کرام سابقین علیہم الصلوٰۃ من رب العالمین سے افضل جانتے ہوں یا رد انقض کے مجتہدان حال (جنہوں نے اپنے فتوؤں میں ان کفریات کا اقرار کر لیا ہے) کے پیرو ہوں یا لاقول انہیں دینی عالم و پیشوا جانتے ہوں تو وہ کتب معتدہ فقہیہ کی تصریحات اور عامہ اہل ترجیح و فتویٰ کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہیں۔

در مختار، طحاوی، خلاصہ، خزائنہ المستعین، فتح القدیر، وجیز امام کردری، جوہرہ نیرہ، تبیین، بدائع، اتحاف الابصار والہبصار، فتاویٰ القرویۃ، واقعات المستعین، برد جندی، فتاویٰ ظہیریہ، مجمع الانہر، شرح کنز ملایکین، نظم الفرائد، تیسیر المقاصد، بحر الرائق، حاشیہ علامہ شملی علی التہذیب میں ہے: ”فی الروافض من فضل علیا علیہ السلام فمبتدع وان انکر خلافتہ الصدیق او عمر رضی اللہ عنہما فہو کافر۔“

”رافضیوں میں جو شخص مولیٰ علیؑ کو خلفاء رضی اللہ عنہم سے افضل کہے، گمراہ ہے اور اگر صدیق یا فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار کرے تو کافر ہے۔“

امام قاضی عیاض مالکی شفا شریف میں بہت سی یقینی اجماعی کفریات بیان کر کے فرماتے ہیں: ”و كذلك من انکر القرآن او حرق منہ او غیر شیئاً منہ او زاد فیہ۔“
”یعنی اور اسی طرح وہ بھی قطعاً اجماعی کافر ہے جو قرآن شریف یا اس کے کسی حرف کا انکار کرے یا اس میں کچھ بدلے، قرآن میں اس موجود سے کچھ زیادہ بتا دے۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

از دفتر بیابان السنۃ والجماعت بتاریخ ۱۰ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ یکم ماہ بنگلور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہماری جماعت اہل السنۃ والجماعت، حنفی المشرّب میں زمانہ قدیم سے فاتحہ مرویہ کا رواج چلا آ رہا ہے۔ مندرجہ ذیل نمازوں کے بعد دعاؤں میں فاتحہ اس طرح پڑھی جاتی ہے کہ امام دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے بلند آواز میں الفاتحہ کہتا ہے اور امام کے ساتھ مقتدی آہستہ سورہ فاتحہ ایک بار، سورہ اخلاص تین بار پڑھا کرتے ہیں۔ پھر امام اور مقتدی درود شریف بلند آواز سے پڑھنے کے بعد دعا ختم کرتے ہیں۔ جن نمازوں میں فاتحہ مرویہ پڑھی جاتی ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) فجر کی نماز کے بعد دعائیں (۲) نماز جمعہ کے بعد سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد کی دعائیں (۳) خطبہ نکاح کے بعد دعائیں (۴) نماز جنازہ کے بعد دعائیں (۵) قبرستان میں موتی کی تدفین کے بعد دعائیں۔

تقریباً چار ماہ ہوئے مسجد کی امامت کے لئے ایک امام صاحب کا تقرر ہوا۔ امام موصوف نے فاتحہ مروجہ کے پڑھنے سے یکسر انکار کر دیا۔ وہ نہ نماز فجر کے بعد دعائیں فاتحہ مروجہ پڑھتے ہیں، نہ بعد نماز جمعہ سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد دعائیں پڑھتی ہیں، نہ خطبہ نکاح کے بعد دعائیں، نہ نماز جنازہ کے بعد دعائیں، نہ موتی کی تدفین کے بعد دعائیں۔

ہم اہلسنت وجماعت، حنفی المشرک ہیں۔ اس لئے آپ سے ہماری مخلصانہ گزارش ہے کہ فاتحہ مروجہ کے مذکورہ بالا طریقہ کے جواز یا عدم جواز کے متعلق دلائل کے ساتھ روشنی ڈالیں تاکہ حق و صواب ظاہر ہو جائے اور سب لوگ صحیح راہ اختیار کریں۔ مینا و تو جروا

اسلمی غلام دیکھرخان، صدر جمیعت، میدان اہل سنت وجماعت جنوبی ہند

ال جواب

فاتحہ مروجہ مذکورہ فی السوال بلاشبہ جائز ہے۔ اور اس کی اصل احادیث شہیرہ کثیرہ صحیحہ سے ثابت۔ اور اس کے جواز و استحسان پر بہت سی تصریحات علماء کرام و مفسرین عظام و محدثین فہام و صوفیائے ذوی الاحترام سے قائم ہیں۔ جس میں کلام نہ کرے گا مگر وہابی بے شعور یا منکر مغرور۔ ”مَنْ لَمْ يَحْمِلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَصَلَاةُ مَنْ نُورٌ“ (النور: ۴۰) ”اور جسے اللہ نور نہ دے، اس کے لیے کہیں نور نہیں“۔ (کنز الایمان)

سورہ فاتحہ کی فضیلت، احادیث میں اس قدر وارد و بمن سے ادنیٰ اہل علم بھی ناواقف نہیں ہو سکتا۔ اس کو افضل القرآن فرمایا، اس کی قراءت دوثلث قرآن کے برابر قرار دی، ”لا مثل لها فی القرآن“ اس کی شان میں فرمایا۔ مولانا عبد العزیز صاحب تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں: ”این سورہ را نامہا بسیارست۔ از آنجمله قرآن عظیم زبیر کہ اس سورہ در جمیع سور عظیم و افضل است در ثواب“۔

اسی میں ہے: ”عبید بن حمید در مسند خود از ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت می کند کہ فاتحہ الکتاب برابر ثلث قرآن است در ثواب و در روایات بسیار کہ نزد حاکم..... الکتاب۔ در شعب الایمان نیز آنہار الصحیح نمودہ لفظ افضل القرآن در حق ایں سورہ وارد شدہ و ابو نعیم و بیہقی از ابوالدرداء روایت کردہ اند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ فاتحہ الکتاب کفایت می کند از آنجہ پنج چیز کفایت نمی کند و اگر فاتحہ الکتاب را در یک پلہ ترازد و بہند و تمام قرآن در پلہ دیگر۔ فاتحہ الکتاب بہت چند قرآن آید“۔

اور سورہ اخلاص کی فضیلت سے تو مسلمان کا بچہ بچہ واقف ”قل هو اللہ احد تعدل ثلث القرآن“ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اسی لئے فاتحہ مروجہ میں تین مرتبہ پڑھنا معمول کہ قرآن کا ثواب حاصل ہو۔ رواہ الامام مالک و الامام احمد فی مسندہ و البخاری و ابوداؤد و الترمذی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ و رواہ

السجاری عن قتادہ بن النعمان ورواہ مسلم عن ابی الدرداء ورواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابی ہریرۃ ورواہ النسائی عن ابی ایوب ورواہ الامام احمد وابن ماجہ عن ابی مسعود الانصاری ورواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود عن معاذ ورواہ الامام احمد عن ام کلثوم بنت عقبہ ورواہ البزار عن جابر ورواہ ابو عیلة عن ابن عباس رضی اللہ عنہم وفی روایۃ "من قرء قل هو اللہ احد فکانما قرء ثلث القرآن"۔ رواہ الامام احمد والنسائی عن ابی اوفیٰ رواہ "من قرء قل هو اللہ احد ثلث مرات فکانما قرء القرآن اجمع" رواہ العقلمی عن رجاء بن حیوۃ رضی اللہ عنہما۔

اور درود شریف کی برکت کا کیا کہنا۔ اس سے محروم سوائے بد نصیب ازلی کے کون ہوگا؟ کہ وہ "یا ایہا الذین امنوا ضلوا علیکم واتبعتوا اتباعکم" (الاحزاب: ۵۶) "اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔" (کنز الایمان) کی قیل وقلعہ ہے۔ درود شریف کی فضیلت میں اتنی حدیثیں وارد کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو مجلدات ہو جائیں۔ غرض فاتحہ مروجہ میں تین چیزیں پڑھی جاتی ہیں۔ اور تینوں کا ثواب ارب باروں سے زیادہ وسیع اور آفتاب سے زیادہ روشن۔ رہا ان اوقات خاص میں فاتحہ وقل ودرود شریف پڑھنا، یہ کوئی بات پوچھنے کی نہیں۔ اس لئے کہ جو امر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بلا قید زمان و مکان و اشخاص وارد ہو، اس کو جو شخص جس وقت کرے گا اور جس مکان میں بجالائے گا، سب اسی امر مشروع کا ایک فرد قرار پائے گا جب تک کہ خاص اس کی ممانعت وارد نہ ہو۔

امام نووی فرماتے ہیں: "اعلم ان المصافحة ستة مستحبة عند کل لقاء وما اعتاده الناس بعد صلاة الصبح والعصر لا اصل له فی الشرع علی هذا الوجه ولكن لا بأس به فان اصل المصافحة سنة وكونهم محافظین علیہا فی بعض الاوقات ومفرطین علیہا فی کثیر من الاحوال لا یخرج ذلك البعض عن کونه من المصافحة التي ورد الشرع بأصلہا۔"

اور اس مسئلہ کی پوری تحقیق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے رسالہ "الحجة الفاتحة بطیب التحیین والفتاحة" اور حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری کے رسالہ "عمدة الفتاحة فی ادلة حواز العرس والفتاحة" اور فقیر غفرلہ کا رسالہ "مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس" میں درج ہے۔ من شاء التفصیل فلیراجع الیہا واللہ اعلم ۲ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۶۰ء

کتبہ الفقیر ظفر الدین قادری عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۲ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۶۰ء

☆☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے۔۔۔ بنگ گھر میں جمع تھی۔ اس نے اپنے حقیقی بھائی وارث شرعی کو محروم کرنے کے لئے ایک غیر شخص کے نام میں نامہ عوض حق خدمتہ کا لکھا کر اس کے رجسٹری کراوی۔ ہنوز وہ دستاویز

ہیہ نامہ اس موہوب لہ کو واپس نہیں ملی اور نہ روپیہ بنک گھر سے اس کو وصول ہوئے۔ اب بعد لکھانے اور رجسٹری کرانے کے زید کو خیال آیا کہ میں نے ورثائے شرعی کو محروم کر کے ایک غیر شخص کے نام روپیہ ہیہ کر دیا۔ اس واسطے اب وہ اس کو ہیہ کو ناجائز رکھتا ہے اور اس کو فتح کر کے روپیہ خود وصول کرنا چاہتا ہے۔ تو یہ فتح ہیہ جائز ہے یا نہیں اور وہ اپنے روپیہ کے واپس لینے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اور زید چونکہ دو ماہ سے سخت علیل ہے۔ اس وجہ سے یہ ہیہ نامہ غیر شخص کے نام لکھایا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ بعد میرے مرنے کے میرے وارث شرعی مالک ہو جائیں۔ مینو او تو جروا۔

ال جواب

ہیہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔ تو اگرچہ ہیہ نامہ لکھ کر اس کی رجسٹری کرادی لیکن جب روپیہ بنک گھر سے وصول نہ ہوئے تو یہ ہیہ محض ناقص و بے اثر رہا۔

درمختار میں ہے: ”وتم الہیۃ بالقبض الکامل۔“

اسے ہر وقت نہ دینے کا اختیار ہے۔ اور اسے ایسا ہی کرنا چاہئے، کہ بلا وجہ شرعی وارث کو محروم کرنے کی نیت سخت

شبیہ ہے۔

حدیث میں ہے: ”من قطع میراث ولہ قطع اللہ میراثہ من الجنة۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

(یہ چار فتاویٰ فاضل پرنٹ نکلنے کے بعد دستیاب ہوئے۔ اس لیے موضوعات کا خیال کئے بغیر انھیں ضمیمے کے طور پر شامل کر لیا گیا۔ احقر اس سلسلے میں محبت گرامی مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی زید کرمہ کامنوں ہے۔ ۱۲ اساطیل) مسئلہ از بہار شریف محلہ خاٹقاہ مسلہ مولوی محمد سعید ۱۳ ارذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

مشتفی مخلصی جناب مولوی ظفر الدین صاحب مد مجرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد التماس خدمت سے پسند مسائل یہاں لوگوں میں درپیش ہیں۔ ان کو آپ مہربانی کر کے مع سوال اس کا جواب مع عبارات کثیرہ اور حوالہ کتب کے لکھ کر اور جناب اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی مدظلہ العالی کے دستخط اور مہر سے مزین فرما کر بہت جلد ضرور ارسال فرمائیے۔ خداوند تعالیٰ اجر جزیل عطا کرے گا۔

مسئلہ یہ ہے کہ (۱) فرائض خمسہ اور نماز عیدین وجہ و نوافل میں بعد قرأت فاتحہ کتاب کے ایک ہی رکعت میں ضم سورہ میں ایک ہی سورہ کو دو بار یا تین بار درمیان میں رک جانے کی وجہ سے یا بغیر رک جانے کے عہد یا سہوا پڑھنے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ (۲) اور بر تقدیر سہوا سجدہ سہوا لازم کہ نہیں؟ اگر لازم ہوا اور نہ کیا گیا تو کیا حکم ہے؟ (۳) اور ان سکھوں میں تکرار سورہ خاص، موجب تاخیر رکن کا ہوا کہ نہیں؟ اگر اس سے تاخیر رکن ہوئی تو ترک واجب ہوا یا نہیں؟ (۴) اور لزوم سجدہ سہو میں سب نمازوں کا حکم مساوی ہے یا عیدین اور جمعہ کے لیے کوئی حکم مخصوص ہے؟ (۵) اور ان سب نمازوں میں سورہ فاتحہ مکرر عہد یا سہوا پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟ (۶) اور سب نمازوں میں سورہ فاتحہ کا تکرار اور ضم سورہ کا تکرار دونوں برابر ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ بینوا نوحروا

ال جواب

مخلص الاخوان و احب الخلان کرمی اکرمکم اللہ تعالیٰ و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا سوال کثیر الاذیال چند مسائل کو شامل اور متعدد صورتوں کو مشتمل۔ بعد قرأت فاتحہ ایک ہی رکعت میں سورت دو یا چند بار رک جانے کی وجہ سے پڑھی یا بے رک کے بر تقدیر ثانی عہد یا سہوا انسان التکرار لا حل الحصر انما یکون عمدا تو یہ تین صورتیں ہیں۔ پھر ان میں ہر ایک فرائض میں ہوگی جن میں جمعہ بھی شامل یا واجبات میں کہ وتر عیدین کو مشتمل یا سنن مؤکدہ میں کہ تراویح وغیرہ کو متبادل یا نفل مطلق میں، یہ چار ہوئیں اور لمحاظ انقسام یہ منفرد و امام ولا ثالث لهما لان المقتدی لا حظ لہ فی القراءۃ و ازاتجا کہ جمعہ عیدین میں انفرادا متصور، یہ چار بحق امام چھ کی طرف مشتمل ہوں گی خمسہ جمعہ عیدین وتر سنن نوافل اور بحق منفرد چار ہی رہیں گی اور مجموعہ میں صورتیں ہوں گی کمالا یحقی ان سب کا حکم مکمل یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں سہوا کچھ نہیں اور عہد یا غیر فرائض میں منفرد کو مطلقا جائز۔ ہاں اس کے سبب یہ رکعت اپنی پہلی سے طول فاحش پیدا کرے تو مکروہ تنزیہی اور امام کو مطلقا ناجائز جبکہ مقتدیوں پر ثقیل کرے رہے۔ فرائض ان میں نفس کراہت علی الاطلاق ہے اور تطویل ہو تو دوہری کراہت اور ثقیل ہو تو امام کے حق میں معصیت۔

عائگیریہ میں فرمایا: اذا کمر رأیة واحدة مرارا فان کان فی التطوع الذی یصلی وحده فذلک غیر مکروہ و ان کان فی الصلاۃ المفروضۃ فهو مکروہ فی حالة الاختیار ولما فی حالة العذر والنسیان فلا یس بہ ذلک فی المحيط۔

باقی احکام کے نقول آئندہ آتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان میں کسی صورت میں سجدہ سہو نہیں۔ فرائض میں عدا ہوا تو صرف کراہت ہے اور عمد میں سجدہ سہو نہیں اور سہو پر صاف فرمایا کہ کوئی حرج نہیں اور ترک واجب ہوتا تو حرج ضرور تھا، نماز میں قصور تھا جس کے جبر و تلافی کو سجدہ لازم تھا۔ ضم سورہ میں تکرار سورہ موجب تاخیر رکن نہیں کہ سورت بہ تکرار، سورت ہی رہے گی نہ کہ کوئی اور صورت۔ اور قرآن عظیم جتنا پڑھا جائے قرآن ہی ہے، نہ کہ فصل بالاجنبی جو مستلزم تاخیر رکوع ہو و لہذا علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر بعد فاتحہ چند سورتوں کو جمع کر کے پڑھے یا سورت کے بعد پھر سورہ فاتحہ پڑھے تب بھی کچھ واجب نہیں کہ قرأت اولیٰ کے متصل ہی رکوع ضرور نہیں۔ کما سیاتی تصریحہ من العلامة الشامی قدس سرہ السامی تمام نمازوں میں سہو کا ایک ہی حکم ہے مگر مشائخ کرام نے جمعہ و عیدین میں (کہ عادیۃ ان کی جماعت بڑی ہوتی، مجمع عام خواص و عوام ہوتا ہے) فتنہ و تشویش بے علما کے خیال سے بحالت سجدہ سہو ساقط جاتا۔

عالمگیریہ میں مضمرات اور نیز محیط سے ہے: السہو فی الجمعة والعیدین والمکتوبة والتطوع واحد الا ان مشایخنا قالوا لا یسجد للسہو فی العیدین والجمعة لئلا یقع الناس فی فتنہ.

سورہ فاتحہ مکرر ہونے کی بھی متعدد صورتیں ہیں کہ تکرار صرف قبل سورت کئی بار پڑھنے سے ہوئی یا صرف بعد یا یوں کہ قبل و بعد دونوں جگہ تلاوت کی اور بہر حال سہو یا عمد یہ چھ صورتیں ہیں۔ پھر تکرار کسی رکعت غیر لازمتہ القراءۃ میں ہوگی کہ قسم غیر الفجر کی ماعدہ الاولین ہے یا لازمتہ القراءۃ میں کہ مذکور کے سوا جملہ رکعات فرائض و واجبات و سنن و نوافل ہیں پھر بلحاظ انقسام بہ مفرد و امام اس تقسیم اخیر کی قسم اول بارہ اور اخیر از انجا کہ حق امام میں نمازیں چھ اور حق مفرد میں چار ہیں کما تقدم ساتھ جملہ بہتر صورتوں کی کما لا یخفی علی متعلم ذہین فضلا عن فاضل مثکم طین ان بارہ میں تکرار مطلقاً موجب سجدہ سہو نہیں۔ شرح منیہ میں ہے نو قید بالاولین لان الاقتصار علی مرة فی الاخرین لیس بواجب حتی لا یلزمہ سجود السہو بتکرار الفاتحہ فیہما سہوا.

ہاں قصد اہو تو تکرار دو صورت اخیرہ جن میں بعد سورت قرأت فاتحہ ہے مطلقاً ممنوع کہ عکس ترتیب ہے اور صورت اولیٰ امام کے لیے مکروہ تحریمی جب کہ مقتدیوں پر ثقیل ہو۔

رد المحتار میں ہے نولو نعملہ لا یکرہ مالم یؤدالی التطویل علی الجماعة او اطالة الركعة علی ما قبلہا.

در مختار میں ہے نولو نعملہ لا یکرہ مالم یؤدالی التطویل علی الجماعة او اطالة الركعة علی ما قبلہا.

رد المحتار میں ہے: اطالة الثانية علی الاولى یکرہ تنزیہاً اجماعاً.

رد المحتار میں ہے نفی شرح المنیۃ الاصح کراہۃ اطالة الثانية علی الاولى فی النفل ایضاً.

اور ان ساتھ میں اگر عمد اہو تو مطلقاً ناجائز و گناہ مکروہ صورت اخیر میں کہ تکرار فاتحہ قبل سورت نہیں، صرف ممانعت ہے

لترك واجب القراءة نماز کی حاجت نہیں لعدم ترك واجب الصلاة اور صورت اولیٰ میں کہ تکرار قبل سورت ہے اعادہ بھی واجب لترك الواجب وهو ضم السورة اور اگر سہو اہو تو صورت اولیٰ میں سجدہ آئے گا کما مر اور دو صورت اخیرہ میں کچھ نہیں لعدم ترك شی من الواجبات.

ذخیرہ وغیرہ میں ہے: فلو قرء ہافی رکعة من الاولین مرتین وحب سجود السہو لتاخیر الواجب وهو السورة وکذا لو قرء اکثر ہاتم اعاذھا کما فی الظہیریۃ۔
عالمگیریہ میں ہے: ولو کرر ہافی الاولین یجب علیہ سجود السہو بخلاف ما لو اعاذھا بعد السورة

لو کرر ہافی الآخرین کذا فی التبین۔
روایت میں ہے: اما لو قرء ہا قبل السورة مرة وبعدها مرة فلا یجب کما فی الخاتیۃ واختاره فی المحيط والظہیریۃ والخلاصۃ وصحیحہ الزہدی لعدم لزوم التأخیر لان الركوع لیس واجبا یأثر السورة فانه لو جمع بین سور بعد الفاتحة لا یجب علیہ شیء کذا فی البحر۔

اسی میں قبیل امامت ہے: انہم تصووا ان القراءة علی الترتیب من واجبات القراءة فلر عکسہ خارج الصلاة یکرہ فیکف لا یکرہ فی النقل۔

اس کے بیان واجبات میں ہے: انہم قالوا یجب الترتیب فی سور القرآن فلو قرأہ منکوسا لکن لا یلزمہ سجود السہو لان ذلك من واجبات القراءة لامن واجبات الصلاة کما فی البحر۔

یہیں سے ظاہر ہوا کہ تکرار فاتحہ و تکرار سورت کا حکم مختلف ہے وقد مضی التفصیل علیہ التعلیل هذا ما عند هذا لعبد الذلیل والعلم بالحق عند ربنا العلی التحلیل وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وآله اجمعين بالتكريم والتجليل - والله تعالى اعلم

مسئلہ: ازڈھا کہ مشرقی بنگال مرسلہ مولانا حافظ احسن الدین

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد وفات حضرت ﷺ جو شام چلے گئے تھے وہاں سے پھر واپس تشریف لائے یا نہیں اور مدینہ منورہ میں شاہزادوں کے حکم سے افان دی یا نہیں اور وہیں مدفون ہوئے یا نہیں اور قصیدہ حضرت بلال کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جھروا۔

الاجواب

اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں مگر اکثر کا قول ہے کہ شام میں انتقال فرمایا اور حلب میں مدفون ہوئے۔
اصحاب میں ہے: ثم خرج بلال بعد النبی ﷺ معاهدا الی ان مات بالشام پھر بعد وصال اقدس ﷺ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد کے لیے شام گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔
اسی میں ہے: قال البخاری مات بالشام فی زمن عمر امام بخاری نے کہا کہ حضرت بلال نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت میں شام میں انتقال فرمایا۔

اسد الغابہ میں ہے: وذهب الی الشام فمکن فیہ حتی مات پھر حضرت بلال شام چلے گئے یہاں تک کہ وہیں

انتقال فرمایا۔

تقریب اجتہاد امام ابن حجر میں ہے: مات بالشام۔ شام میں انتقال فرمایا۔

اصابہ میں ہے: ففی المعرفة لابن مندة انه دفن بحلب.

اسد الغابہ میں ہے: وقال علی بن عبد الرحمن مات بلال بحلب ودفن علی باب الاربعین علی بن عبد الرحمن نے کہا کہ بلال نے حلب میں انتقال فرمایا اور باب الاربعین میں مدفون ہوئے۔

اسی میں ایک قول کا تب واقدی کا نقل کیا کہ دمشق میں انتقال فرمایا اور باب الصغیر میں دفن ہوئے اور ایک روایت میں ہے: بعد شام جانے کے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے فرمایا اے بلال! کیا تجھے اس کا وقت نہیں آیا کہ تو ہماری زیارت کرے۔ پس یہ غمگین ہو کر جاگے اور مدینہ طیبہ کے قصد سے سوار ہوئے اور روضہ اقدس پر حاضر ہوئے اور روتے اور لوٹتے تھے کہ صاحبزادگان حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائے حضرت بلال دونوں صاحبوں کو چومتے اور گھٹے لگاتے پس دونوں نے فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آج صبح کی اذان تم دوپہں مسجد کی چھت پر چڑھے اور فرمایا اللہ اکبر گونج اٹھادینے اور جب کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ زیادہ ہوا گوینا اس کا پھر جب کہا اشہد ان محمدا رسول اللہ پر دے والی عورتیں اپنے پردوں سے نکل آئیں ذکر ہا فی اسد الغابہ اور قصیدہ حضرت بلال میری نظر سے نہیں گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ازد دوست پور ضلع سلطانپور سرسلہ حاجی عبداللہ خاں صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک مسجد منہدم تھی۔ اس کو ایک شخص نے اس طور پر درست کرا کے چھت پٹوائی جو کہ شہید ہونے والی ہے بالکل غیر مستحکم۔ راجوں کا بیان ہے کہ یہ بہت جلد شہید ہو جائے گی۔ اسی لئے اہل محلہ چاہتے ہیں کہ چھت کو گرا کر دیواروں پر کچیریل ڈلوادیں تاکہ دیواریں بھی محفوظ رہیں اور سایہ بھی ہو جائے۔ آیا ان کو یہ کام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ینوا توجروا

الواب

وقف کی تعمیر ای طرح چاہئے جس طرح اصل میں تھی کما نص علیہ فی الاشیاء وفتح القدیر وغیرہما تو اگر اہل محلہ استطاعت رکھتے ہیں کہ کمزور چھت کو مستحکم کر دیں یا اسے اتار کر مضبوط الحکم چھت بنوادیں تو چھت ہی بنوائیں اور اگر استطاعت نہیں اور چھت کے گر جانے کا ظن غالب ہے تو جائز ہے کہ اس کے بدلے کچیریل ڈلوادیں پھر جب استطاعت ہو اس وقت بنوائیں واللہ یعلم المفید من المصلح۔

مضمرات پھر ہندیہ پھر طحاوی پھر شامی میں ہے: مسح منی اراد رجل ان ینقضہ وینہ احکم لیس لہ ذلک لانہ لا ولایۃ لہ اہ۔

رد المحتار پھر تاتارخانیہ میں ہے: الا ان یخاف ان یتہدم ان لم یہدم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ازانا وہ مرسلہ مولانا مولوی عبدالصطفیٰ وحی علی صاحب

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک زوجہ میں کسی امر خاگی پر ضد بڑھ گئی۔ زوج نے کہا دیکھو اگر تم میرا کہنا نہ مانو گی تو میں تمہیں طلاق دیتا ہوں پھر کہا دیکھو مانو نہیں تو طلاق دیتا ہوں۔ اس پر زوجہ نے سخت کلامی کی۔ زوج نے کہا تم پر طلاق ہے۔ جب دونوں کا غصہ فرو ہو چکا تو سخت پشیمان ہوئے۔ اب جواب طلب یہ امر ہے کہ یہ تین طلاقیں مانی جائیں گی یا صرف پہلی ایک طلاق مانی جائے گی کیونکہ اول دوبار میں محض طلاق کا قصد اور آمادگی پائی جاتی

ہے نہ صریح طلاق۔ البتہ تیسری بار میں طلاق صریح ہے۔ پس یہ طلاق رجعی ہوئی یا نہیں اور شوہر پھر رجوع کر سکتا ہے یا نہیں اور اگر یہ طلاق بائن ہے تو کس قسم کی ہے؟ آیا شوہر زوجہ سے پھر نکاح کر سکتا ہے یا حتیٰ تنکح زوجہ غیرہ کی حد میں آگئی؟
 (۲) حیوان قربانی کا پوست و کلمہ و پارچہ و امعاء وغیرہ فروخت کر کے قیمت اس کی نذر تعمیر مسجد کر سکتے ہیں یا نہیں؟
 (۳) قربانی کا جانور ایسے فروخت کرنے والے سے خرید کر سکتا ہے کہ فروشدہ جانور مذکور خریدار کا مقروض ہے۔ زر قرضہ میں قیمت حیوان قربانی کی خریدار محسوب کر سکتا ہے یا نہیں؟
 (۴) قصاب کو قتل ذبح قربانی کے صاف کرنے اور بنانے کی اجرت معین کر لینی چاہیے یا بعد قربانی کرنے کے بطور خود قصاب مذکور کو اس کی اجرت دی جائے صورتہائے مذکورہ میں مفصل طور پر ارشاد فرمایا جائے۔ بینوا توجروا

الـجـواب

(۱) صرف ایک طلاق رجعی ہوئی کہ دونوں پہلے قول اس کے تعلیق تعلق ہیں نہ تعلیق طلاق اور ان سے عرفاً ارادہ عزم ظاہر ہے اور دونوں باروں کے لفظ معنی تحویف کی طرف متاخر ہے ولا ینبئ الطلاق بالشک ہاں اس سے بہ نیت ایقاع طلاق یہ کہے تو طلاق مغلطہ ہوگی۔ اب بے حلالہ حلال نہیں ہو سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم
 (۲) کر سکتے ہیں اگر مسجد کے لیے بیع کیا ہو اور اپنے لئے بیچا پھر ارادہ مسجد میں دینے کا کر لیا تو نہیں دے سکتا بلکہ فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے لہذا نہ حاصل ہو جائے۔

عامگیر یہ میں ہے نہ تو تصدق برو تھاہ و اذا کان هذا بالروث فالتصدق بالاطراف وغیرہا اولیٰ اور ظاہر ہے کہ اس تصدق سے مراد صدقہ واجبہ نہیں بلکہ نافلہ ہے جو جمع قربات کو شامل کما حققته فی رسالتی اعلام المساجد بصرف جلود الاضحیۃ الی المساجد۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) ہاں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) قبل ذبح یا بعد ذبح کے اختیار ہے، البتہ قبل بنانے کے مقرر کر لینا چاہیے۔

عامگیر یہ کتاب الاچارہ شرائط انعقاد جاریہ میں ہے۔ و منها ان تكون الاجرة معلومة۔
 اجرت دینے میں اس کا ضرور خیال رہے کہ اجرت اپنے پاس سے دے۔ اضحیٰ کے گوشت یا پوست سے ادائے اجرت صحیح نہیں۔

ہدایہ میں ہے: ولا يعطى اجر جزار من الاضحیۃ لقوله ﷺ لعلى رضى الله عنه تصدق بجلالها وخطامها ولا تعط اجر الجزار منها شيئا۔ اضحیٰ کی جھول اور مہار کو صدقہ کر دے اور اس سے کچھ قصاب کی اجرت میں نہ دے۔ رواہ الائمة الستة الا الترمذی عنه رضى الله تعالى عنه۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتابیات

مآخذ ومراجع

تفسير

نمبر	اسماء كتب	اسماء مصنفين	سن وفات
١	افضل القرآن	شهاب الدين احمد بن علي ابن حجر العسقلاني	٨٥٢هـ
٢	البحر المحيط	شيخ اشير الدين ابوشيان محمد ابن يوسف اندلسي	٤٢٥هـ
٣	تفسير ابن ابي حاتم	ابو محمد عبد الرحمن ابن ابي حاتم محمد الرازي	٣٢٤هـ
٤	التفسير لابن جرير طبري (جامع البيان)	محمد بن جرير الطبري	٣١٠هـ
٥	التفسير لابن كثير	علامه اسماعيل بن عمرو دمشق	٤٤٢هـ
٦	تفسير ابن مردويه	احمد بن موسى ابن مردويه	٣١٠هـ
٧	التفسير لابن اسعود (ارشاد السليم)	علامه ابواسود محمد بن محمد الحمادي الحنفي	٩٨٢هـ
٨	التفسيرات الاحمدية	احمد بن ابوسعيد معروف به ملاخيون	١١٣٠هـ
٩	تفسير البيضاوي	عبد الله بن عمر البيضاوي	٦٩١هـ
١٠	تفسير الجلالين	علامه جلال الدين محلي و جلال الدين السيوطي	٩١١-٨٠٠هـ
١١	تفسير جمل على الجلالين	عليان ابن عمر عجلي معروف به جمل	١٢٠٣هـ
١٢	التفسير الحسني	شيخ يحيى بخاري بخاري بن محمود ابن محمد الحسني	
١٣	التفسير للخازن (لباب التاويل في معاني التنزيل)	علامه الدين علي بن محمد الخازن	٤٤١هـ
١٤	تفسير روح البيان	شيخ اسماعيل دقي	
١٥	تفسير الصاوي على الجلالين	شيخ احمد بن محمد الصاوي المالكي	
١٦	تفسير الفتوحات الربانية	عبد العزيز الحكيم	

۱۷	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۵۶۰۶
۱۸	التفسیر الکشاف	جابر اللہ محمود بن عمر الزختری	۵۵۳۸
۱۹	التفسیر للنیشاپوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشاپوری	۵۷۲۸
۲۰	تفسیر انہار المارکین البحر	شیخ اشیر الدین ابو حیان محمد بن یوسف اندکی	۵۷۳۵
۲۱	التفسیر للواحدی	امام علی بن احمد بن محمد ابو الحسن الواحدی عیشاپوری	۵۴۶۸
۲۲	التفسیر البیہقی		
۲۳	تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباس	ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی	۵۸۱۷
۲۴	جامع احکام القرآن	قاضی ابو عبد اللہ محمد بن احمد ابو بکر بن عربی قرطبی مالکی	۵۶۷۱
۲۵	حاشیہ تفسیر بیضاوی	علامہ شہاب الدین خفاجی	۵۱۰۶۹
۲۶	حاشیہ تفسیر بیضاوی	علامہ قزوینی	
۲۷	الدر المنثور	علامہ جلال الدین عبد الرحمن سیوطی	۵۹۱۱
۲۸	روح المعانی	سید محمود بن عبد اللہ آلوسی الریخدادی	۵۱۷۰
۲۹	فتح البیان فی مقاصد القرآن	صدیق حسن خان بھوپالی	۵۱۳۰۷
۳۰	فتح الرحمن الطالب آیات القرآن	فیض اللہ طلمی زادہ	
۳۱	مدارک التقریل	ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسخی	۵۷۱۰
۳۲	معالم التقریل	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۵۱۶

حدیث

۱	اتحاف السامع المستمع فی شرح احیاء علوم الدین	سید محمد مرتضی زبیدی بکرائی	۵۱۲۰۵
۲	احیاء علوم الدین	امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی	۵۵۰۵
۳	الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل البخاری	۵۴۵۶
۴	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۵۹۲۳
۵	الاستیعاب	ابو عمر یوسف ابن عبد البر قرطبی	۵۴۶۳
۶	اشعۃ المعانی	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲

٥٥٥٨	شهر دار بن شيرويه الديلمي	٤	الافراد
٥٦٣٣	محمد بن محمود ابو صبيدة بن حسن بغدادى معروف بامير النجار	٨	تاريخ ابن نجار
٥٢٥٦	امام محمد بن اسماعيل البخارى	٩	التاريخ
٥٣٦٣	ابو بكر احمد بن علي الخطيب البغدادي	١٠	التاريخ للبغداد
٥٥٥١	علامه علي بن الحسن معروف بامير عساكر دمشق	١١	تاريخ دمشق
	عبد الجبار الخولاني	١٢	التاريخ
٥٦٤١	ابو عبد الله محمد ابن احمد القرطبي	١٣	التذكرة للقرطبي
٥٦٥٦	زكي الدين عبد العظيم بن عبد القوي المنذري	١٣	الترغيب والترهيب
٥١٣٣٣	ابو الحسنات عبد الحكي قريشي	١٥	العتيق المجد حاشية الموطا امام محمد
٥١٠٥٢	شيخ عبد الحق محمد دبلوي	١٦	جامع البركات
٥٢٤٩	امام ابو عيسى محمد بن عيسى الترمذي	١٤	جامع الترمذي
٥٣٦٣	ابو بكر احمد بن علي الخطيب البغدادي	١٨	الجامع للاحلاق الراوي والسامع
٥٩١١	جلال الدين عبد الرحمن بن ابو بكر السيوطي	١٩	الجامع الصغير في الحديث
٥٣٣٠	ابو عظيم احمد بن عبد الله الاصمعي	٢٠	حلية الاولياء
	علامه سيف الدين ابو جعفر بن عمر الحميري الحنفي	٢١	الدر المنظم في مولد النبي الكريم
٥١١٤٦	شاه ولي الله محمد دبلوي	٢٢	الدر الثمين في مبشرات النبي الامين
٥٣٥٨	ابو بكر احمد بن حسين بن علي التميمي	٢٣	دلائل النبوة
٥٢٤٣	ابو عبد الله محمد بن يزيد ابن ماجه	٢٣	سنن ابن ماجه
٥٢٤٥	ابوداؤد سليمان بن اشعث كسنتاني	٢٥	سنن ابوداؤد
٥٣٥٨	ابو بكر احمد بن حسين بن علي التميمي	٢٦	سنن تميمي
٥٣٨٥	علي بن حماد الدارقطني	٢٤	سنن دارقطني
٥٢٥٥	عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي	٢٨	سنن دارمي
٥٣٠٣	امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعيب نسائي	٢٩	سنن نسائي
٥٩١١	جلال الدين عبد الرحمن بن ابو بكر السيوطي	٣٠	شرح ابن ماجه

٣١	شرح جامع ترمذی	محمد ابو الطیب سندھی	٥١٠٩
٣٢	شرح جامع صغیر	عبد اللہ بن عمر البیضاوی	٥٦٩١
٣٣	شرح الشفا	ملا علی بن سلطان القاری	١٠١٣
٣٤	شرح المسلم	شیخ ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی	٥٦٤٦
٣٥	شرح موطا امام مالک	علامہ محمد بن عبد الباقي الزرقانی	١١٢٢
٣٦	شرح المواہب اللدنیہ	علامہ محمد بن عبد الباقي الزرقانی	١١٢٢
٣٧	شعب الایمان	امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	٣٥٨
٣٨	الشفاعہ عریف حقوق المصطفیٰ	قاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ مالکی	٥٥٣٣
٣٩	شفاء القام فی زیارة خیر الانام	نقی الدین علی بن عبد الکافی السبکی	٥٤٥٦
٤٠	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	٥٣٥٣
٤١	صحیح البخاری	امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری	٥٢٥٦
٤٢	صحیح المسلم	امام مسلم بن حجاج القشیری	٥٢٦١
٤٣	طبقات ابن سعد	محمد بن سعد	٥٣٢٠
٤٤	طبقات اصحابنا		
٤٥	طبی شرح مشکوٰۃ	شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ الطیبی	٥٤٣٣
٤٦	عقود الجواهر المزیہ فی روایۃ الامام ابی حنیفہ	سید محمد مرتضیٰ زبیدی بکراہی	١٢٠٥
٤٧	عمون المعبود علی سنن ابی داؤد	ابو الطیب شمس الحق بن شیخ امیر علی عظیم آبادی	١٣٢٩
٤٨	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	٨٥٣
٤٩	فتح المغیث	امام محمد ابن عبد الرحمن سخاوی	٩٠٢
٥٠	فوائد ابن ابی بکر بن خلاد	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	٥٣٣٠
٥١	القول الجمیل ترجمہ شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ مترجم خرم علی بلہوری	١١٤٦
٥٢	الکامل	ابو احمد عبد اللہ ابن عدی	٣٦٥
٥٣	کتاب الآثار	امام محمد ابن حسن شیبانی	١٨٩
٥٤	کتاب الاخوان	ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید بن ابی دنیا القرشی	٥٢٨١

۵۵	کتاب الصحاح	ابو موسیٰ المدنی	
۵۶	کتاب العمل	ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم محمد الرازی	۵۲۲۷
۵۷	کتاب الفتن	نعیم ابن حماد	
۵۸	کتاب القیور	امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی التیمی	۵۳۵۸
۵۹	کنز العمال	علامہ الدین علی بن حصام الدین	۵۹۷۵
۶۰	مجمع بحار الانوار	محمد طاهر صدیقی	۵۹۸۱
۶۱	مرقات شرح مشکوٰۃ	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴
۶۲	مسند امام احمد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۵۲۳۱
۶۳	مسند امام اعظم	امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوئی	۵۱۵۰
۶۴	مسند ابن ابی شیبہ	ابو بکر بن ابی شیبہ	۵۲۳۵
۶۵	مسند ابو یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۵۳۰۷
۶۶	مسند ابوداؤد الطیالسی	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۵۲۰۳
۶۷	مسند البزار	ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الحلق البزار	۵۲۹۲
۶۸	مسند الفردوس	شیردار بن شیریہ الدیلمی	۵۵۵۸
۶۹	المستدرک	ابو عبد اللہ الحاکم	۵۳۰۵
۷۰	المسوی شرح الموطا	شامہ ولی اللہ دہلوی	۱۱۷۶
۷۱	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقي	۵۷۳۲
۷۲	مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ	ابو بکر عبد اللہ بن محمد احمد النشی	۵۲۳۵
۷۳	مصنف عبد الرزاق	ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی	۵۲۱۱
۷۴	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۵۳۶۰
۷۵	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۵۳۶۰
۷۶	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۵۳۶۰
۷۷	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۵۹۲۳
۷۸	الموضوعات الکبیر	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴

۷۹	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۷۹ھ
۸۰	موطا امام محمد	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹ھ
۸۱	تسیم الرياض	شہاب الدین خفاجی	۱۰۶۹ھ
۸۲	نواور الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	امام ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵ھ
۸۳	وفاء الوفا باخبار دارالمصطفیٰ	علی بن عبد اللہ سہودی	

عقائد، اصول، فقہ

۱	الایات	للسیبری	
۲	اتحاف الابصار والبصائر		
۳	اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۳۰ھ
۴	اذکی الابلال بابطال ماحدث الناس فی امر الہلال	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	
۵	اسعاف المبطل برجال الموطا	جلال الدین عبد الرحمن بن ابوبکر السیوطی	۹۱۱ھ
۶	الاشیاء والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم معروف بیدین نجیم	۹۷۰ھ
۷	الاصلاح للوقایہ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال پاشا	۹۳۰ھ
۸	الحجج الصادق عن سنن الصاد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۳۰ھ
۹	امداد المسلمین		
۱۰	انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرطوسی	۷۷۸ھ
۱۱	ایذان الاجری فی اذان القبر	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۳۰ھ
۱۲	الایضاح		
۱۳	الباعث علی انکار البدع والحوادث	امام حافظ ابو محمد عبد الرحمن ستاوی	۹۰۲ھ
۱۴	البحر الرائق شرح کنز الدقائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم (ابن نجیم)	۹۷۰ھ
۱۵	بدائع الصنائع	علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی	۸۸۷ھ
۱۶	براہین قاطعہ	خلیل احمد انیسوی	۱۳۳۶ھ
۱۷	برکات الامداد لائیل الاستمداد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۳۰ھ

۱۸	البنایہ شرح ہدایہ	امام بدرالدین ابو محمد عینی	۸۵۵ھ
۱۹	تیسیمین الحقائق	امام فخرالدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۷۳ھ
۲۰	النجیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرینی	۵۹۳ھ
۲۱	تحدیر الناس	مولوی قاسم ناتووی	۱۲۹۷ھ
۲۲	تذکرۃ الموقی والتبور	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ
۲۳	ترغیب الصلوٰۃ		
۲۴	الترجیح والصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
۲۵	الصحیح المسائل	علامہ فضل رسول بدایونی	۱۲۸۹ھ
۲۶	تواریق قاسم بن قطلوبغا	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
۲۷	تعلیم المعلم	امام برہان الاسلام زرنوجی تلمیذ صاحب ہدایہ	
۲۸	تفہیم المسائل		
۲۹	تقویۃ الایمان	مولوی اسماعیل دہلوی	۱۸۳۱ھ
۳۰	تکملة الرازی		
۳۱	حنیۃ الولاۃ		
۳۲	تنقیح الفتاویٰ الجامدیۃ	علامہ سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۳۳	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ ابن احمد ترمذی	۱۰۰۳ھ
۳۴	توضیح تلویح	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر ثقات زانی	۷۹۲ھ
۳۵	التیسیر للمناوی	عبدالرزاق المناوی	۱۰۳۱ھ
۳۶	تیسیر المقاصد		
۳۷	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲ھ
۳۸	جامع القصصین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل معروف بہ ابن قاضی	۸۲۳ھ
۳۹	جامع المختصرات		
۴۰	جد المثار	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۴۱	جواب استفتائے رویت ہلال	امیر شریعت اول، پھلواری شریف، پٹنہ	

۳۲	جوہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	
۳۳	الجوہر النیرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی	۵۸۰۰
۳۴	حاجز البحرین الواقع عن الجمع بین الصلاحتین	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۵۱۳۴۰
۳۵	حاشیہ الدر المختار	علامہ عبدالکیم سیالکوٹی	۵۱۰۶۷
۳۶	حاشیہ درر	محمد بن مصطفیٰ ابوسعید الخاوی	۵۱۱۷۶
۳۷	حاشیہ شرح عقائد	علامہ حسن شہید	
۳۸	حاشیہ شرح عقائد	علامہ احمد بن موسیٰ خیالی	۵۸۶۲
۳۹	حاشیہ الشریعۃ المسراجی	سید شریف علی بن محمد البحر جانی	۵۸۱۶
۵۰	حاشیہ العلامة الشلی علی السنین	احمد بن محمد الشلی	۵۱۰۳۱
۵۱	حاشیہ کنز الدقائق	قاضی القضاۃ ابوالسعود بن محمد عمادی خفی	۵۹۸۲
۵۲	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن نوح القابلی	۵۶۰۰
۵۳	الحجۃ القاضیہ بطیب العین والفاطمہ	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۵۱۳۴۰
۵۴	الحمدیۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیۃ	علامہ عبدالغنی النابلسی	۵۱۱۳۳
۵۵	الحرف الحسن فی الکتابۃ علی اللسان	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۵۱۳۴۰
۵۶	حسن التوسل	شہاب الدین احمد بن جبرکی	۵۹۷۳
۵۷	حلیۃ الجنی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۵۸۷۹
۵۸	خزانۃ المفتیین	حسین بن محمد السمعی السمرقانی	۵۷۷۰ کے بعد
۵۹	خزانۃ الروایات	قاضی حکیم الحق	
۶۰	درر المحکام	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۵۸۸۵
۶۱	الدر المختار علی تنویر الابصار	علامہ علاء الدین المصطفیٰ	۵۱۰۸۸
۶۲	الدر المختار شرح التلخیص		
۶۳	ذخیرۃ العقبی	یوسف بن جنید الحق (طبی)	۵۹۰۵
۶۴	رد المحتار علی الدر المختار	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۵۱۲۵۲
۶۵	روح المسائل فی الفروع	شیخ ابو ذکریا یحییٰ بن شرف النووی	۵۶۷۶

۶۶	زبدۃ النصارح فی مسائل الذبائح	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۶ھ
۶۷	زیادات امام محمد	امام محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۶۸	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد المجداد السیسی	
۶۹	السراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی	ساتویں صدی
۷۰	سل الحسام المہندی		
۷۱	سک تحقیق الحقیقہ	مطبوعہ گلزار حسنی بمبئی	
۷۲	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن البیری	۱۰۹۹ھ
۷۳	شرح شریعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱ھ
۷۴	شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور	علامہ جلال الدین عبدالرحمن السیوطی	۹۱۱ھ
۷۵	شرح العقائد	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۷۶	شرح العقائد	علامہ جلالی	
۷۷	شرح عباب		
۷۸	شرح عقود رسم المفتی	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۷۹	شرح الفقہ الاکبر	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۳ھ
۸۰	شرح القدوری	علامہ محمود زہدی	
۸۱	شرح حاشیۃ الكنز	ملا مسکین مصطفیٰ الدین الہروی	۹۵۳ھ
۸۲	شرح الملباب		
۸۳	شرح الجمع		
۸۴	شرح مختصر وقایہ	محمود بن الیاس رومی (۸۵۱ھ میں مکمل کی)	
۸۵	شرح مختصر وقایہ	عبدالعلی برجنیدی (۹۳۲ھ میں مکمل ہوئی)	
۸۶	شرح المقاصد	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۸۷	شرح مسلم الثبوت	علامہ عبدالحق خیر آبادی	۱۳۱۶ھ
۸۸	شرح الوقایہ	صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود	۷۳۷ھ
۸۹	شرح وہبانیہ	علامہ محمد بن محمد ابن شہنہ	۸۹۰ھ

۹۰	شرع الاسلام	امام رکن الاسلام محمد ابن ابوبکر	۵۵۷۳
۹۱	شرعیات	حسن بن عمار بن علی الشریانی	۱۰۶۹ھ
۹۲	صراط مستقیم	مولوی اسماعیل دہلوی	۱۸۳۱ء
۹۳	صغیری شرح منیہ	ابراہیم الحکیمی	۹۵۶ھ
۹۴	الصواعق المحرقة	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳ھ
۹۵	طحاوی علی الدرر	سید احمد بن محمد الطحاوی	۱۳۰۲ھ
۹۶	طحاوی علی المراتی	سید احمد بن محمد الطحاوی	۱۳۰۲ھ
۹۷	طریقہ محمدیہ ترجمہ درویشیہ		
۹۸	العطاء النبوی فی الفتاویٰ الرضویہ	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۹۹	فقہ الدریہ	سید محمد امین ابن عابدین الشافعی	۱۲۵۲ھ
۱۰۰	عمدة الرعاۃ فی حل شرح الوقایہ	ابوالحسنات محمد عبدالحی قرنگی محلی	۱۳۰۳ھ
۱۰۱	عمدة القاضی فی ادلة جواز العرس والقاضیہ	مولانا سلامت اللہ رامپوری	
۱۰۲	العتابۃ	اکمل الدین محمد بن محمد انباری	۷۸۶ھ
۱۰۳	یحییٰ شرح کنز	علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵ھ
۱۰۴	غرر الاحکام	قاضی محمد ابن فراموز ملا خسرہ	۸۸۵ھ
۱۰۵	غزیمون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکی	۱۰۹۸ھ
۱۰۶	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد طبری	۹۵۶ھ
۱۰۷	فتاویٰ اسعدیہ	سید اسعد بن ابی بکر حسینی مدنی	۱۱۱۶ھ
۱۰۸	فتاویٰ آجود		
۱۰۹	فتاویٰ بزازیہ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷ھ
۱۱۰	فتاویٰ تاتار خانیہ	عالم بن الاعلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
۱۱۱	فتاویٰ الحجۃ		
۱۱۲	فتاویٰ حدیثیہ	احمد بن محمد بن حجر البیہقی	۹۷۳ھ
۱۱۳	فتاویٰ خلاصہ	طاہر ابن احمد عبدالرشید البخاری	۵۵۴ھ

۱۱۳	فتاویٰ الخیر فی النفع البریہ	علامہ خیر الدین ابن احمد بن علی الرطبی	۱۰۸۱ھ
۱۱۵	فتاویٰ رحمانیہ		
۱۱۶	فتاویٰ رشیدیہ	رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
۱۱۷	تفسیر السراج المنیر	محمد الخطیب الشرمینی	۹۷۷ھ
۱۱۸	فتاویٰ سراجیہ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۵۷۵ھ
۱۱۹	فتاویٰ عزیزہ	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۱۲۰	فتاویٰ شیخ الاسلام البلقینی		
۱۲۱	فتاویٰ صوفیہ		
۱۲۲	فتاویٰ ظہیریہ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹ھ
۱۲۳	فتاویٰ عالمگیریہ	جمعیۃ علمائے اورنگ زیب	
۱۲۴	فتاویٰ مولانا عثمان حسن دمیاطی	مولانا عثمان حسن دمیاطی	
۱۲۵	فتاویٰ علامہ قاری الہدیہ	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز	۵۳۶ھ
۱۲۶	فتاویٰ غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۲۷	فتاویٰ قاضی خان	امام حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲ھ
۱۲۸	فتاویٰ الکبریٰ لصدرا الشہید		
۱۲۹	الفتاویٰ القرویہ		
۱۳۰	الفتاویٰ الولوالجیہ	عبد الرشید بن ابی حنیفہ الولوالجی	۵۳۰ھ
۱۳۱	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد (بہ ابن الہمام)	۸۶۱ھ
۱۳۲	فتح اللہ المعین	سید محمد ابوالسعود الحنفی	
۱۳۳	فصول العمدی	محمد بن محمود استریشی	۶۳۶ھ
۱۳۴	فوائد الرحموت	بحر العلوم عبد العلی محمد بن نظام الدین الکنڈی	۱۲۴۵ھ
۱۳۵	فوائد مفرقہ		
۱۳۶	فیصلہ بخت مسئلہ	حاجی امداد اللہ مہاجرکی	۱۳۱۷ھ
۱۳۷	القنۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸ھ

۱۳۸	القول بالاحسان المسمی فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم	علامہ شمس الدین بن القطان	
۱۳۹	القبضاتی		
۱۴۰	الکافی شرح الوافی	ابو البرکات عبد اللہ بن محمد النسخی	۵۷۱۰ھ
۱۴۱	کشف الغمۃ عن جمیع الامم	امام عبد الوہاب الشحرانی	۵۹۷۳ھ
۱۴۲	کشف الاصول	امام فخر الاسلام علی بن محمد یزدوی	۵۴۸۲ھ
۱۴۳	کنز الدقائق	امام عبد اللہ بن احمد بن محمود	۵۷۱۰ھ
۱۴۴	لمعة النسخی فی اعفاء النسخی	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۳۰ھ
۱۴۵	ما یسائل	مولوی اسحاق دہلوی	۱۲۶۲ھ
۱۴۶	ما ثبت بالسنة	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۴۷	مبسوط سرخسی	شمس الامام ابو بکر محمد بن احمد السرخسی	۵۴۸۳ھ
۱۴۸	مجمع الانهر	الشیخ عبد اللہ بن محمد بن سلیمان معروف بہ داماد آقندی	۱۰۷۸ھ
۱۴۹	مجمع البرکات	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۵۰	مجمع الردایات		
۱۵۱	مجمع الفتاویٰ		
۱۵۲	المحاكمة المملیة فی حکم جلود الاضغیة	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۳۰ھ
۱۵۳	المحیط	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶ھ
۱۵۴	المحیط للسرخسی / المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱ھ
۱۵۵	المختار		
۱۵۶	مختار الفتاویٰ		
۱۵۷	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ
۱۵۸	المدخل	ابو عبد اللہ محمد ابن محمد ابن امیر الحاج العبدی	۷۳۷ھ
۱۵۹	مرآتی الفلاح بامداد الفتاح	حسن بن غمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۱۶۰	مسائل اربعین	مولوی اسحاق	۱۲۶۲ھ
۱۶۱	مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق	ابو القاسم بن بکر لیشی سمرقندی	

۱۶۲	المستطرف		
۱۶۳	المسک المصنوع شرح مشک التوسط	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۳ھ
۱۶۴	مسلم الثبوت	محب اللہ الہیاری	۱۱۱۹ھ
۱۶۵	مصباح الدینی	امام حسان بن محمد صفائی ہندی	۶۵۰ھ
۱۶۶	معراج الدراریہ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۳۹ھ
۱۶۷	مغنی المستفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۶۸	مقطب (فی فتاویٰ ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶ھ
۱۶۹	مفتی الامیر	امام ابراہیم بن محمد الحلی	۹۵۶ھ
۱۷۰	مناسک القاری		
۱۷۱	منہ الخالق	سید محمد امین بن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۱۷۲	منہ الفکر	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۳ھ
۱۷۳	المنک التوسط	رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ سندھی	۹۶۲ھ
۱۷۴	المدنیہ / مدنیہ المسلمی	سید محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵ھ
۱۷۵	المواقف السلطانیہ فی علم الکلام	عبد الدین عبدالرحمن بن رکن الدین احمد	۷۵۶ھ
۱۷۶	المواہب	علامہ برہان الدین ابراہیم طرابلسی	
۱۷۷	نسخ الخلاق		
۱۷۸	انظم	زند وستی	
۱۷۹	نظم الفرائد	عبدالرحیم شیخ زادہ	
۱۸۰	التقایہ مختصر الوقایہ	امام عید اللہ بن مسعود	۷۲۵ھ
۱۸۱	نور الایضاح	حسن بن عثمان بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۱۸۲	نور الشمعد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۳۰ھ
۱۸۳	المنی الاکید عن الصلوٰۃ واداء عہدی التقليد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۳۰ھ
۱۸۴	الوافی	عبداللہ بن احمد النسخی	۷۱۰ھ
۱۸۵	واقعات المفتیین		

۱۸۶	الوجیز للکروری	بدر الدین محمد بن محمود الکروری خواہر زادہ	۵۶۵۱
۱۸۷	الوقایہ	محمود بن صدر الشریعہ	۵۶۷۳
۱۸۸	الوقف والابتدا	ابو جعفر نجاش	۵۳۳۸
۱۸۹	الہدایہ فی شرح البدایہ	برہان الدین علی بن ابی بکر الرغینانی	۵۵۹۳

سیرت، تصوف وغیرہ

۱	الابرار فی علم سیدنا عبد العزیز		
۲	احسن الوعا آداب الدعا	علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی	۱۲۹۷ھ
۳	اذقۃ الآثام لما نھی عنہ المولد والقیام	علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی	۱۲۹۷ھ
۴	الامن والعلمی لنا معی المصطفیٰ بدافع الایا	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۳۰ھ
۵	بیجہ الاسرار شریف	یوسف بن جویر النعمی الشطنوفی	۵۷۱۳
۶	التیسیر	علامہ ابو عمر عثمان حرائی	۵۳۴۳
۷	جامع الاصول فی الاولیاء وانواعہم	ضیاء الدین احمد مصطفیٰ کشکانوی مجددی	
۸	الجوہر المظہم فی زیارۃ قبر النبی المکرم	شہاب الدین احمد بن حجرکی	۵۹۷۳ھ
۹	رسالہ طیبہ	حافظ محمد ابی جزی	
۱۰	ذیل المدعا للاحسن الوعا	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۳۰ھ
۱۱	سبع سائل شریف	میر عبد الواحد ٹکرائی	۱۰۱۷ھ
۱۲	شاطبیہ	علامہ شاطبی	۵۵۹۰
۱۳	عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر	سید جعفر برزنجی شافعی	
۱۴	فوائد القواد شریف	محبوب الہی حضرت نظام الدین اولیا مرتبیہ حضرت امیر علاء بخاری	۵۷۲۵ ۱۳۳۶ھ
۱۵	شرح البردۃ	شیخ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۷ھ
۱۶	شرح البردۃ	علامہ خالد الازہری	
۱۷	شرح البردۃ	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۳ھ

۱۸	شرح عین العلم	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۳ھ
۱۹	قصیدہ بردہ شریف	امام ابو عبد اللہ محمد بن سعید بن حسن بصری	۶۹۶ھ
۲۰	قصیدہ دالیہ	سیدی ابو الحسین حمدونی شافعی	
۲۱	قصیدہ غوثیہ	محبوب سبحانی محی الدین ابو محمد سید عبدالقادر جیلانی	۵۶۱ھ
۲۲	قوت القلوب	امام ابو طالب مکی	۳۳۷ھ
۲۳	القول المنجی علی مولد البرزنجی	مفتی مالکیہ شیخ محمد بن احمد	
۲۴	کشف القناع عن اصول السماع	مولانا فخر الدین زراوی خلیفہ محبوب المکی	
۲۵	کنز العلوم واللغات		
۲۶	الکوکب النور علی عقید الجوہر	جعفر بن اسماعیل البرزنجی	۱۳۱۷ھ
۲۷	لسان العرب	بہمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۷۱ھ
۲۸	مدارج النبوة	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۲۹	مکتوبات مجدد الف ثانی	مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ
۳۰	ملفوظات	سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت	
۳۱	ملفوظات عزیز	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۳۲	ملفوظات	مخدوم جہاں شیخ شرف الدین سبکی منیری	۷۸۲ھ
۳۳	الفتح الحصریہ الاثبات القیام فی مولد خیر البریہ	امام مجدد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی	۸۱۷ھ
۳۴	نجات الایس	علامہ عبدالرحمن جامی	۸۹۸ھ

کلمات رضا

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری دہلوی مدظلہ العالی
کا مکتوب گرامی عام ناظم انجمن انجمن اہل علم لاہور

”مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں اعلیٰ طلباء سے
ہیں اور بھان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد سیکس تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے
مدارس میں مدارس کے علاوہ کارا قمار میں میرے معین ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درختوں آئیں آئی
ہوں، سب سے زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

○ سنی خالص قلم نہایت صحیح العقیدہ، باوقی مہدی ہیں

○ عام درسیات میں بے غلطی، تعالیٰ عاجز نہیں

○ مفتی ہیں

○ مصنف ہیں

○ واعظ ہیں

○ مناظر و دعوت تعالیٰ کر سکتے ہیں

○ علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تیار آگاہ ہیں

امام ابن حجر مکی نے درز و جز، میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہندو ملک عام بلاؤں میں یہ
علم، علما بلکہ عام مسلمانوں سے اٹھ گیا ہے، فقیر نے بتوفیق قدمیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا
چاہے جن میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے، انھوں نے بقدر کفایت اخذ
کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع و غروب و نصف الشہاد ہر روز تاریخ کے لئے اور جملہ
اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں،، (ہدایت ملک احمد ص ۳)

الجمع الرضوی ۸۲/ سودا گران پری شریف (یو پی)

مکتبہ نبویہ - گنج بخش روڈ - لاہور (پاکستان)